تذکرہ

حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

مُرتّبہ:
حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجدّدی
سجّادہ نشین آستانۂ عالیہ شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ

سرہند پبلیکیشنز کراچی ۸

تذکرہ

حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

مرتبہ
حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ

سرہند پبلی کیشنز
۸۸ دہلی مرکنٹائل کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی نمبر ۸۰۰

حقوق طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں

کتاب ــــــــــ تذکرۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

طابع ــــــــــ سرہند پبلی کیشنز، کراچی

مطبع ــــــــــ مشہور آفسٹ پریس، کراچی

ناشر ــــــــــ سرہند پبلی کیشنز، کراچی

طباعت ــــــــــ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء

اشاعت ــــــــــ سوم

تعداد ــــــــــ ایک ہزار

قیمت ــــــــــ ۳۴ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ سرہند پبلی کیشنز، ۸۸ دہلی مرکنٹائل کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک ۷/۸، کراچی ۸۰۶

۲۔ ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا، اخوند مسجد ۔ کھارادر کراچی

۳۔ مکتبۂ نور اسلام، شرقپور شریف (ضلع شیخوپورہ)

۴۔ مکتبۂ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور

ترتیب

نمبر شمار	مضمون	مصنف	صفحہ
۱۔	دیباچہ طبع ثانی		۵
	گفتنی		۷
۲۔	پیش لفظ		۹
۳۔	سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان رض	ابوالحسن محمد محبوب الٰہی رضوی	۱۳
۴۔	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رض	سید شرافت نوشاہی	۵۷
۵۔	حضرت امام اعظم رض اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	غلام مصطفٰی مصطفوی	۷۴
۶۔	حضرت امام اعظم اور اہل بیت	پیر محمد کرم شاہ ایم۔ اے	۸۴
۷۔	سیدنا امام اعظم رح کے عہدہ قضا سے انکار اور آپ کی شہادت کے اسباب کا مختصر جائزہ	سید محمد فاروق القادری ایم۔ اے	۹۱
۸۔	امام اعظم ابوحنیفہ رض کا قبول منصب قضاء سے انکار۔	پروفیسر فیاض کاوش ایم اے گورنمنٹ کالج میرپور خاص	۹۶
۹۔	علم حدیث میں امام اعظم رض کی خدمات	علامہ غلام رسول سعیدی صدر مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور	۱۱۶
۱۰۔	امام اعظم اور آئمہ مجتہدین	مولانا عبدالحکیم شرف قادری	۱۳۷
۱۱۔	امام فقہ و طریقت	مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رح	۱۵۰
۱۲۔	فقہ حنفی اکسیر اعظم اور کبریت احمر ہے۔	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۵۲
۱۳۔	فقہ حنفی کا اجمالی تعارف	ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی	۱۵۳
۱۴۔	فقہ حنفی پر مستشرقین کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ	قاضی ظہور احمد اختر ایم۔ اے	۱۹۲
۱۵۔	الفقہ الاکبر	پروفیسر اختر راہی ایم۔ اے	۱۹۷

صفحہ	مصنف	مضمون	نمبر شمار
۲۰۲	مولانا شاہ محمد چشتی سیالوی	حضرت امام ابوحنیفہ کی فطانت و فراست	۱۶ -
۲۰۸	جناب حکیم سید امین الدین احمد	حضرت امام شافعی رض کا حضرت امام اعظم سے توسل	۱۷ -
۲۱۱	محمد صادق قصوری	امام اعظم رض مکتوبات مجدد الف ثانی رح کی روشنی میں	۱۸ -
۲۱۶	مولانا محمد منشا تابش قصوری	حضرت سیدنا امام اعظم رض کے تلامذہ	۱۹ -
۲۳۳	بشیر حسین ناظم ایم - اے	حضرت سیدنا امام اعظم رض کے عقائد	۲۰ -
۲۴۰	میاں محمد دین کلیم	برصغیر پاک و ہند میں حضرت سیدنا امام اعظم رض کی اولاد امجاد	۲۱ -
۲۴۹	امام اعظم ابوحنیفہ رض (ترجمہ مولانا شاہ محمد چشتی سیالوی)	یوسف بن خالد سمتی کو امام اعظم ابوحنیفہ رض کی وصیت	۲۲ -
۲۵۲		فضائل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رض	۲۳ -

حصۂ نظم

صفحہ	مصنف	مضمون	نمبر شمار
۲۷۰	حضرت عبداللہ بن مبارک رض	امام المسلمین ابوحنیفہ رض	۲۴
۲۷۲	شیخ فرید الدین عطار رح	خراجِ عقیدت بحضور سیدنا امام ابوحنیفہ رض	۲۵
۲۷۳	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی	بیادگاہِ امام الائمہ کاشف الغمہ	۲۶
۲۷۴	حفیظ تائب	منقبت	۲۷
۲۷۵	حفیظ تائب	بیادگارِ امام اعظم رض	۲۸
۲۷۶	ابوالطاہر فدا حسین فدا	عقیدت کے پھول	۲۹
۲۷۷	مولانا اختر شاہجہانپوری مظہر	منقبت امام اعظم رض	۳۰
۲۷۸	(رسالہ فیضان سے)	منقبت	۳۱
۲۷۹	جناب مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم و مغفور	تواریخِ ولادت و وصال	۳۲
۲۸۳		کتابیات	۳۳

دیباچہ طبع ثالث

امامِ اعظم ابُوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آج مسلمانانِ عالم میں سے دو تہائی سے بھی زیادہ فرزندانِ توحید آپ کے فقہی مسلک سے وابستہ ہیں آپ نے فقہہ اسلامی اور اِسلامی قانون کی تدوین میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں وہ کسی بھی مسلمان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں حضرتِ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ پر عربی زبان میں بے شمار کتابیں تصنیف کی گئیں جن میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا، لیکن برصغیر پاک و ہند میں آپ کے اس علمی اور ملّی مقام کے باوجود بہت کم لکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ عمیم سے اس ناچیز کو یہ توفیق بخشی کہ نورِ اسلام کا امام اعظم نمبر نکالا جس میں پاکستان کے علما۔ اور دانشور حضرات نے حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی پر بیش قیمت اور تحقیقی مقالات تحریر فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس کاوش کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ پاکستان کے اطراف و اکناف سے لوگوں نے اسے پسند کیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا۔

چونکہ پاکستان میں بفضلہٖ تعالیٰ نظام مصطفٰے اور اسلامی قانون کے نفاذ کی طرف پیش رفت جاری ہے۔ اسے ملحوظ رکھتے ہوئے، حضرات کے پُرزور اصرار پر اب اس کو کتابی صُورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ مَیں اس کتاب کی اشاعت کو سرمایۂ سعادت تصور کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور ملتجی ہوں کہ وہ میری اس حقیر کوشش کو شرف قبول عطا فرماتے اور اس کی تصنیف اور اشاعت میں جن حضرات نے حصہ لیا ہے۔ انہیں خیر و برکت عطا فرمائے۔

مَیں جناب حکیم محمّد موسیٰ امرتسری، جناب ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، جناب محمّد اشرف قدسی جناب صُوفی غلام سرور کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس سلسلے میں اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازا اور اراکین سرہند پبلی کیشنز، کراچی بھی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کا اہتمام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں دینی و دنیادی سعادتوں سے نوازے۔

خاکپائے شیر ربانی و گدائے آستانہ لاثانی
میاں جمیل احمد شرقپوری

تعارف - سرہند پبلی کیشنز

شہر سرہند، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عظیم گہوارہ ہے ـــــ یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز پیدا ہوئے اور یہی وہ شہر ہے جہاں سے اُٹھنے والی احیاء اسلام کی تحریک پاک و ہند کے دور دراز علاقوں تک پہنچی اور ایک صالح انقلاب برپا کیا ـــــ ہم نے اسی نسبت سے اپنے ادارے کا نام سرہند پبلی کیشنز، تجویز کیا ہے۔

اس ادارے کی تشکیل کا خیال ۱۹۸۳ء میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے فعال و سرگرم پیشوا صاحبزادہ جمیل احمد شرقپوری مدظلہ العالی کے ذہن میں آیا اور اسی زمانے میں یہی خیال جناب الحاج شیخ صبور احمد صاحب (ڈائریکٹر کراچی کیمیکل انڈسٹریز۔ کراچی) اور جناب ظفر احمد صاحب کے ذہن میں آیا، تینوں حضرات نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کیلئے پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سے قلمی تعاون اور مشوروں کیلئے درخواست کی جو موصوف نے لوجہ اللہ بخوشی منظور کر لی اور اس طرح ادارے کے قیام کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکا۔

ادارے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو صالح اور سستا لٹریچر فراہم کیا جائے نفع اندوزی اس کا مقصد نہیں بلکہ مسلمانوں کی اصلاح حال اس کے پیش نظر ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ادارے کے مقاصد میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اور دوسرے سلاسلِ طریقت کے بزرگوں اور ان کی تصانیف کا تعارف بھی شامل ہے۔ بزرگانِ دین کا تعارف درحقیقت اسلام ہی کا تعارف ہے کیونکہ یہی وہ حضراتِ قدسیہ ہیں جن کے نقوشِ قدم کو قرآن حکیم نے "صراطِ مستقیم" سے تعبیر کیا ہے اور ہم کو ہدایت کی ہے کہ ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی صبح و شام دعا مانگا کریں۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے ہمارے سامنے جو طباعتی پروگرام ہے اس میں نادر و جدید کتابوں کو مقدم رکھا گیا ہے۔ سردست طباعتی منصوبے میں یہ کتابیں شامل ہیں :-

۱۔ ترجمہ قرآن مع حواشی (مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی) ۲۔ آخری پیغام (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)
۳۔ جمالِ خوباں (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد) ۴۔ اسوۂ حسنہ (حکیم حشمت علی مرحوم)
۵۔ سندھ میں اسلام عہد نبوی سے محمد بن قاسم تک (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

ہم نے سراجِ منیر سے اپنے طباعتی سلسلے کا آغاز کیا۔ دوسری کتاب "مکتوباتِ امام ربانی بحیثیت ایمانیات" شائع کی اور اب تذکرہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ شائع کر رہے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی کتاب آخری پیغام شائع کی جائیگی انشاء اللہ

ادارۂ ہٰذا کو سراج السالکین حضرت شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمہ، بدر العارفین مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز، حضرت علامہ الحاج شاہ محمد محمود دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ العالی کی روحانی سرپرستی حاصل ہے، اس ادارے کے منیجنگ ٹرسٹی جناب الحاج شیخ صبور احمد صاحب ہیں۔

یہ ادارہ بغیر نفع و نقصان کی پالیسی کے تحت چلایا جا رہا ہے، جو مخیر حضرات اس کارِ خیر میں تعاون کرنا چاہیں ان کے تعاون کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے اور اصلاح حال کی جس مہم کا ہم نے آغاز کیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس میں کامیاب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

۱۴۰۷ھ ۱۹۸۶ء کراچی ادارہ

گفتنی

الحمدللہ کہ ربِ کریم نے مجھے ماہنامہ "نورِ اسلام" شرقپور شریف ۱۹۵۵ء میں جاری کرنے کی توفیق بخشی، حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ رحمۃ اللہ علیہ برادر اصغر و جانشین شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت سے سرپرستی فرمائی شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ ارادت بہت وسیع ہے، مگر اس حلقے کی طرف سے خاطر خواہ تعاون حاصل نہ ہوا، اس کے باوجود نورِ اسلام حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کرم سے ہزاروں روپے کے خسارے کے باوجود فرائض تبلیغ بخوبی سرانجام دیتا رہا، چونکہ نورِ اسلام کے مالی وسائل مضبوط نہ تھے اس لئے اس کا باقاعدہ عملہ نہ رکھا جا سکا۔ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے لیکر اب تک ناچیز نے مدیر سے لے کر منشی تک کے فرائض سرانجام دیئے، یہ محض جذبہ تبلیغِ اسلام ہے جو مجھے کشاں کشاں منزل مقصود کی طرف لے جا رہا ہے۔

۷ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ بمطابق ۱۹۵۷ء حضرت ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا، حالات نے پلٹا کھایا طرح طرح کے مصائب و آلام کا دور شروع ہوگیا مرشد کامل حضرت ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کرم کا فیض تھا کہ ناچیز کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی جنبش نہ آئی، خادم نے حضرت ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار "نورِ اسلام" کو جاری رکھا اور اب تک مالی خسارے کی تجارت جاری ہے۔ نامساعد حالات میں یہ پاکیزہ مشن جاری تھا کہ اچانک ایک نئے امتحان کا دور شروع ہوا۔ ۱۰ فروری ۱۹۷۵ء ۲۸ محرم الحرام کو یکا یک ذات کو میرے لختِ جگر میاں غلام نقشبند کو ہیضہ اور قے کا عارضہ ہوا اور وہ بعمر ۱۸ سال داغِ مفارقت دے گیا ۱۱ فروری ۱۹۷۵ء کو اُسے آستانہ عالیہ شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ میں سپرد خاک کر دیا گیا اس صدمہ جانکاہ کا میرے فرزند اکبر صاحبزادہ میاں خلیل احمد شرقپوری پر بہت اثر ہوا اور وہ علیل ہو گئے جو اب تک مسلسل علیل ہیں اللہ تعالےٰ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ امین۔ اندریں حالات نورِ اسلام کی اشاعت اور دیگر تبلیغی امور میں تسلسل نہ رہ سکا جس میں قارئین کا شکوہ بجا ہے باوجود اِن مشکلات و امتحانات ضخیم اور عظیم امام اعظم نمبر حاضر ہے آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ یہ کتنی محنت سے مرتب کیا گیا ہے اس کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، پروفیسر بشیر احمد صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی، مولانا محمد منشا تابش قصوری اور محبی بشیر حسین ناظم ایم اے نے پرخلوص تعاون کیا، میں اِن حضرات کا سپاس گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالےٰ ان حضرات کو شاد و بامراد رکھے امین۔ اِس خاص شمارے کے ۲۸۰ صفحات ہیں اور قیمت ۱۲ روپے اور "نورِ اسلام" کا

زرِ سالانہ ۱۶ روپے ہے۔ مستقل خریداروں کو یہ نمبر زرِ سالانہ میں ہی پیش کیا جا رہا ہے۔ چونکہ یہ نمبر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی کچھ کاپیوں کی عمدہ جلد کرائی جائے مجلد کی قیمت ۱۶ روپے ہو گی نئے خریدار مجلد نمبر حاصل کرنا چاہیں، تو وہ بیس روپے زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں یہ نمبر رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کیا جا رہا ہے لہٰذا اس کے مصارف بھی خریداروں کو برداشت کرنا پڑیں گے ایک پرچہ پر ایک روپیہ صرف ہوتا ہے۔

مجدد الف ثانی نمبر

شیر ربانی نمبر امام اعظم نمبر اور اولیائے نقشبند نمبر کے عظیم نمبروں کی اشاعت کے بعد ماہنامہ نورِ اسلام شرقپور شریف کا مجدد الف ثانی نمبر نہایت شاندار طریق پر منصہ شہود پر جلوہ گر ہو گا قلم کار حضرات سے درخواست ہے کہ مجدد الف ثانی نمبر کیلئے قلمی تعاون فرمائیں۔ اس نمبر کی ابتدائی تیاری کے مراحل طے ہو چکے ہیں۔

متوسلین آستانہ عالیہ شیر ربانی سے التماس

اگر آپ چاہتے ہیں کہ نورِ اسلام کی یہ شمع روشن رہے اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے تو زیادہ سے زیادہ تعداد میں خریدار نہیں آؤ بنائیں اور ہر قسم کا دستِ تعاون بڑھائیں۔

دار المبلغین حضرت میاں صاحب

دار المبلغین حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصہ سے علومِ اسلامیہ کی تدریس اور دین اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہے۔ اس نے سینکڑوں مبلغین اسلام پیدا کئے ہیں جو تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں۔ اس دینی ادارے کے لئے آپ حضرات کا تعاون نہایت ضروری ہے۔

امدادی شفاخانہ شیر ربانی

۱۹۷۳ء میں بہت ہولناک سیلاب آیا تو شرقپور شریف میں امدادی کیمپ شیر ربانی قائم کیا گیا جس میں سیلاب زدگان کی امداد و اعانت کے لئے آٹا، صابن اور کپڑا مفت تقسیم کیا گیا اور امدادی شفاخانہ شیر ربانی سے تقریباً ۲۰ ہزار افراد نے مفت علاج کروایا۔ اور ۱۹۷۵ء کے حالیہ ہلاکت خیز سیلاب میں بلا معاوضہ علاج معالجہ کیا گیا، اس شفاخانے کو اب مستقل طور پر قائم کر دیا گیا ہے۔

خاکپائے شیر ربانی و گدائے آستانہ لاثانی

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری

پیش لفظ

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کو دنیائے اسلام میں جو شہرۂ آفاق حیثیت حاصل ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج پوری دنیا کے دو تہائی سے زیادہ مسلمان ان کے مسلک فقہی کے پیروکار ہیں اور ممالک اسلامیہ میں جب کبھی قوانین کو اسلامی بنانے کی کوئی بھی تحریک اٹھی ہے تو اس کی نگہ انتخاب کا مرکز و مرجع فقہ حنفی رہی ہے۔ چنانچہ گیارہویں صدی ہجری (سترھویں صدی عیسوی) میں برصغیر پاک و ہند میں "فتاویٰ ہندیہ" یا فتاویٰ عالمگیریہ کی تدوین، انیسویں صدی عیسوی میں ترکی میں "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" کی تدوین اور بیسویں صدی عیسوی میں مصر میں، "مرشد الحیران فی معرفۃ احوال الانسان" قسم کے جتنے بھی کام سرکاری سطح پر کئے گئے ہیں۔ اس کا منبع و محور فقہ حنفی ہی رہی ہے۔ حکومت لبنان نے بھی ۱۹۴۲ء میں سنی عدالتوں کا دستور العمل حکومت عثمانیہ کا عائلی قانون اور مذہب امام ابو حنیفہ کی قابل ترجیح آراء کو قرار دیا۔ چنانچہ اس بیان میں قطعاً کوئی مبالغہ اور تعصب نہیں کہ قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ممالک اسلامیہ میں بیداری کی جو عام لہر دوڑ گئی ہے۔ اور مسلمانان عالم، اسلام کی صداقت، حقانیت اور فوقیت کو عالمی سطح پر پیش کرنے اور قوانین کو کتاب و سنت کی روشنی میں اسلامی بنانے کی جو مساعی جمیلہ انجام دے رہے ہیں فقہ حنفی اس کام میں اپنی گوناں گوں خصوصیات کی بنا پر ایک فعال اور مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

تاریخ کے اوراق اس امر پر شاہد ہیں کہ فقہ حنفی کو اس کی نمایاں خصوصیات کی بنا پر عدیم النظیر عالمی فروغ حاصل ہوا، چنانچہ بقول پروفیسر ابو زہرہ حنفی فقہ شرق و غرب میں پہنچی، مختلف دیار و اقالیم میں اس کو سند قبولیت عطا ہوئی قضاۃ و افتاء نے اسے آزمایا اور زمانہ ہائے دراز تک یہ صیقل ہوتی رہی، عباسی خلافت کے دوران بغداد کے عروس البلاد میں برسوں اس کا سکہ چلا۔ جب عثمانی ترک خلافت کی عبا زیب تن کر کے مسند خلافت کی زینت بنے تو حنفی فقہ کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہوئی کیونکہ ترک حنفی مذہب رکھتے تھے۔ پس عراق، مصر، شام اور

دیگر ممالک میں بس اسی کا سکہ چلنے لگا۔ بڑھتے بڑھتے، ہندوستانی مسلمانوں کا مذہب قرار پائی پھر وہاں سے گزر کر چینی مسلمانوں تک پہنچی"۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ امام اعظمؒ کی گرامی شخصیت اور ملت اسلامیہ کے لئے ان کی عظیم اور گرانقدر خدمات پر ان کے مناقب میں متعدد عظیم اور ضخیم کتب تحریر میں لائی گئی ہیں۔ لیکن یہ امر اپنی جگہ بے حد افسوسناک ہے، کہ اس برصغیر پاک و ہند میں زوال و انحطاط کے زمانے میں جہاں مسلمان اپنے بہت بڑے علمی ورثے سے یکسر غافل رہے انہیں ملت اسلامیہ کے نامور آئمہ کرام کی گرامی شخصیتوں سے تعارف تک حاصل نہیں رہا چنانچہ گنتی کے چند اہل علم و فضل حضرات کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے عوامی حلقوں میں بہت کم لوگ ہیں جو اپنے عظیم محسن، امام اعظمؒ کی شخصیت و کردار آپکے علمی مقام آپ کی ذہانت و فطانت آپکی فقہی بصیرت، آپ کے اجتہاد کے طریق کار اور آپ کے ارشد تلامذہ سے کما حقہٗ تعارف رکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل عمیم سے یہ سعادت حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب مدظلہ العالی کو عطا فرمائی کہ انہوں نے اس اشد ضرورت کو محسوس کیا اور ۲۰ سال سے اشاعت پذیر اپنے ماہنامہ نور اسلام کا "امام اعظم نمبر" نکالنے کا اہتمام فرمایا تاکہ ملت اسلامیہ کے عظیم محسن اور فقہ اسلامی کے تاجدار امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کیا جائے جس نے اطراف و اکناف عالم میں علم و عرفان کی وہ شمع روشن کی جس نے فقہ اسلامی کے لاکھوں گوشے منور کر دیئے اور مسلمان سلاطین نے اس سے دستوری و آئینی رہنمائی حاصل کی۔

- اس پیشکش میں امام اعظمؒ کے بلند پایہ سوانحی مرقعے بھی ہیں جو آپ کے فضائل و کمالات پر مشتمل ہیں۔
- فخر موجودات رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلبیت سے آپ کی وابستگی اور شیفتگی پر ایمان افروز مضامین بھی ہیں جو آپ کے جذبۂ عشق رسول اور اہل بیت کے لئے آپ کے بے پناہ احترام کی عکاسی کرتے ہیں۔
- عصری سیاسی پس منظر پر مشتمل مقالات بھی ہیں جن میں آپ کی اولوالعزمی، حق گوئی و بیباکی اور عظمت کو اور زیادہ نکھار کر پیش کیا گیا ہے۔
- علوم دینیہ بالخصوص حدیث و فقہ میں آپکی گرانقدر خدمات پر بصیرت افروز تذکرے بھی ہیں، آپ کی ذہانت و فراست اور فطانت کے چند نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔
- اس کے ساتھ ہی ساتھ فقہ حنفی کا اجمالی تعارف بھی پیش کیا گیا ہے جس میں فقہ حنفی کے خصائص، اصول، طریق کار

اور اس کے عالمی فروغ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

- فقہ حنفی پر مستشرقین کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔
- الفقہ الاکبر کے بارے میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے۔
- حضرت امام شافعیؒ کی حضرت امام اعظمؒ سے عقیدت کا ذکر جمیل کیا گیا ہے۔
- آپ کے ارشد تلامذہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔
- آپ کے عقائد حقہ سے روشناس کرایا گیا ہے۔
- برصغیر پاک وہند میں آپ کی اولاد امجاد کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔
- اہل علم وفضل اور ان باذوق حضرات کے لئے جو آپ کی حیات طیبہ کے مختلف منور گوشوں سے بدرجہ کمال متفیض ہونا چاہتے ہیں۔ مختلف زبانوں میں آپ پر لکھی گئی کتابوں آپ کی زندگی کے مآخذ کی نشاندہی کردی گئی ہے۔

اس کے علاوہ بعض اکابر مثلاً حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حضرت داتا گنج بخشؒ شیخ فریدالدین عطارؒ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور ولی اللہ محدث دہلویؒ نے امام اعظمؒ کے حضور جو خراج عقیدت پیش کیا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

پاکستان کے نامور شعراء کا ہدیۂ عقیدت بھی اس نمبر کی زینت ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ امام اعظم نمبر اس برصغیر پاک وہند میں اپنی نوعیت کی اولین پیشکش ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و رحمت سے اسے شرف قبول بخشے۔ جب کسی نیک کام کا آغاز کیا جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔ الحمدللہ کہ اہل قلم حضرات نے بھرپور تعاون فرمایا اور بڑی سعی وکاوش سے کام لے کر محققانہ بصیرت افروز اور پُر مغز مقالات سپرد قلم کئے۔ ادارہ ان حضرات کا تہ دل سے ممنون ہے۔

(ادارہ)

قَصِیْدَۃُ النُّعْمَان

سیّدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا أَرْجُوا رِضَاكَ وَاحْتَمِیْ بِحِمَاكَا

اے سیدوں کے سید! میں دلی قصد سے آپ ہی کے حضور آیا ہوں۔ آپکی مہربانی اور خوشنودی کی اُمید رکھتا ہوں اور اپنے آپ کو سب ایوں سے آپکی پناہ میں دیتا ہوں

وَاللّٰہِ یَا خَیْرَ الْخَلَائِقِ إِنَّ لِیْ قَلْبًا مَشُوْقًا لَا یَرُوْمُ سِوَاكَا

اللہ کی قسم! اے بہترین مخلوقات تحقیق میرا دل آپ کی زیارت کا بہت ہی شوق رکھتا ہے سوائے آپ کے اور کسی کو نہیں چاہتا

وَبِحَقِّ جَاهِكَ إِنَّنِیْ بِكَ مُغْرَمٌ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ إِنَّنِیْ أَهْوَاكَا

اور مجھے قسم ہے آپ کے رتبہ برتر کے حق کی کہ تحقیق مَیں آپ کا عاشق ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ مَیں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔

أَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَا

آپ وہ ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی شخص پیدا نہ کیا جاتا۔ بلکہ آپ نہ ہوتے تو تمام مخلوق پیدا ہی نہ ہوتی۔

أَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسٰى وَالشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاكَا

آپ وہ ہیں کہ چودھویں رات کا چاند آپ کے نور سے منور ہے اور آپ ہی کے جمالِ با کمال سے سورج روشن ہے

أَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا رُفِعْتَ إِلَى السَّمَا بِكَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَیَّنَتْ لِسُرَاكَا

آپ وہ ہیں کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی سیر کرائی تو آپ کے خیر مقدم کے اعزاز میں معراج کی رات کو آسمان بارونق کر دیئے

أَنْتَ الَّذِیْ نَادَاكَ رَبُّكَ مَرْحَبًا وَلَقَدْ دَعَاكَ لِقُرْبِهٖ وَحَبَاكَا

آپ کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحبا کہا اور اپنے قرب میں بلا کر بہت محبت و مہربانی کی اور جو کچھ آپنے مانگا سو عطا کیا۔

أَنْتَ الَّذِیْ فِیْنَا سَأَلْتَ شَفَاعَةً لَبَّاكَ رَبُّكَ لَمْ تَكُنْ لِسِوَاكَا

آپ وہ ہیں کہ آپ نے ہمارے واسطے شفیع ہونا خدا سے طلب کیا تو آپ کے رب نے پکار کر کہہ دیا کہ یہ مرتبہ سوائے آپ کے کسی اور کیلئے نہیں ہوگا

أَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ أَبَاكَا

آپ وہ ہیں کہ حضرت آدمؑ نے (جو آپ کے باپ ہیں) جب اپنے گناہ بخشانے میں آپ کے رتبہ برتر کا وسیلہ لیا تو ان کی خطا معاف ہوئی

وَبِكَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ بَرْدًا وَقَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَا

اور آپ کے وسیلہ سے حضرت ابراہیمؑ نے دُعا کی۔ تو آپ کے نور کی روشنی کی برکت سے جو اُن کی پیشانی میں تھا آگ بجھ کر سرد ہوگئی

وَدَعَاكَ أَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّهٗ فَأُزِیْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِیْنَ دَعَاكَا

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری و تکلیف میں آپ کے وسیلہ سے دُعا کی تو ان کی بیماری رفع کر دی گئی

ابوالاحسن محمد محبوب الٰہی رضوی

سراج الامّہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف اسم ونسب : نعمان بن ثابت زوطی رحمہم ، کنیت ابوحنیفہ ، لقب امام اعظم ، جائے ولادت کوفہ (سنہ ٨٠ھ) آپ عجمی الاصل تھے۔ آپ کے دادا بزرگ مشرف بہ اسلام ہو کر کوفہ میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے جہاں ایک غیر عرب آزاد کی حیثیت سے عربی قبیلہ تیم اللات میں رضاکارانہ شامل ہو گئے اور اپنا رشتہ ولا، ان سے منسوب کر لیا۔ (مشکل الآثار علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ)

آپ کے دادا زوطی کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہترین تعلقات و مراسم تھے جو اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل ہو گئے تھے۔ آپ کے پوتے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ واللہ ما وقع لنا رق قط بخدا ہمارا خاندان کبھی غلام نہیں رہا۔

آپ کا حلیہ و لباس رنگ سرخی مائل گندمی ، خوبصورت ، پروقار و باہیبت چہرہ ، معتدل القامہ مائل بہ طوالت ، خوش پوش ، فصیح اللسان ، شیریں بیان۔

آپ تابعی ہیں تابعی وہ خوش نصیب مسلمان ہوتا ہے جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو یا اس سے کچھ سنا ہو جس نے حالت ایمان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو یعنی کسی صحابی سے ملاقات کی ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ ٨٠ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانہ میں تقریباً بائیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زندہ تھے جن میں سے آٹھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے آپ کی ملاقات ثابت ہے خصوصاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کو متعدد بار دیکھنا اکثر کتب میں مذکور ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ ٨٧ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے ان کو متعدد بار دیکھا بلکہ ان سے تحدیث بھی کی ہے۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ ٨٥ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے، ان کی ملاقات بھی یقینی ، حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے جن کی وفات سنہ ١١٠ھ میں ہوئی جبکہ امام رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ پہلا حج ٩٦ھ میں کیا چونکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں تقریباً پچپن حج کئے تو لازمی حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی زندگی میں چودہ پندرہ حج کئے لہٰذا دریں اثناء ان سے کئی بار کی ملاقات یقینی ہے۔

جرح و تعدیل کے امام حضرت یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ نے آپ کی روایت از سیدہ عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا کی توثیق کی لہٰذا آپ کی لقاء ، رؤیت و روایت از صحابہ کرام ثابت ہے جس کی توثیق متعدد علماء امت نے کی جن میں علامہ ابن سعد ، محدث ابن عدی ، امام دارقطنی ، حافظ ابن البر ، خطیب بغدادی ، علامہ سمعانی ، امام نووی ، علامہ ذہبی ، حافظ عراقی ، حافظ ابن حجر ، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے بزرگ

شامل ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تبییض الصحیفہ میں حضرت ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف کے حوالے سے کئی احادیث لکھی ہیں جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اخذ کیں ، اس طرح آپ تابعی ہیں۔ مؤرخ محمد بن اسحق بن ندیم فرماتے ہیں :

وکان من التابعین لقی عدۃ من الصحابۃ — ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں کیونکہ انہوں

وکان من المتورعین الزاھدین۔ — نے کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے ملاقات کی ہے

(الفہرست جلد اول) — اور متورعین و زاہدین میں شمار ہوتے ہیں۔

ذریعۂ معاش حضرت امام رضی اللہ عنہ کا خاندانی پیشہ تجارت خصوصاً کاروبار پارچہ از قسم خز (مرکب ابریشم و سوت) تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کاروبار میں ان کو اتنا وسیع و بابرکت رزق دیا تھا کہ آپ کا خاندان امراء و رؤسا میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کے تجارتی کارندے نزدیک و دور مختلف علاقوں میں کام کرتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکرِ معیشت سے بے نیاز کر رکھا تھا۔

آپ کا مولد و مسکن خلافتِ راشدہ میں علوم و فنونِ اسلامیہ کا مرکز رہا امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایران فتح ہونے پر آپ کے حکم پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس شہر کی بنا ڈالی بروایت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۱۸ھ) ایک ہزار پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں اصحاب الشجرہ و اصحاب بدر شامل تھے وہاں پر تشریف لا کر مستقل طور پر اقامت گزیں ہو گئے (کتاب الکنیٰ والاسماء) اور بقول امام احمد بن عبداللہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام وہاں بود و باش رکھتے تھے (شرح نقایہ ملا علی قاری، فتح القدیر ابن ہمام) صحابہ کرام کی اس کثرت کے باعث یہ شہر ایک علمی مرکز کی حیثیت حاصل کر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وقتاً فوقتاً جن معزز ترین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو انتظامی امور کے سلسلے میں وہاں متعین کیا۔ انھوں نے اشاعتِ دین کی بھی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دیں ان میں سرِ فہرست حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عمار بن یاسر، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علم تو اتنا پھیلا کہ ہر بعد میں آنے والے نے اس کا اعتراف کیا حتیٰ کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو فرمایا : لقد ترک ابن ام عبد یعنی عبد اللہ بن مسعود ، حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب ھؤلاء سرج الکوفۃ " کوفہ کے چراغ ہیں۔ (طبقات ابن سعد، مناقب موفق)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوفہ والوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ " اللہ کا نیزہ، ایمان کا خزانہ اور عرب کے سردار ہیں"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ میں اقامت گزیں تھے۔ وہ امن کا زمانہ نہ تھا اس لئے آپ کے وقت علوم کی اتنی توسیع نہ ہو سکی اس کے باوجود آپ کے علوم سے یقیناً کوفہ والے فیضیاب ہوئے۔ ان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ، جریر بن عبداللہ کو وہاں بھیجا تو انہوں نے بھی علمی مجالس قائم رکھیں۔ ان کے بعد اجل تابعین حضرات

علقمہ، مسروق، اسود، شعبی نخعی، حکیم بن عتیبہ، حماد، ابو اسحٰق، منصور، اعمش رضی اللہ عنہم جیسے بزرگوں نے صحابہ کرام کی جلائی ہوئی علمی شمعوں کو روشن رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ان میں متعدد ایسے بزرگ تھے جنہوں نے مدینہ منورہ جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علوم حاصل کئے۔ غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ علومِ اسلامیہ کا گہوارہ تھا مصوصاً حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے علوم کا مخزن، جہاں سے لوگ فیضیاب ہو رہے تھے اور گھر گھر حدیث و روایت کی درس گاہ تھا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وهى دار الفضل ومحل الفضلاء (شرح مسلم) کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا دار الاقامت ہے۔" امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں معدن العلم والفقه۔ (مناقب موفق) "کوفہ علم و فقہ کا معدن ہے" شیخ الاسلام امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خذوا الحلال والحرام عن اهل الكوفة (معجم البلدان، یاقوت حموی) "حلال و حرام کے مسائل اہل کوفہ سے سیکھو۔" ومن اراد الفقه فالكوفة (مناقب صدر الائمہ) "جو فقہ حاصل کرنا چاہے تو کوفہ سے کرے۔"

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے لڑکے کو فرماتے ہیں:

يرحل ويكتب من الكوفيين والبصريين واهل المدينة ومكة۔ (تدریب الراوی لفتح المغیث)	سفر اختیار کرنا چاہئے، کوفیوں، بصریوں اور اہلِ مدینہ و اہلِ مکہ سے علم سیکھنا چاہئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لا احصى كم دخلت الى الكوفة وبغداد مع المحدثين۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری)	میں حصولِ حدیث کے لئے محدثین کے ہمراہ کوفہ و بغداد متعدد بار گیا جن کی گنتی یاد نہیں۔

حضرت محمد بن سیرین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

قدمت الكوفة وبها اربعة الاف يطلبون الحديث (تدریب الراوی)	میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلباء حدیث موجود تھے۔

محدث بغداد عفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے چار ماہ کوفہ میں قیام فرمایا اور احادیث کا ذخیرہ حاصل کرنے کے بعد فرمایا:

لو اردنا ان نكتب مائة الف حديث لكتبناها فما كتبنا الا قدر خمسين الف حديث (شرح الفیہ عراقی و تقدمہ نصب الرایہ)	اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ احادیث لکھ سکتے تھے مگر ہم نے (احتیاطاً) صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں۔

امام ابوبکر عبداللہ بن ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں گیا اور ایک مختصر وقت میں،

حتی کتبت ثلاثین الف حدیث — میں نے تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں۔

(تذکرۃ الحفاظ، تاریخ بغداد، طبقات سبکی)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ جلد اول میں کوفہ میں ستانوے ۹۷ محدثین کرام کے نام مع تاریخ وفات وغیرہ درج کئے جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مستقل عنوان قائم کئے۔

اس مختصر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کوفہ علمی لحاظ سے اس وقت کتنا بلند پایہ رکھتا تھا۔

آپ سے متعلق حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابونعیم نے حلیہ میں بروایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکان العلم عند الثریا لتناوله رجل من ابناء فارس (حلیہ) — اگر علم ثریا میں بھی پہنچ جائے تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک اس تک پہنچ جائے گا۔

اور شیرازی "الالقاب" میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکان العلم معلقا بالثریا لتناوله قوم من ابناء فارس۔ — اگر علم ثریا پر اٹھ جائے تو مردانِ فارس کی قوم اس تک ضرور پہنچ جاوے گی۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جن کے اصل الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں یہ ہیں:

لوکان الایمان عند الثریا لتناوله رجال من فارس۔ — اگر علم ثریا کے نزدیک پہنچ جائے تو مردانِ فارس اس تک ضرور پہنچ جاویں گے۔

اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

لوکان الایمان عند الثریا لذهب به رجل من ابناء فارس حتی یتناوله — اگر ایمان ثریا کے پاس پہنچ جاوے تو مردانِ فارس کا ایک شخص اس تک ضرور پہنچ کر اسے حاصل کرلے گا۔

اور قیس بن سعد کی حدیث معجم طبرانی کبیر میں ان لفظوں سے ہے:

لوکان الایمان معلقا بالثریا لاتناوله — اگر ایمان ثریا تک پہنچ جاوے تو اہلِ عرب نہ پہنچ سکیں گے

العرب لنالہ رجال فارس — البتہ مردانِ فارس اسے ضرور حاصل کرلیں گے۔

اور معجم طبرانی میں بھی بروایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکان الدین معلقا بالثریا لتناولہ — اگر دین ثریا میں معلق ہو جائے تو یقیناً مردانِ فارس اسے

ناس من ابناء فارس — حاصل کرلیں گے۔

(تبییض الصحیفہ اردو ترجمہ از سید غلام معین الدین مرحوم صـ)

علامہ محمد معین السندی شیعہ ہونے اور قیاس و تقلید کے منکر ہونے کے باوجود لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تو اس عظیم منقبت کے مالک ہیں جس سے انہوں نے ثریا سے علم حاصل کیا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس طرف اشارہ کرتا ہے (دراسات اللبیب)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں بسلسلہ حدیث مذکور لوکان العلم عند الثریا:

"مذاکرہ کردیم فقیر گفت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ دریں حکم داخل است کہ خدائے تعالیٰ علم فقہ را بردستِ وے شائع ساخت و جمع از اہلِ اسلام را باآں فقہ مہذب گردانیدہ خصوصاً" در عصرِ متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است و بس در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہاں حنفی اند قضاۃ و اکثر مدرساں و اکثر عوام حنفی" (کلمات طیبات)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"صواب است کہ ہم امام (ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) داخل است و ہم جملہ محدثین فرس باشارۃ النص"

(اتحاف النبلاء)

خطیب اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن مہران نے فرمایا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضورِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کو کرید رہے ہیں تو انہوں نے محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قاصد بھیجکر تعبیر حاصل کی تو انہوں نے فرمایا یہ خواب دیکھنے والا علومِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کرے گا جیسی کہ پیشتر ازیں کسی نے نہیں کی۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نظر و فکر کے بعد اس میں لب کشائی کی۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۳، الخیرات الحسان، تذکرہ جلد ۳، مقام ابوحنیفہ صـ ۱۵۴)

امام کردری اور امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خواب میں یہ اضافہ کیا ہے،

"گویا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کو کرید کر ان کے جسدِ اطہر کو اپنے سینے سے لگا رہے ہیں"

(مناقب کردری، مفتاح السعادہ، الخیرات الحسان)

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں اشارۂ نبویہ کے بعد

مشغول ہوئے جوان کو خواب میں ہوا۔ (الخیرات الحسان)

حصولِ علم حضرت امام رضی اللہ عنہ تاجر پیشہ ہوتے ہوئے بھی زہد و تقویٰ کی زندگی گزارتے تھے۔ ایک زمانہ ایسا آیا کہ آپ گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حصولِ علم کی ترغیب دی تو ہمہ تن اسی میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ فکرِ معاش سے بے نیاز تھے لہٰذا بڑی دلجمعی و اطمینانِ قلبی سے تمام علومِ مروجہ حاصل کئے۔ آپ نے مختلف علومِ اسلامیہ چار ہزار شیوخ و فضلاء سے حاصل کئے۔ قرآن و حدیث کے علم حاصل کرنے کے بعد تمام تر توجہ فقہ پر مرکوز کر دی حتیٰ کہ دنیائے اسلام میں امامِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے لقب سے مشہور و معروف ہو گئے۔

اساتذہ کرام جیسا کہ اوپر ذکر ہوا آپ نے تقریباً چار ہزار اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا جن میں سے مندرجہ ذیل چند مشہور و معروف و یگانۂ روزگار تھے۔

فقیہِ اعظم حضرت حماد بن ابی سلیمان الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں سب سے بڑی درس گاہ انہی کی تھی۔ انہوں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے حامل تھے۔ انہوں نے علقمہ و مسروق سے علوم حاصل کئے تھے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے براہِ راست استفادہ کیا تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حماد سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ (الاقوال الصحیحہ صفحہ بحوالہ مناقب کردری)

بہرحال یہ اپنے وقت کے بلند پایہ امام تھے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اٹھارہ سال کے عرصہ تک نہایت التزام سے علم حاصل کیا۔ اسی دوران کوفہ کے دیگر علماء و فضلاء سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا اور جب مکہ معظمہ و مدینہ منورہ دورانِ حج و زیارت گئے وہاں کے علماء سے بھی علوم حاصل کئے۔ آپ نے اپنے اس استاذ کے مکان کی طرف زندگی بھر تعظیم و تکریم کی خاطر پاؤں نہیں کئے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح آپ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ مدینہ کے مجمع البحرین تھے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حضرت ابن عباس، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، ابوسعید، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے علوم قرآن و حدیث حاصل کئے۔ ان کی وفات تک برابر ان کے ہاں حاضری دیتے رہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ انہوں نے دو سو سے زائد صحابہ کرام سے اکتسابِ فیض کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے زیادہ جامع العلوم نہیں دیکھا۔ آپ کا وصال بعمر ۸۸ سال ۱۱۵ھ کو ہوا۔ (اقوالِ صحیحہ ص۸ بحوالہ فتاویٰ بزازیہ، ملا کردری)

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر ان کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علوم حاصل کئے۔

امام اوزاعی و مکحول شامی مکہ کی ملاقاتوں میں ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔

حضرتِ عکرمہ متعدد صحابہ سے فیض یاب تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔

عبداللہ بن سلیمان و سالم بن عبداللہ بن عمر یہ فقہائے سبعہ میں سے مشہور ترین بزرگ تھے جو مکہ میں تھے، آپ نے ان سے احادیث روایت کیں۔

کوفہ کے تمام محدثین سے آپ نے احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کیں۔ ابوالحسن شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف کوفہ کے ترانوے ۹۳ معروف شیوخ حدیث کے نام آپ کے اساتذہ میں تحریر کئے ہیں ان میں خصوصاً امام شعبی، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ابواسحٰق سبعی، عون بن عبداللہ، سماک بن حرب، سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش، عطاء بن سائب، ہشام بن عبداللہ، قتادہ، شعبہ، علقمہ رحمہم اللہ بڑے پایہ کے محدث اور سندِ روایت کے مرجع عوام و خواص تھے۔ صرف امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے قریباً پانچ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دیکھا تھا اور اسی طرح دیگر بزرگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہِ راست فیض حاصل کیا تھا۔ جمال الدین مزنی نے ۷۴ بزرگوں کے نام العقید والایت تحریر کئے ہیں جن سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے احادیث روایت کیں۔

(تبییض الصحیفہ اردو ترجمہ ص ۱۱، ۱۲، کتاب تہذیب الکمال)

علامہ ابوالمؤید الموفق نے مناقب امام رضی اللہ عنہ میں بترتیب حروف تہجی ان شیوخ کے نام لکھے ہیں جن سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اخذِ حدیث کی ہے، ان کی تعداد ۲۳۷ ہے۔ (اقوالِ صحیحہ ص ۱۱۵)

دیگر کتب میں مزید شیوخ حدیث بھی ملتے ہیں جن سے آپ نے روایت حدیث کی۔

شیوخ و فقہاء علومِ نبویہ کے حاملان میں سے محدث حدیث کی روایت کرنے والے، متن حدیث اور سندوں کی درستی وغیرہ جانچنے والے اور حدیث کا درجہ متعین کرنے والے شیوخ کہلاتے ہیں جبکہ ان میں سے صحیح احادیث کی روایت کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت کی روشنی میں مسائل کا استخراج کرنے والے فقہاء کہلاتے ہیں جو حدیث کم واسطوں سے شیوخ کے ذریعہ پہنچے وہ عالی کہلاتی ہے لیکن جو حدیث فقہاء کی وساطت سے خواہ زیادہ واسطوں سے ہو وہ شیوخ کی عالی حدیث پر فوقیت رکھتی ہے۔ امام شافعی و امام محمد علیہما الرحمۃ کے استاد حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ جن کا قول حدیث کے بارے میں حجت تسلیم کیا جاتا ہے فرماتے ہیں:

حدیث تداولہ الفقہا خیر من ان یتداولہ الشیوخ (الکفایہ، خطیب بغدادی)	جو حدیث فقہاء کے ہاں رائج ہو وہ اس سے بہتر ہے جو شیوخ کے ذریعہ رواج پائے۔

اجتہاد، قیاس، رائے، فقہ، تقلید

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لیتفقھوا فی الدین (التوبۃ) دین کی سمجھ حاصل کریں" فرما کر فقہ حاصل کرنے کی ترغیب دی (حاشیہ سید محمد نعیم الدین)

فقہ افضل ترین علوم ہے، جبکہ کفار کے لئے بانھم قوم لا یفقھون (انفال) نیز یعلمکم الکتب والحکمۃ (القرآن) کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے" میں حکمت سے مراد مفسرین نے فقہ لی ہے۔ (حاشیہ سید محمد نعیم الدین) یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (القرآن) "اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی" حکمت سے مراد قرآن وحدیث وفقہ کا علم ہے (بحوالہ مدارک وخازن حاشیہ سید محمد نعیم الدین)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔	جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے وضاحت کے ساتھ علماء کی سب لوگوں پر اور فقہ کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔ (فتح الباری)

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ولکل شیئ عماد وعماد الدین الفقہ۔ (بیہقی، دارقطنی)	یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ ہر شئے کے لئے ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔
وقال ابو ھریرۃ لان اجلس ساعۃ فافقہ احب الی من ان احیی لیلۃ القدر۔ (الطریقۃ المحمدیہ فی بیان السیرۃ النبویۃ اقوال صحیحہ)	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ایک ساعت بیٹھ فقہ سیکھوں تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں شب قدر میں جاگتا ہوں۔
قال اولوا العلم والفقہ وطاعۃ الرسول اتباع الکتاب والسنۃ۔ (اقوال صحیحہ بحوالہ سنن دارمی)	حضرت عطار نے فرمایا کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" میں "اولی الامر" سے مراد اہل علم وفقہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قرآن و حدیث کا اتباع ہے۔
حضرت عمر نے فرمایا" تفقھوا قبل ان تسودوا	فقہ سیکھو قبل اس کے کہ تم سردار بنائے جاؤ۔

قال ابو عبد اللہ بعد ان تسودوا وقد تعلم اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کبر سنھم۔

ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ فقہ سیکھو بعد سردار بنائے جانے کے اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھاپے میں علم سیکھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ قسطلانی شرح صحیح بخاری ابوالعباس الولید بن ابراہیم سے لکھا :

وھو معنیٰ ثمرۃ الحدیث

فقہ حدیث کا ثمرہ ہے۔

وکذالک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الاحادیث (صحیح ترمذی ، اقوال صحیحہ ص۳)

فقہاء نے ایسا ہی کہا ہے اور وہ احادیث کے معنی (محدثین کی نسبت) زیادہ جاننے والے ہیں۔

تفرد زمانہ قاضی ابوالطیب الطبری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں "یا فقیہ" کہہ کر مخاطب کیا۔ قاضی صاحب عمر بھر اس پر فخر کرتے رہے۔ (اقوال صحیحہ ص۳ بحوالہ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تاج سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات شافعیہ میں لکھا کہ :

تفقہ علی الحمیدی

امام بخاری نے حمیدی سے فقہ حاصل کی۔ (اقوال صحیحہ ص۳)

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا فرمائی :

اللّٰھم فقھہ فی الدین

اے اللہ ابن عباس کو دین کا فقیہ بنا دے۔ (مشکوٰۃ)

مشہور محدث شیخ الاسلام حضرت سلیمان بن مہران الاعمش (متوفی ۱۴۸ھ) نے فرمایا :

یامعشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ

اے فقہاء کے گروہ تم طبیب ہو اور ہم پنساری۔

(ذیل الجواہر، جامع البیان، مناقب موفق، الخیرات الحسان)

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حلال و حرام کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کسی اور سے پوچھو اس نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا :

سل عافاک اللہ غیرنا سل الفقہاء اباثور۔

اللہ تجھے عافیت میں رکھے کسی اور سے پوچھ، فقہاء سے پوچھ، اباثور علیہ الرحمۃ سے پوچھ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس بندے کو تر و تازہ رکھے جو میری حدیث سن کر یاد رکھے اور دوسرے کو پہنچا دے کیونکہ بعض بعض پہنچانے والے علم میں صاحب فہم نہیں ہوتے اور بعض ایسے لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فہیم ہوتے ہیں۔ (بیہقی، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض حامل حدیث (محدث) قلیل الفہم ہوتے ہیں لہذا جب وہی حدیث فہیم کو پہنچیگی تو وہ اس سے زیادہ مسائل استنباط کرسکیں گے یعنی فقیہ اس سے زیادہ فائدہ حاصل کرے گا اور فائدہ پہنچائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

وبعد از قرآن وحدیث مدار اسلام بر فقہ است۔ (قرۃ العینین)	قرآن وحدیث کے بعد اسلام کا دارو مدار فقہ پر ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی (اہلحدیث کے ممتاز عالم) لکھتے ہیں:

"جس شخص نے گمان کیا کہ ملکۂ علمیہ صرف حفظ ہی سے حاصل ہوتا ہے اس نے خطا کی کیونکہ مطلوب تو در اصل استخراج و استنباط والفاظ و معانی کی طرف ہے۔" (الحطہ فی ذکر الصحاح)

غیر مقلد عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب لکھتے ہیں:

"ائمہ اہل سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں، تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس۔ ان میں اصل قرآن وسنت، اور اجماع وقیاس کا ماخذ بھی قرآن وسنت۔"

(پیش لفظ معیار الحق)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلی لکھتے ہیں کہ:

"امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت اور اس میں تفقہ پیدا کرنا مجھے اس کے یاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔" (منہاج السنہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۸ھ) کو یمن کا گورنر و عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو ان سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو تم فیصلہ کس طرح کروگے، انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کیا کروگے؟ عرض کیا تو سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ پاؤ تو پھر کیا کروگے؟ انہوں نے عرض کیا:

قال اجتهد برأيي ولا آلو فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره فقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم لما يرضى رسول الله صلى الله عليه	تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی چھاتی پر (از راہ شفقت) ہاتھ مار کر فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم۔ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پہ اللہ کا رسول راضی ہے۔

(ابو داؤد جلد ۲، ترمذی، دارمی، الانتقاء، البدایہ والنہایہ، مشکوٰۃ، سنن کبریٰ)

شیخ الاسلام حافظ ابو عمرو بن عبد البر مالکی فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتہاد اور قیاس علی الاصول کے لئے ایک اصل اور مدار ہے۔ (جامع البیان)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں صحابہ کرام کا قول تھا کہ وہ سب سے زیادہ اعلم ہیں، ان کا معمول بھی یہ تھا جب ان کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں، اگر ان کو اس کی وضاحت نہ ملتی تو فرماتے۔

فقال اجتہد برأیی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳) میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں۔

اعلام الموقعین جلد ا، دارمی میں لکھا ہے کہ بعض اوقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہترین افراد امت سے مشورہ بھی لے لیتے تو پھر اس کے مطابق فیصلہ دیتے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

• وہ حضرات صحابہ میں علم رائے اور زیادہ مشورہ لینے میں پیش پیش تھے۔" (کتاب اختلاف الحدیث)

حضرت عمر فتویٰ دیتے وقت فرما دیتے تھے:

ھذا رأی عمر۔ یہ عمر کی رائے ہے (اگر درست ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا اور اگر خطا ہوئی تو عمر کی خطا سمجھنا)

(میزان، شعرانی، سنن کبریٰ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

احکم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ و اجتہد رأیی (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری) میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مطابق عمل کروں گا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

رائے کے مطابق حکم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے مشہور ہے اور ان کے اجتہاد میں بھی خطا کا احتمال ثابت ہے کیونکہ وہ خطا سے معصوم تو نہ تھے۔ (امام اعظم ابو حنیفہ تالیف ابو زہرہ مصری)

اسود بن یزید سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے یہاں تعلیم کنندہ احکام دین و حاکم بن کر آئے۔ ہم نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص مر گیا۔ اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن وارث چھوڑی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نصف بیٹی کے لئے اور نصف بہن کے لئے حکم دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے (بخاری، ابو داؤد)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بغیر تحقیق و دلیل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام دوسرے پر اعتماد کر کے اس کے قول کو تسلیم کر لیتے تھے، یہی تقلید شخصی ہے کیونکہ تقلید کسی کے قول کو محض حسنِ ظن پر مان لینے کو کہتے ہیں جبکہ اس سے دلیل طلب نہ کی جائے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں کب تک رہوں سو تم لوگ ان دونوں شخصوں کی اقتدار کیا کرنا جو میرے بعد ہوں گے، اور اشارہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف کیا۔ (ترمذی)

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمانہ خلافت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں ان کی اتباع لازمی ہوئی اور یہ حکم بلا طلب دلیل و تحقیق دیا گیا، یہی تقلید شخصی ہے ــــــ مذکورہ بالا حوالہ جات سے اجتہاد، قیاس، رائے فقہ اور تقلید کے بارے میں وضاحت ہو گئی۔

شیخ محی الدین المعروف شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب فتوحاتِ مکیہ میں باب الوصایا میں فرماتے ہیں:

ایاکم والطعن علی احد من المجتھدین و تقولون انھم محجوبون عن المعارف والاسرار کما یقع فیہ جھلۃ المتصوفۃ فان ذلک جھل مقام الائمۃ فان للمجتھدین القدم الراسخ فی علم الغیوب

تم مجتہدین میں سے کسی پر طعن نہ کرو۔ تم جو کہتے ہو کہ مجتہدین معارف و اسرار سے محروم ہیں جیسا کہ جاہل صوفی کہا کرتے ہیں، سو یہ ائمہ کے مقام کی ناواقفیت ہے کیونکہ علم غیوب میں مجتہدین کا قدم راسخ ہے۔

وھم فی مقامات الرسل من حیث تشریعھم لامتہ باجتھادھم کما شرعت الرسل لامھم۔

مجتہدین پیغمبروں کے مقامات میں ہیں اس حیثیت سے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے امت کے لئے شریعت بیان فرمائی جیسا کہ پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کے لئے شریعت بیان فرمائی۔

(اقوالِ صحیحہ ص ۵۳، ۵۴، بحوالہ الیواقیت والجواہر، علامہ شعرانی جزء ثانی)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم

آپ اپنے محترم استاد حضرت حماد رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۲۰ھ کے بعد ان کی جگہ مسند آرا ہوئے تو عرب و عجم کو اپنے علوم سے اس طرح فیضیاب کرنا شروع کیا کہ ہر جگہ آپ ہی کا چرچا ہونے لگا حتی کہ آپ حج کے لئے جاتے تو راستہ بھر جہاں جہاں سے گزرتے آپ کی زیارت

کرنے اور مسائل پوچھنے کیلئے ہزاروں کا مجمع ہو جاتا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ کے اساتذہ بھی آپ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے تھے ماسوائے اسپین کے اسلامی دنیا کے تمام ممالک سے لوگ جوق در جوق آپ کے مقتدی میں شریک ہونے کے لئے کوفہ پہنچ رہے تھے۔ اور بقول امام ابواللیث بن سعد جب آپ حرم شریف میں بیٹھتے تو طالبان علم کا ایسا ہجوم ہوتا تھا کہ:

رأیت الناس منقصفین علیہ — میں نے دیکھا کہ لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔

سبحان اللہ! یہ مرتبہ۔ یہ عظمت کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔

ایک روز آپ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں عیسیٰ بن موسیٰ عباسی نے بدیں الفاظ آپ کا تعارف کرایا:-

ھذا عالم الدنیا الیوم — یہ دنیائے اسلام کے آج سب سے بڑے عالم ہیں۔

خلیفہ نے پوچھا اے نعمان! تم نے علم کہاں کہاں سے حاصل کیا؟ تو آپ نے جواب دیا حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اصحاب سے علم حاصل کیا جبکہ ابن عباس اپنے زمانہ میں روئے زمین کے بہت بڑے عالم تھے، تو منصور نے کہا:

لقد استوثقت لنفسك — تم نے اپنے نفس کی تکمیل بہت مضبوطی سے کی۔

(بحوالہ سیرۃ امام اعظم ابوحنیفہ ص ۲۸، حضرت امام ابوحنیفہ، ابوزہرہ ص ۱۱)

اسی طرح دیار بکری کی تاریخ خمیس میں ہے حضرت امام اعظم خود فرماتے ہیں منصور نے پوچھا تم نے علم کہاں سے حاصل کیا؟ میں نے کہا امام حماد سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے، تو انہوں نے فرمایا:

بخ بخ استوثقت ما شئت ابا حنیفۃ الطیبین الطاہرین المبارکین رضی اللہ عنہم (سیرۃ امام اعظم ابوحنیفہ ص ۲۸)

خوب خوب ابوحنیفہ تم نے اپنا مقصد پختگی سے بڑے خوب پاک صاف مبارک حضرات سے حاصل کیا اللہ تعالیٰ سب سے راضی ہوا۔

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ علماء تو صرف چار ہیں سفیان ثوری، ابوحنیفہ، مالک اور اوزاعی۔ (البدایہ والنہایہ)

امام مسعر الائمہ مکی فرماتے ہیں: وابا حنیفۃ قاضی القضاۃ للعلماء "ابوحنیفہ علماء کے قاضی القضاۃ تھے (مناقب موفق)

حسن بن صالح بن حی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سمجھدار عالم اور متثبت فی العلم تھے۔

(الانتقاء، تانیب الخطیب)

مشہور مؤرخ محمد بن اسحٰق بن ندیم تحریر فرماتے ہیں :

والعلم برا و بحراو شرقا و غربا بُعدا وقربا تدوینہ رضی اللہ عنہ (الفہرست ابن ندیم)

علم بر و بحر مشرق و غرب، بُعد و قرب میں جتنا بھی مدون ہوا ہے وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مدون کیا ہوا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں :

" الامام فقیہ العراق احد ائمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام احد ارکان العلماء احد الائمۃ الاربعۃ اصحاب المذاھب المتبوعۃ ۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت ابوعبداللہ سفیان، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو گئے جس پر ان کے رفقاء جن میں امام ابوبکر بن عیاش بھی تھے، اس بارہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا :

" ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے، اگر میں ان کے علم کے لئے کھڑا نہ ہوتا تو ان کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہوتا اور اگر عمر کا لحاظ نہ کرتا تو ان کے فقہی مقام کے لئے کھڑا ہوتا اور اگر فقہ کے لئے بھی نہ کھڑا ہوتا تو ان کے زہد کے لئے کھڑا ہوتا " (تبییض الصحیفہ اردو ص۱۳، تاریخ بغداد جلد ۲) (یعنی حضرت امام جامع الکمالات ہیں، ان کا ہر کمال تعظیم و تکریم کا مستحق ہے)

شداد بن حکیم کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر بڑا عالم نہیں دیکھا ۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص۱۹)

حضرت مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اعلم اہل زمانہ تھے ۔ (ایضاً)

امام شعرانی ایک جگہ فرماتے ہیں :

ان فخر الدین الرازی بالنسبۃ الی الامام ابی حنیفۃ کطالب العلم او کاحاد الرعیۃ مع السلطان الاعظم او کاحاد النجوم مع الشمس (اقوال صحیحہ ص۲۵ بحوالہ کتاب المیزان جزاول)

فخر الدین رازی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایسا ہے جیسا طالب علم استاد کے سامنے، یا جیسا رعیت سلطانِ اعظم کے سامنے، یا ستارہ آفتاب کے سامنے۔

امام شعبہ جن کے بارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا، وہ ابوحنیفہ کے بارے میں پس پشت تعریف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہمنشیں ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

قال سفین انہ لیکشف لک من العلم عن شیئ کلنا عنہ غافل۔ آپ (امام ابوحنیفہ) پر علم کی ایسی باتیں منکشف ہوتی ہیں جن سے ہم سب غافل ہیں۔

(اقوالِ صحیحہ ص۹۷ بحوالہ تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار:

رأیت اباحنیفۃ حین یوتی — میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے کہ جب وہ مینے پر آتے اور

ویطلب علمہ بحرا غزیرا — کوئی ان سے طلب علم کرتا وہ بحر ناپیدا کنار تھے۔

اذا ما المشکلات تدافعتہا — جب انہوں نے ہماری تمام مشکلیں دور کر دیں تو شائقین

رجال العلم کان بہا بصیرا — علم نے ان کو صاحبِ بصیرت مانا۔

(تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۴، ۲۵)

خطیب بغدادی ابن ابی داؤد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ عام لوگ امام ابوحنیفہ کے بارے میں جاہل اور ان سے حسد کرتے ہیں۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۵)

خلف بن ایوب نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفتِ علم سے نوازا، پھر آپ نے اپنے صحابہ کرام کو اس سے سرفراز فرمایا، پھر تابعین میں منتقل ہوا، اس کے بعد اب علم سے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ بہرہ ور رہیں۔ (تبییض الصحیفہ ص۲۶)

حسن بن سلیمان سے منقول ہے کہ انہوں نے حدیثِ پاک "لاتقوم الساعۃ حتیٰ یظہر العلم" قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ علم خوب غالب نہ ہو جائے ،، اور اپنی کتاب "تفسیر الآثار" میں بیان کیا کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم ہے (تبییض ص۲۷)

امام صدر الائمہ مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ مسدد بن عبدالرحمٰن بصری سے روایت کرتے ہیں:

• میں مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان سو گیا، خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے حضور اکرم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں نعمان نام کا ہے؟ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا خذ من علمہ واعمل بہ فنعم الرجل۔ ہاں اس سے علم لے اور عمل کر، وہ بہترین آدمی ہے۔ (مناقب موفق ج۲، الخیرات الحسان بحوالہ مقام ابوحنیفہ ص۱)

زہیر بن کیسان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ میں نے ان سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

فقال ہذا علم انفتح من علم الخضر — تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو علم خضر کے علم سے پھوٹ نکلا

(الخیرات الحسان، مقام ابو حنیفہ ص...) ہے (یعنی علم لدنی ہے)

ابو معانی الفضل بن خالد فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

ذلک علم یحتاج الناس الیہ (الخیرات الحسان) یہ ایسا علم ہے کہ لوگ اس کے ہمیشہ محتاج ہیں۔

یحیی بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو کہاں دیکھوں ؟ آپ نے فرمایا :

عند علم ابی حنیفۃ (کشف المحجوب اردو ص۱۱۹) مجھے علم ابو حنیفہ کے پاس دیکھو۔

غیر مقلد عالم مولوی محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں :

" خدا کا فضل اور توفیق آپ کے شاملِ حال تھا۔ اس کو منظور تھا کہ انہیں دنیا میں علم کا ایک خاص مرتبہ عطا کرے زمانے کا مجتہد بنائے۔" (سبیل الرشاد ص ۲۲۲)

" آپ کے ہمعصر لاینحل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، علم کی خوبیوں اور بلندیوں کے سبب آپ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے علم کی دولت پائی، آپ کے شاگرد امامتِ علم کے مرتبوں کو پہنچ گئے جن میں امام ابو یوسف، امام محمد، زفر رحمۃ اللہ علیہم بہت مشہور ہیں۔" (سبیل الرشاد ص ۲۲۳)

حضرت روح بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں مشہور محدث ابن جریج کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر آگئی، ابن جریج نے انا للہ الخ پڑھ کر صدمہ کے ساتھ یہ فرمایا :

ای علم ذھب (مقام ابو حنیفہ ص... بحوالہ البغدادی جلد ۱۳ ص۳۳۸) کتنا بڑا علم رخصت ہو گیا ہے۔

امام الجرح والتعدیل یحیی بن سعید القطان حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں :

انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ ورسولہ (مقدمہ کتاب التعلیم[1] بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث) اللہ کی قسم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اس امت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جو کچھ بھی وارد ہوا ہے، اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

روایت ہے کہ فقیہ شام امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مبارک علیہ الرحمۃ سے کہا کہ یہ کوفہ کا بدعتی شخص کون ہے جو ابو حنیفہ کنیت کرتا ہے ؟ ابن مبارک نے جواب دینے کی بجائے دقیق مسائل بیان کرنے شروع کر دیئے اور ان پر تفصیلی بحث کرنے لگے

[1] علامہ مسعود بن سندھی ۱۲

امام اوزاعی نے پوچھا یہ کس شخص کے فتاویٰ ہیں؟ ابنِ مبارک نے کہا کہ میں ان سے عراق میں ملا تھا۔ امام اوزاعی نے کہا یہ تو مشائخ میں سے بڑے ہی برگزیدہ شخص ہیں، میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کروں گا تو ابن مبارک نے کہا یہی تو امام ابوحنیفہ ہیں پھر امام اوزاعی کی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مکہ میں ملاقات ہوئی تو وہی مسائل زیرِ بحث آئے جو ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے تھے۔ جب دونوں جدا ہونے لگے تو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مبارک سے کہا،

"اس شخص کی کثرتِ علم اور وفورِ عقل پر مجھے رشک آتا ہے۔ استغفر اللہ! میں کتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا! میں انہیں متہم کرتا تھا حالانکہ یہ تو اس کے بالکل برعکس ہیں جو مجھے بتلایا گیا تھا۔" (الخیرات الحسان)

اہلِ موصل نے خلیفہ منصور کے خلاف بغاوت کر کے نقضِ بیعت کا ارتکاب کیا منصور کا ان سے معاہدہ تھا کہ اگر وہ بغاوت کریں گے تو ان کا خون مباح ہوگا منصور نے علماءِ وقت سے اس بارہ میں فتویٰ لینے کے لئے طلب کیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "المؤمنون عند شروطھم" "مسلمان اپنے شروط کے پابند ہیں" کا حوالہ دیکر چاہا کہ وہ اہلِ موصل کے قتل کی اجازت دیں۔ ایک عالم نے کہا کہ بیشک آپ کو ان کے قتل کا اختیار ہے اور آپ معاف فرمادیں تو بھی درست ہے کہ آپ اہلِ عفو ہیں۔ خلیفہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے خصوصاً اس کی توثیق چاہی تو آپ نے فرمایا، اہلِ موصل نے آپ سے جو شرط کی وہ خود اس کا حق نہیں رکھتے تھے اور آپ کے لئے بھی یہ شرط ان سے سزاوار نہ تھی کیونکہ خونِ مسلم صرف تین صورتوں ہی میں روا ہے۔ اگر آپ ان کی جان لیں گے تو یہ فعل ناجائز ہوگا منصور نے مجلس برخاست کر دی اور حضرتِ امام سے کہا آپ نے درست فرمایا لیکن ایسا فتویٰ آپ عام نہ دیں کہیں خوارج اس سے شورش برپا کر دیں۔ (امام ابوحنیفہ، ابوزہرہ بحوالہ مناقب ابن ابر)

خلیفہ منصور کے درباریوں میں ابوالعباس طوسی حضرتِ امام رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا۔ ایک دن جبکہ امام ابوحنیفہ خلیفہ کے دربار میں موجود تھے، ان سے ایک سوال اس نیت سے کیا کہ آج ابوحنیفہ کو خلیفہ سے قتل یا ذلیل و خوار کراؤں گا، کہا "ابوحنیفہ بتائیے کہ امیر المؤمنین کسی آدمی کی گردن مارنے کا حکم دیں جبکہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے قصور کیا کیا ہے؟ تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ امام صاحب اس کے مقصد کو بھانپ گئے اور کہا ابوالعباس پہلے یہ بتاؤ کہ امیر المؤمنین صحیح حکم دیتے ہیں یا غلط؟ ابوالعباس طوسی نے کہا کہ وہ تو غلط حکم نہیں دیتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ صحیح حکم کے کرنے میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں! پھر حضرتِ امام نے فرمایا یہ مجھے پھنسانا چاہتا تھا مگر میں نے جکڑ لیا۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ بحوالہ امام ابوحنیفہ تالیف ابوزہرہ مصری، ص ۸۴)

ضحاک بن قیس خارجی کوفہ کی جامع مسجد میں آیا اور حضرتِ امام رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ توبہ کیجئے۔ پوچھا کس بات سے؟ کہا

کو تم نے تحکیم (حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ کے باہمی فیصلہ بذریعہ ابو موسیٰ اشعری و حضرت عمرو بن العاص) کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے قتل کرنا چاہتے ہو یا بحث کرو گے؟ اس نے کہا مناظرہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہماری باہمی رائے مختلف ہوئی تو پھر ثالث کسے مانا جائے؟ ضحاک نے کہا جسے چاہیں ثالث مقرر کر لیں۔ حضرت امام نے اسی کے آدمیوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر ہمارا اختلاف ہو تو تم فیصلہ کر دینا، اور ضحاک سے اس کی توثیق کرا لی کہ مجھے بھی منظور ہے۔ بس اس پر حضرت امام نے کہا "تم نے خود ہی تحکیم کو تسلیم کر لیا" یہی تو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے کیا تھا! ضحاک لاجواب ہو گیا۔

کوفہ میں ایک رافضی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہودی کہتا تھا۔ حضرت امام اس کے پاس گئے اور کہا کہ میں ایک شخص کا تمہاری لڑکی کے لئے پیغام لایا ہوں۔ اس نے پوچھا کون ہے وہ؟ آپ نے فرمایا نہایت شریف، مالدار، حافظِ قرآن، تہجد گزار، سخی و قیام ہے۔ اس نے کہا کہ ایسے شخص کو تو نامنظور نہیں کیا جا سکتا! امام صاحب نے فرمایا ایک بات اور ہے کہ وہ یہودی ہے۔ تو اس نے ناراضگی سے کہا کہ آپ مجھے یہودی کے ساتھ لڑکی بیاہنے کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ رشتہ منظور نہیں، اس نے کہا قطعی طور پر منظور نہیں بلکہ ناممکن! آپ حضرتِ امام نے فرمایا تمہارے بقول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح یہودی (حضرتِ عثمان) سے کر دیا؟ تو اس نے اپنے اس عقیدہ سے توبہ کر لی۔

ایک شخص نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کی عدم موجودگی میں بوقتِ مرگ وصیت کی۔ حضرت امام نے قاضی ابن شبرمہ کے پاس مرافعہ دائر کر کے گواہ پیش کر دیئے۔ ابنِ شبرمہ نے سوال کیا کہ کیا آپ حلف اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ گواہوں نے صحیح شہادت دی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ چونکہ میری عدم موجودگی میں وصیت ہوئی ہے اس حلف سے مستثنیٰ ہوں! اس پر قاضی نے طنز کی کہ مدعی اپنے گواہوں کی بھی تصدیق نہیں کرتا؟ امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اگر کسی اندھے کا کوئی شخص سر پھوڑ دے اور دو گواہ شہادت دیں تو کیا آپ اندھے سے حلف لیں گے؟ کہ اس کے گواہ ٹھیک ہیں جبکہ وہ ان کو دیکھ ہی نہیں سکتا؟ آخر ابن شبرمہ کو آپ ہی کے حق میں فیصلہ کرنا پڑا!

ضحاک خارجی نے ایک مرتبہ کوفہ شہر پر قبضہ کر لیا اور جامع مسجد میں بیٹھ کر شہر کے تمام افراد کے قتلِ عام کا حکم دے دیا، لوگ حواس باختہ ہو گئے لیکن حضرتِ امام رضی اللہ عنہ ۔ ۔ ۔ دوڑ کر مسجد میں اس کے پاس پہنچ گئے اور دریافت کیا، تم نے ایسا حکم دیا ہے؟ اس نے کہا ہاں دیا ہے کیونکہ کوفہ کے لوگ دین سے پھر گئے ہیں اور مرتد ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ

لوگ پہلے کس دین پر تھے اور اب کونسا دین اختیار کیا ہے؟ ضحاک اس سوال سے لاجواب ہو گیا اور اپنا حکم واپس لے لیا۔ کوفہ کے ایک مشہور عالم ابو معاذ البلخی اس واقعہ کے بعد کہا کرتے تھے کہ سارے کوفہ والے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کئے ہوئے غلام ہیں کیونکہ وہی انکی آزادی کا سبب بنے (ورنہ ضحاک ان سب کو قتل کرا دیتا)

کوفہ میں قاضی کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا ایک شخص نے مطالبہ کیا کہ ہم دو آدمی اکٹھے فلاں شخص کے پاس گئے تھے اور ایک رقم اس کے پاس امانت رکھی تھی لیکن ہم سے ایک آیا اور وہ رقم لے گیا اور وہ اب مجھے کچھ نہیں دیتا۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ جب دونوں آدمی آتے تو وہ رقم دینی چاہیئے تھی لہٰذا اب نصف رقم اسکو دو۔ وہ شخص بہت گھبرایا کیونکہ وہ تو رقم ادا کر چکا تھا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس جاؤ وہی تمہاری امداد کر سکتے ہیں۔ اس نے امام صاحب کے پاس آکر اپنا معاملہ پیش کیا حضرتِ امام نے قاضی سے کہا کہ یہ آدمی بے قصور ہے، اس پر تاوان نہیں ڈالنا چاہیئے۔ اس پر مدعی نے کہا یہ بے قصور کیسے ہے؟ ہم دو آدمیوں نے امانت اس کے پاس رکھی تھی جب تک ہم دونوں نہ آتے اس کو رقم ادا نہ کرنی چاہیئے تھی! حضرت امام نے قاضی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مدعی کا مطالبہ درست ہے کہ جب تک دونوں آدمی نہ آتے رقم نہیں دینی چاہیئے تھی لہٰذا اسے چاہیئے کہ دوسرے آدمی کو لے کر آئے تا کہ اپنی رقم لے سکے، قاضی اور مدعی حیران ہو گئے کہ بات تو یہ بالکل درست ہے۔

اس قسم کے بے شمار واقعات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے آپ کی حاضر جوابی، وفورِ علم، فراست اور حق گوئی اظہر من الشمس ہے۔

علمِ قرآنِ مجید زافر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں رات گزار دیتے اور اس میں پورا قرآن مجید پڑھ جاتے۔ اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے چالیس سال تک فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی اور اکثر رات کو ایک رکعت میں سارا قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اور آپ کا رونا سنائی دیتا تھا یہاں تک کہ آپ کے ہمسائے آپ پر رحم کھاتے تھے اور آپ کی نسبت ثابت ہے کہ آپ نے اس جگہ میں جہاں وفات پائی، سات ہزار دفعہ قرآنِ مجید ختم کیا۔ (اقوالِ صحیحہ ص۱۹ علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ بحوالہ امام نووی فی تہذیب الاسماء)

اسی قسم کی روایاتِ متعددہ تبییض الصحیفہ از رد، وفیات الاعیان قاضی ابن خلکان، طبقات الکبریٰ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، الخیرات الحسان شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی موجود ہیں۔

خطیب نے حفص بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔ کہا میں نے مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ کو سنا، کہتے تھے کہ ایک رات میں مسجد میں داخل ہوا پس میں نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا مجھے اس کی قرارت شیریں معلوم ہوئی۔ اس نے قرآن کا ساتواں حصہ

پڑھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب رکوع کرے گا، پھر آپ نے تہائی حصہ قرآن پڑھا، پھر نصف۔ وہ قرآن پڑھتا رہا یہاں تک کہ اس نے ایک رکعت میں تمام قرآن مجید ختم کر دیا، میں نے دیکھا تو وہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۱)

خطیب نے خارجہ بن مصعب سے روایت کی، کہا اماموں میں سے چار نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا حضرت عثمان بن عفان (ذالنورین) تمیم داری، سعید بن جبیر، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۱)

ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی نے اپنی مسند کے مقدمہ میں علی بن یزید صدائی سے روایت کی ہے، کہا میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ماہِ رمضان میں ساٹھ بار قرآن ختم کیا، ایک ختم رات کو، ایک دن کو۔ (تبییض الصحیفہ اردو)

متعدد طریقوں سے منقول ہے کہ آپ نے قراءت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی جو قرائے سبعہ میں سے ایک معزز قاری ہیں۔ (جواہر البیان ترجمہ اردو الخیرات الحسان ص ۱۵۹)

شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وہ (امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ) علومِ شرعی یعنی تفسیر، حدیث اور آلہ یعنی علومِ ادبیہ و مقائس حکمیہ میں سمندر تھے جن کی ہمسری نہیں کی جا سکتی، اور امام تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔" (اقوالِ صحیحہ مولانا نور بخش توکلی بحوالہ الخیرات الحسان)

حضرت امامِ اعظم رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

"میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں، اگر مسئلہ اس میں نہیں پاتا تو رسول اللہ کی سنت کو لیتا ہوں، اگر اس میں نہ پاؤں تو اقوالِ صحابہ سے لیتا ہوں۔" (اقوالِ صحیحہ ص ۱۱ بحوالہ تہذیب التہذیب جزء عاشر)

مذکورہ حوالوں سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ آپ علم قرآن کے ماہر تھے اور مسائل کا استخراج قرآن سے کرتے تھے اور حافظ قرآن تھے۔

حضرتِ امام رضی اللہ عنہ کی اخذِ روایت میں احتیاط

حضرت امام رضی اللہ عنہ کا روایتِ حدیث کے بارے میں طریقہ یہ تھا کہ آپ، احادیث لینے میں (احتیاطاً) بہت زیادہ شدت سے کام لیتے تھے۔ آپ صرف ایسی روایت بیان کرنا مناسب سمجھتے تھے جو بالکل اسی طرح یاد ہو جس طرح پہلی مرتبہ سنی ہو۔ (امام طحاوی، مقامِ ابو حنیفہ ص ۱۳۲ بحوالہ الجواہر ج ۱ بہ تغییر الفاظ از علامہ قرشی)

وہ کسی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی روایت کو بھی جبکہ اسے زبانی یاد نہ ہو، ایسی روایت کی بھی اجازت نہ دیتے تھے۔ (الکفایہ)

ابو عصمہ نے حضرتِ امام سے دریافت کیا کہ آپ مجھے کن لوگوں سے روایت لینے کا حکم کرتے ہیں تو:

قال من کل عدل فی ھواہ الا الشیعۃ ہر اس معتبر ثقہ شخص سے اگرچہ وہ جماعت سے ہٹا ہوا ہو

قال واصل مذهبهم تضليل اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوائے شیعہ کے کہ ان کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ ثابت کریں۔

(حیٰوۃ امام اعظم ابوحنیفہ ص ۱۶۳ بحوالہ الکفایہ فی علم الروایہ بحوالہ عبداللہ بن مبارک)

نیز اخذ روایت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور قاضی ابویوسف رضی اللہ عنہ کی تائید کی ہے کہ شیعہ سے روایت قبول نہ کی جاوے۔ (خطیب بغدادی بحوالہ مذکور)

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والامام ابوحنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمل۔

(اقوال صحیحہ ص ۵ بحوالہ مقدمہ ابن خلدون)

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو اس لئے کم ہے کہ انہوں نے شرط روایت وتحمل میں تشدد کیا ہے۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لقد وجد الورع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث مالم یوجد من غیرہ۔

بلاشبہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے جو اور کسی نے نہیں کی۔

(مقام ابی حنیفہ ص ۱۴۳ بحوالہ مناقب امام صدر الائمہ جلد ۱)

امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے:

کان الامام ابوحنیفۃ شدید الاخذ للعلم ذابا عن حرم اللہ ان تستحل یاخذ بما صح من الاحادیث التی کانت یحملھا الثقات وبالآخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مقام ابوحنیفہ ص ۱۳۱ بحوالہ الانتقاء لابن عابد)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم کے حاصل کرنے میں بڑے سخت محتاط اور حدود اللہ کی بے حرمتی پر بے حد مدافعت کرنے والے اور وہ صرف وہی حدیث لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی ہوتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے۔

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

"جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یہ شرط لگاتے تھے کہ عمل سے پہلے دیکھ لیا جاوے کہ راوی حدیث سے صحابی تک پرہیزگاروں کی ایک خاص جماعت اسے نقل کرتی ہے، پھر وہ قابلِ عمل ہوگی۔" (میزان الکبریٰ جلد ۱، مقام ابوحنیفہ ص ۱۳۴)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب اور رسائے نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں ،

"یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف پایا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ بخاری و مسلم کے اُن رُواۃ کی تعداد جو شرط مذکور پر پورے اترتے ہوں، نصف تک بھی پہنچے " (مقام ابوحنیفہ ص۱۱ بحوالہ تدریب الراوی)

امام ابن المبارک نے فرمایا :

"امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قلتِ روایت کے عذروں میں سے ایک وہ بھی ہے جو آپ کے قول سے ظاہر ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ صرف اسی حدیث کی روایت کرے جو سننے کے دن سے روایت کرنے کے دن تک اسے حفظ ہو، پس آپ کے نزدیک بجز یاد رکھنے والے کے روایت جائز نہیں " (اقوال صحیح ص ۱۰، بحوالہ الخیرات الحسان)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں اہل کوفہ کے علم کا عالم ہوں۔ (ایضاً) امام اعمش نے کہا تجھے (اے امام!) کافی ہیں جو میں نے تجھے سو روز میں حدیث کیا وہ تم مجھے ایک ساعت میں حدیث کرتے ہو (ایضاً)

مولانا مبارک پوری (اہلحدیث) ارقام کرتے ہیں :۔

"حدیث کی قیود و شروط کے بارے میں جتنی تشدید، پابندی اور احتیاط امام ابوحنیفہ نے کی ہے اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔" (مقام ابوحنیفہ ص ۱۳۶)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور علم حدیث و عامل سنت

امام صدر الائمہ مکی رحمۃ اللہ علیہ امام حسن بن زیاد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں :۔

کان ابوحنیفۃ یروی اربعۃ الاف حدیث الفین لحماد والفین لسائر المشیخۃ۔

(مقام ابوحنیفہ ص ۱۱۶)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں، دو ہزار تو صرف حضرت حماد رضی اللہ عنہ کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

یہ پہلا نکما ہے تعداد ہے ورنہ مختلف راویوں سے ان کی تعداد بیشمار ہو جاتی ہے۔

امام ابویوسف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

ما رأیت اعلم بتفسیر الحدیث من ابی حنیفۃ۔

(الخیرات الحسان، اقوال صحیح ص ۱۲)

میں نے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر کرنے والا اور ان کے فقہی نکات کو پرکھنے والا اور مواقع کا علم رکھنے والا نہیں دیکھا۔

ابوعبدالرحمٰن مقری نے بیان فرمایا کہ جب ہم امام ابوحنیفہ سے مروی کسی حدیث کو بیان کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں حدثنا

شاھنا یعنی ہمارے بادشاہ نے ہم سے حدیث بیان فرمائی۔ (تبییض الصحیفہ اردو ترجمہ ص ۲۸)

ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے ابوحنیفہ کو فرماتے سنا ہے کہ جب ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جاتی ہے تو پھر اس کے علاوہ کسی اور پر توجہ ہی نہیں کرتے۔ (ایضاً ص ۳۰)

ابوغسان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے اسرائیل علیہ الرحمۃ کو فرماتے سنا کہ امام ابوحنیفہ سیدنا نعمان کتنے اچھے بزرگ تھے جس حدیث میں کوئی مسئلہ فقہیہ ہو تو وہ اس کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے اور اس میں خوب غور و خوض کرنے والے تھے۔ خلفاء، امراء، وزراء ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۳۰)

بروایت نعیم بن عمر انہوں نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا تعجب ہے کہ میرے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں قیاس اور رائے سے فتوے دیتا ہوں حالانکہ میں وہی فتوے دیتا ہوں جو آثار (حدیث) میں ہو۔ (الخیرات الحسان، جواہر المضیہ ج ۲، تبییض الصحیفہ اردو ص ۳۲)

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

لا تقولوا رأی ابی حنیفۃ ولکن قولوا انہ تفسیر الحدیث (مقام ابوحنیفہ ص ۱۸۶)

تم یہ نہ کہو کہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے۔ (سنایہ شرح ہدایہ، ج ۱، اقوال صحیحہ ص ۱۴۱)

سوید بن سعید المروزی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا (اشعار):۔

لقد زان البلاد ومن علیہا | امام المسلمین ابوحنیفہ
باثار وفقہ فی حدیث | کاثار الزبور علی صحیفہ
فما فی المشرقین لہ نظیر | ولا بالمغربین ولا بکوفہ
رأیت القائمین لہ سفاھا | خلاف الحق مع حجج ضعیفہ

(ترجمہ) امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے شہروں اور ان کے رہنے والوں کو بلاشبہ مزین کر دیا اور حدیث و آثار و فقہ سے اس طرح باخبر فرمایا جس طرح قرآن میں رموز و آثار ہیں تو آپ کا نہ تو مشرق و مغرب دونوں میں کوئی نظیر ہے اور نہ کوفہ میں، یعنی بدگوؤں کی بیوقوفیاں دیکھی ہیں کہ کمزور و ضعیف باتوں سے حق کے خلاف کرتے ہیں۔" تبییض الصحیفہ اردو ص ۴۱)

استاد المحدثین امام اعمش رضی اللہ عنہ شاگرد حضرت انس رضی اللہ عنہ استاد امام اعظم رضی اللہ عنہ نے امام سے کہا اے گروہ فقہا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار، اور اے ابوحنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے لئے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱، ص ۳۸۹)

امام عبدالوہاب شعرانی شافعی لکھتے ہیں :-

فاونهم تبريا من كل رأى يخالف الشريعة الامام الاعظم ابوحنيفة النعمان بن ثابت رضى الله عنه (الميزان ج ۱، مقام ابوحنيفه ص ۱۹۱)

ائمہ میں سے سب سے اول ایسی رائے سے جو شریعت کے مخالف ہو، بیزار ہونے والے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :-

"پس میں نے آپ (امام ابوحنیفہ) کے اقوال میں سے یا آپ کے اتباع کے اقوال میں سے کوئی قول ایسا نہ پایا جو کسی آیت یا حدیث یا اثر صحابی یا اس کے مفہوم کی طرف یا کسی ضعیف حدیث کی طرف جس کے طرق بکثرت ہوں یا اصل صحیح پر قیاس صحیح کی طرف مستند نہ ہو" (اقوال صحیحہ ص ۳۲)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تبییض الصحیفہ میں، ۴۴ محدثین کے نام تحریر کئے ہیں جن سے حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اخذ حدیث کی اور علامہ ابوالمؤید الموفق نے مناقب امام میں، ۳۰۲ محدثین کے نام تحریر فرمائے ہیں جن سے حضرت امام نے حدیث حاصل کر کے روایت کی ہے۔ (اقوال صحیحہ ص ۱۰۵)

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی سند فی الحدیث کے بارے میں یوں لکھا ہے :-

انه اخذ عن اربعة الاف شيخ من ائمة التابعين وغيرهم ومن ثم ذكره الذهبى وغيره فى طبقات الحفاظ من المحدثين۔

امام صاحب نے ائمہ تابعین میں سے چار ہزار شیوخ سے حدیث پڑھی اور اسی لئے امام ذہبی وغیرہ نے آپ کو حفاظ حدیث کے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔

(الخیرات الحسان، اقوال صحیحہ ص ۱۰۶)

حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے وہ پرہیزگاری پائی گئی جو کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔ (اقوال صحیحہ ص ۱۲۲ بحوالہ مناقب موفق)

کما ذکر نے کہ بڑے بڑے محدثین مثل زکریا بن ابی زائدہ اور عبدالمالک بن ابی سلیمان اور لیث بن ابی سلیم اور مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمن وغیرہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتے تھے اور آپ سے دریافت کیا کرتے تھے وہ مسائل جو انہیں پیش آتے ہیں اور وہ احادیث جو ان پر مشتبہ ہوا کرتی تھیں (اقوال صحیحہ ص ۱۲۱ بحوالہ مناقب موفق)

یحییٰ بن معین علیہ الرحمۃ جن کی نسبت امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو یحییٰ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں، وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں :-

كان ابو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث الا

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ تھے، اسی حدیث کو بیان

بمایحفظ۔ (تہذیب التہذیب، اقوال صحیح ۱۴۴) کرتے تھے جو حفظ ہو۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ امام محمد بن سماعہ سے نقل کرتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا وسبعین الف حدیث وانتخب الاٰثار من اربعین الف حدیث۔ (مناقب علی القاری بذیل الجواہر ج ۲)	امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

اسی کی تائید میں امام صدرالائمہ مکی مناقب موفق ج ا میں رقمطراز ہیں:

وانتخب ابوحنیفہ الاٰثار من اربعین الف حدیث۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۹ھ) نے مشہور و معروف کتاب الملل والنحل میں چند بزرگوں کے اسماء تحریر فرمائے ہیں

۔۔۔حماد بن ابی سلیمان، ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد بن حسن رضی اللہ عنہم۔۔۔۔ پھر آگے لکھتے ہیں:۔

وھؤلاء کلھم ائمۃ الحدیث	یہ سب ائمہ حدیث تھے

امام حاکم اپنی کتاب معرفت علوم حدیث میں تحریر فرماتے ہیں۔ یہ نوع علوم سے تابعین، تبع تابعین کے ان ائمہ ثقات اور مشہورین کی معرفت کے بیان میں ہے جن کی حدیثیں مشرق و مغرب تک حفظ و مذاکرہ کے لئے جمع کی جاتی ہیں اور ان کی ذات سے شرق سے غرب تک تبرک حاصل کیا جاتا ہے پھر ان کے نام میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا نام درج فرمایا ہے۔

حافظ محمد یوسف صاحب صالحی الشافعی اپنی کتاب عقود الجمان میں لکھتے ہیں:۔

کان ابوحنیفۃ من کبار حفاظ الحدیث واعیانھم ولولا کثرۃ اعتنائہ بالحدیث ما تھیأ لہ استنباط مسائل الفقہ۔	امام ابوحنیفہ بڑے حفاظ حدیث اور ان کے فضلاء میں شمار ہوتے ہیں اگر وہ حدیث کا بکثرت اہتمام نہ کرتے تو فقہ کے مسائل میں استنباط کا ملکہ ان کو کہاں سے حاصل ہوتا۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب المیزان ج ا میں لکھتے ہیں:۔

"ایک شخص کتاب دانیال لے کر کوفہ میں داخل ہوا۔ قریب تھا کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ اسے قتل کر ڈالیں، آپ نے اس سے فرمایا کیا یہاں قرآن اور حدیث کے سوا کوئی کتاب ہے؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ درست رہے جب تک ان میں طالب حدیث رہے مگر جب انہوں نے علم کو بغیر حدیث کے طلب کیا تو بگڑ گئے۔"

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے مشہور و معروف قصیدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں عرض کرتے ہیں:۔

فاذا سکنت فنفیک صمتی کلہ — واذا نطقت فمادحا علیا کا

واذا سمعت فعنک قولا طیبا — واذا نظرت فما اری الا کا

ترجمہ: " یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جب خاموش ہوتا ہوں تو آپ ہی کے تصور میں مستغرق ہوتا ہوں، اور جب بولتا ہوں تو آپ ہی کی مدح سرائی کرتا ہوں، جب سنتا ہوں تو آپ کے اقوالِ پاک ہی سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو آپ ہی کو دیکھتا ہوں۔"

ان اشعار میں جہاں آپ کا فنا فی الرسول کا مرتبہ ظاہر ہو رہا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ آپ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے لہذا آپ کے جملہ علوم کی اصل اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ حضرتِ امام کے بارے میں فرماتے ہیں:

روی آثارہ فاجاد فیہا	انہوں نے آثار (احادیث) کو روایت کیا تو ایسی بلند
کطیران الصقور من المنیفہ	پروازی دکھائی جیسے شکاری پرندے بلند مقام پر، نہ عراق
ولم یک بالعراق لہ نظیر	میں ان کی کوئی مثال تھی اور نہ شرق و غرب اور کوفہ
ولا بالمشرقین ولا بکوفہ	میں۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور فقہ

حضرت امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: " سب سے زیادہ فقیہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے فقہ میں ان کی مثل کوئی نہیں دیکھا۔"

پھر فرماتے ہیں کہ "جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان مجتمع ہو جائیں تو پھر کون ہے جو ان کے مقابل کوئی فتویٰ لاسکے اور جو ان دونوں کا اجماعی فیصلہ ہو وہی میرا قول ہے۔"

اور فرمایا کہ "کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو زیبا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ میری رائے ہے۔" (تبییض الصحیفہ اردو ص ۱۸)

خطیب بغدادی، بشر بن حارث سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب میں اخذِ حدیث کا قصد کرتا تو حضرت سفیان کے پاس جاتا اور جب اس کی باریکیوں کو حاصل کرنے کا ارادہ کرتا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا جب میں سفیان ثوری کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آتے ہو؟ تو میں کہتا کہ امام ابوحنیفہ کے پاس سے، تو وہ فرماتے یقیناً تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے زمین پر سب سے بڑا فقیہ ہے۔

(تبییض الصحیفہ اردو، ص ۱۹)

امام ابوحنیفہ نے یحییٰ بن [illegible] کو مخاطب کر کے کہا کہ اے بصری لو! میں تم سے زیادہ فقیہ ہوں۔ ابونعیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مسائل میں غوطہ زن رہنے والے شخص تھے۔ عبداللہ بن داؤد خریبی نے کہا کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اس کے بعد فرمایا امام صاحب نے مسلمانوں کے لئے سنن و فقہ کی حفاظت فرمائی۔ بشدادبن حکیم نے فرمایا کہ میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا اللہ جھوٹ نہ بلوائے ہم نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ صائب الرائی کسی کو نہیں پایا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کی فرزندی میں ہیں۔ نیز فرمایا جو فقہ میں تبحر اور مہارت کا ارادہ کرتا ہے وہ امام ابوحنیفہ کی فرزندی میں ہے۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۰)

سعید بن منصور سے نقل ہے کہ انہوں نے فضیل بن عیاض حنفی (المتوفی مکہ ۱۸۷ھ) کو فرماتے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہ مرد فقیہ، مشہور بالورع تھے، وافر مال و دولت رکھنے والے اور ہر ایک پر دل کھول کر خرچ کرنے والے تھے اور رات دن تعلیم علم میں منہمک و مصروف رہتے تھے، عمدہ رات گذارنے والے، خاموش طبع، کم گو، اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرتے، بادشاہ کے مال و تحفے سے دور بھاگتے تھے اور جب ان کے سامنے کسی مسئلہ پر حدیث صحیح بیان کر دی جاتی، وہ اس کا اتباع کرتے، ورنہ وہ قیاس و اجتہاد خوب فرماتے۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۷)

نضر بن شمیل کہتے تھے کہ لوگ فقہ کے معاملہ میں خواب غفلت میں تھے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بیدار کیا اور فقہ کو خوب واضح، نکھار کر بیان فرمایا۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۷)

ابن مبارک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر فقہ میں گفتگو کرتے کسی کو نہیں دیکھا (تبییض ص ۲۷)

مسعر علیہ الرحمۃ کہتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ سے بہترین کسی شخص کو نہیں جانتا جو فقہ میں عمدہ گفتگو کرے اور اس کا اجتہاد وسیع ہو، از روئے فقہ، حدیث کی تشریح کرتا ہو، ان کی معرفت سب سے عمدہ تھی، امام صاحب کی مانند کسی کو زیادہ مہربان نہ دیکھا جو اللہ تعالیٰ کے دین میں شک کا کچھ حصہ بھی رہنے دے۔ (تبییض ص ۲۸)

ابوداؤد کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں کوئی بدگوئی نہیں کر سکتا بجز ان دو شخصوں کے، یا تو وہ ان کے علم سے حسد کرنیوالا ہوگا یا وہ ان کے علم سے جاہل و ناواقف ہوگا اور ان کے تبحر علمی سے نادان ہوگا۔ (ایضاً)

امام اوزاعی اور عمری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مشکل سے مشکل مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے (ایضاً ص ۳۳)

تاریخ بغداد میں بروایت غنجار از علی بن عاصم ہے کہ انہوں نے کہا اگر روئے زمین کی نصف آبادی کی عقلوں کو امام ابوحنیفہ کی عقل سے وزن کیا جائے تو یقیناً ان کی عقل غالب، وزن دار ہوگی۔ (ایضاً ص ۳۳)

ابوالقاسم غسان بن محمد بن عبداللہ بن سالم تمیمی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں لکھتے ہیں :۔

وضع القیاس ابوحنیفۃ کلہ ۔۔۔ فاتی باوضح حجۃ وقیاس
والناس یتبعون فیہا قولہ ۔۔۔ لما استبان ضیاءہ للناس
افدی الامام اباحنیفۃ ذا التقی ۔۔۔ من عالم بالشرع والمقیاس
سبق الائمۃ فالجمیع عیالہ ۔۔۔ فیما تحراہ بحسن قیاس

(تبییض الصحیفہ ترجمہ اردو از سید غلام معین الدین ص ۴۱، ۴۲)

ترجمہ : یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے قیاس واجتہاد کے تمام دروازے وضع کر کے خوب واضح حجت وقیاس کے ساتھ دیا ہے اور لوگ آپ کے قول کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ اس کی ضیاء لوگوں پر خوب روشن ہو چکی ہے ، ہر عالم دین اور صاحب عقل وفراست ، ملاقات کرتے ہی امام ابوحنیفہ پر فدا ہو جاتا ہے ، بلاشبہ تمام ائمہ آپ ہی کے عیال ہیں جس مسئلہ میں بھی اجتہاد کیا ، خوب کیا ۔"

الفقہ منا ان اردت تفقہا ۔۔۔ والجود والمعروف للمنتاب
واذا ذکرت اباحنیفۃ فیہم ۔۔۔ خضعت لہ فی الرای کل رقاب

ترجمہ :" یعنی ہمارے فقیہ کو اگر تم سمجھنے کی کوشش کرو گے تو ہر صاحب عقل سعادت ونیکی ہی پائے گا اور جب تم ان میں امام ابوحنیفہ کا ذکر کرو گے تو آپ کے اجتہاد پر سب کی گردنیں جھک جائیں گی ۔" (ایضاً ص۴۲)

ابوالمؤید موفق بن احمد مکی فرماتے ہیں :۔

ھذا مذھب النعمان خیر المذاھب ۔۔۔ کذا القمر الوضاع خیر الکواکب
تفقہ فی خیر القرون مع التقی ۔۔۔ فمذھبہ لاشک خیر المذاھب

ترجمہ :" یہ نعمان بن ثابت کا مذہب بہترین ہے ، جس طرح چاند خوب روشن ہے اور ستاروں سے خوب بہتر ہے ، خیر القرون میں تقوے کے ساتھ فقہ مرتب ہوا تو ان کا مذہب بلاشبہ بہترین مذہب ہے ۔"

مسند امام ابوحنیفہ کے جمع کرنے والوں میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد ، خاص ہے ، یہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور ابواب میں تقسیم کیا ، پھر اس کی پیروی امام مالک بن انس نے "موطا" کی ترتیب میں فرمائی ، امام صاحب سے پہلے کسی نے ایسا نہ کیا ۔ (تبییض الصحیفہ ص ۴۲ ، ۴۳)

نیز امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے ؟ انہوں نے فرمایا

ہاں دیکھا ہے، وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل پیش کریں تو :

لقام بحجتہ (خلیبہ ج ۱۳ ص ۳۳۸ الکمال ص ۶۲۵) وہ ضرور اپنی حجت میں کامیاب رہیں۔

مؤرخ اسلام ابن خلدون یوں رقم طراز ہیں :

" فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان کے ہمعصر علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خصوصاً امام مالک اور امام شافعی[1] " (مقدمہ ابن خلدون)

امام حافظ الدین کردری امام شافعی سے اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں :

ما رأیت افقہ منہ (مناقب کردری) میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا۔

ابو عاصم النبیل سے سوال کیا گیا کہ سفیان بڑے فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ ؟ تو انہوں نے فرمایا :

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور غلام بھی فقہ میں سفیان سے بڑھ کر ہیں" (البغدادی)

عبداللہ بن مقری فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نوجوان ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔ شیخ الاسلام یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ سفیان زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ ؟ تو انہوں نے فرمایا ابو حنیفہ زیادہ فقیہ ہیں۔ (البغدادی)

یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں :

لانکذب واللہ ما سمعنا احسن من رأی ابی حنیفۃ۔ اللہ کی قسم ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے کوئی اعلیٰ رائے والا نہیں سنا۔

ابو مطیع الحکم بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی صاحب حدیث امام سفیان ثوری سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا مگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔ ابو مسلم المستملی نے فرمایا اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو امام ابو حنیفہ کی کتابوں کو ضرور دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہیں پایا جو ان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو۔ (تاریخ البغدادی)

امام یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ آدمی فتوے کب دے سکتا ہے ؟ فرمایا جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرح اور ان کی مثل فقیہ ہو جائے، میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں دیکھا اور نہ ہی متورع دیکھا ہے۔ (مناقب موفق و کردری) نیز فرمایا کہ میں نے ایک ہزار استاد سے علم سیکھا اور حاصل کیا لیکن اللہ کی قسم میں نے ان سب میں ابو حنیفہ سے بڑھ کر صاحب ورع اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔ (مناقب موفق)

علامہ تاج الدین سبکی شافعی فرماتے ہیں :

وفقہ ابی حنیفۃ دقیق (طبقات الشافعیۃ) ابو حنیفہ کی فقہ گہری اور باریک ہے۔

---

[1] امام شافعی ہمعصر نہیں البتہ امام اعظم کے شاگرد رشید امام محمد کے ذریعہ امام اعظم کے علوم و معارف سے مستفیض ہوئے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں :

وتعلمت الفقہ الذی عندی من ابی حنیفۃ (بغدادی، موفق، تبییض)

میں نے جو علم فقہ حاصل کیا وہ تو ابو حنیفہ ہی سے حاصل کیا ہے ۔

عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں : جب تم فقہ کی باریکیاں حاصل کرنا چاہو تو ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے حاصل کرو ۔

حضرت ملا علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ :

انہ وضع ثلاثۃ الاف و ثمانین الف مسألۃ منہا ثمانیۃ وثلاثون الفا فی العبادۃ والباقی فی المعاملات (ذیل الجواہر ج ۲)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تراسی ہزار مسائل طے فرمائے جن میں سے اڑتیس ہزار عبادت اور باقی معاملات کے بارے میں تھے ۔

لیث بن سعد نے کہا کہ میں امام ابو حنیفہ کا ذکر سن کر مشتاق ملاقات ہوا ۔ ایک سال مکہ معظمہ میں تھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا مجمع دیکھا ایک شخص نے کہا اے امام ابو حنیفہ ! تو میں سمجھا کہ وہ آپ ہی ہیں جن کا مجھ کو اشتیاق تھا ۔ اس شخص نے عرض کیا میں مالدار شخص ہوں میرا ایک لڑکا ہے میں اس کی شادی کرتا ہوں جس پر کافی خرچ ہوتا ہے لیکن وہ چند یوم کے بعد بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور مال میرا ضائع ہو جاتا ہے اس بارے میں مجھے کوئی مفید ترکیب بتلائیے ۔ آپ نے فرمایا اسے لونڈیوں کے بازار میں لے جاؤ ، جسے وہ پسند کرے خرید لو پھر اس کے ساتھ اس کی شادی کر دو ، اگر وہ طلاق بھی دے دے تو لونڈی تمہاری ملکیت میں رہے گی اور آزاد کرنے کا اسے حق نہیں ہو گا !
لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ اس جواب پر میں اتنا متعجب ہوا جتنا فوری جواب پر ہوا ۔

ایک شخص نے پوچھا میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنی بیوی سے کلام نہ کروں گا جب تک وہ پہلے مجھ سے کلام نہ کرے گی ، اس پر اس نے بھی قسم کھائی کہ وہ مجھ سے نہ بولے گی جب تک میں اس سے بات نہ کروں ۔ امام صاحب نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی حانث نہیں ۔ دوسرے علماء نے کہا غلط فتوے دیا گیا ہے ۔ آپ سے اس سلسلہ میں بحث کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا جب اس شخص نے قسم کھائی تو اس کے فوراً بعد اس کی بیوی نے اسے مخاطب کر کے بات کی اور قسم کھائی لہٰذا اس کی قسم ختم ہو گئی اور پھر جب اس نے اس کے ساتھ بات چیت کی تو عورت کی قسم ختم ہو گئی ! تو انہوں نے کہا آپ کے لئے ایسے علم کھولے جاتے ہیں جن سے ہم غافل ہیں ۔

ایک شخص کسی جگہ اپنا مال دفن کرنے کے بعد بھول گیا ، کوشش بسیار کے باوجود یاد نہ کر سکا ۔ حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ کوئی حل نکالئے ۔ آپ نے فرمایا یہ کوئی مسئلہ تو ہے نہیں ، وہ اصرار کرنے لگا تو فرمایا ، اچھا آج تمام رات نفل پڑھو ۔ اس نے

ایسا ہی کیا۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ اسے اپنا دفینہ یاد آگیا۔ صبح حضرتِ امام کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا مجھے معلوم تھا کہ شیطان تجھے رات بھر نماز میں مصروف رہتا نہیں دیکھ سکیگا۔ لیکن افسوس کہ تم نے بعد میں نماز منقطع کردی حالانکہ اس کے بعد تو تمہیں بطورِ شکرانہ نوافل ادا کرنے چاہیئے تھے

حضرتِ امام کا استخراجِ مسائل کا طریقہ

خلیفہ ابو جعفر المنصور عباسی نے حضرتِ امام کو ایک خط لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرتِ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ :-

یا امیر المومنین انما اعمل اولا بکتاب اللہ	اے امیر المومنین میں اولاً کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں ،
ثم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم	پھر سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ، پھر حضرات
باقضیۃ ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم	ابوبکر ، عمر ، عثمان ، علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر ، پھر
ثم باقضیۃ بقیۃ الصحابۃ ثم اقیس بعد ذالک	باقی صحابہ کرام کے فیصلوں پر ، پھر اس کے بعد جب
اذا اختلفوا (المیزان اردو صفحہ ۴۵ ، سیرۃ امام ابو حنیفہ صفحہ ۱۱۲	ان میں اختلاف پاتا ہوں تو قیاس کرتا ہوں ۔

تبییض الصحیفہ اردو صفحہ ۲۹)

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں :

" میں کتاب اللہ کو دیکھتا ہوں ، اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں پاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو لیتا ہوں ۔ اگر سنت میں نہیں پاتا تو قولِ صحابہ کو لیتا ہوں ، ان میں سے جس کا قول چاہوں لوں ، اور میں ان کا قول چھوڑ کر غیر کا قول نہیں لیتا لیکن جب نوبت ابراہیم و شعبی و ابن سیرین و عطا علیہم الرحمۃ تک پہنچ جاتی ہے تو وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا ۔ پس میں اجتہاد کرتا ہوں جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا " (اقوالِ صحیحہ ص ۱۱۲)

ابو مطیع کہتے ہیں کہ میں ایک روز کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا پس سفیان ثوری ، مقاتل بن حیان ، حماد بن سلمہ اور جعفر صادق رضی اللہ عنہم وغیرہم فقہاء آپ کے پاس آئے اور وہ امام ابو حنیفہ سے کلام کرنے لگے ۔ انہوں نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ تم دین میں قیاس زیادہ کرتے ہو ، ہمیں اس سے تمہارے بارے ڈر ہے کیونکہ پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا ۔ پس امام صاحب نے جمعہ کے دن کی صبح سے زوال تک ان کے ساتھ مناظرہ کیا اور ان پر اپنا مذہب پیش کیا اور فرمایا میں قرآن پر عمل کرنے کو مقدم رکھتا ہوں ، پھر

حدیث پر، پھر صحابہ کے فیصلوں پر متفق علیہ کو مختلف فیہ پر مقدم کر کے، پھر اس کے بعد قیاس کرتا ہوں، اس پر سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور امام صاحب کے زانو اور ہاتھ کو بوسہ دیکر کہنے لگے آپ سید العلماء ہیں، بے خبری میں ہم سے جو پہلے آپ کے حق میں بدگوئی وقوع میں آئی، آپ ہمیں معاف فرمائیں۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ ہمیں اور تمہیں سب کو معاف کر دے۔ (کتاب المیزان، امام عبدالوہاب شعرانی بحوالہ اقوال صحیحہ صفحہ ۹)

نعیم بن حماد سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث مل جائے تو سر آنکھوں پر اور جب کسی صحابی کا قول ملتا ہے تو ہم اسے اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے قول سے باہر نہیں جاتے البتہ جب کسی تابعی کی بات پہنچتی ہے تو ہم مزاحمت کرتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب نمبر ۵۵ میں فرماتے ہیں:۔

"امام ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است واحادیث مرسل را در رنگ احادیث مسند شایان متابعت می داند۔ و بر رائی خود مقدم می دارد و ہم چنیں قول صحابہ را بواسطۂ شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات بر رائی خود مقدم دارد و دیگراں نہ چنیں اند۔" (اقوال صحیحہ ص ۳۱۱)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حدیث کی تقلید میں سب سے پیش رو ہیں، آپ مرسل احادیث کو مسند کی طرح قابل اتباع خیال کرتے ہیں اور انہیں اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں، اسی طرح قول صحابہ کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ ان کو پیغمبر خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ اور دیگر حضرات اس طرح نہیں کرتے۔"

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا:۔

"ہمارا قیاس امر الٰہی کا اتباع ہے کیونکہ ہم اس کو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا ائمہ صحابہ و تابعین میں سے کسی کے قول کی طرف راجع کرتے ہیں پس ہم اتباع کے گرد پھرتے ہیں۔" (الخیرات الحسان)

حضرت امام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

"ہم پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں، پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر، پھر اس کے بعد ان احادیث پر جو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم سے مروی ہیں۔" (امام ابوحنیفہ ص ۲۵۰)

ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ، ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ہوتی تو آپ (امام ابوحنیفہ) اس کی اتباع کرتے اور اگر حضرات صحابہ اور تابعین سے اس کا حکم ملتا تو ان کی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور عمدہ قیاس کرتے۔" (الخیرات الحسان، ذیل الجواہر) مولانا مبارک پوری نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۳۲ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا جملہ حوالجات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی ہے کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ جملہ مسائل شرعیہ کو حل کرنے کے لئے بالترتیب قرآن، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قضا یا اقوالِ حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مدد لیا کرتے تھے اگر ان میں مسئلہ نہ مل سکے تو تابعین کے اقوال کی طرف متوجہ ہوتے ان میں سے جو بہتر سمجھتے، لے لیتے ورنہ اجتہادِ ذاتی سے فتوے دیتے تھے اور یہی محتاط ترین طریقہ ہو سکتا ہے۔

حضرتِ امام کا ورع وتقویٰ

حبان بن موسیٰ سے روایت کرتے ہوئے خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن مبارک کو فرماتے سنا کہ جب میں کوفہ میں آیا تو میں نے لوگوں میں سب سے متورع و پارسا شخص کے بارے پوچھا تو انہوں نے امام ابوحنیفہ کا نام لیا۔ اور خطیب حامد بن آدم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ متورع کسی کو نہیں دیکھا۔ (تبییض الصحیفہ اردو)

خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم پیش کش کی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔ (ایضاً)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پڑپوتے قاسم بن معن کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بہت نیک، پارسا اور سخی تھے۔

یزید بن ہارون (متوفی ۲۰۶ھ) جو امام بخاری علیہ الرحمۃ کے کبار شیوخ سے ہیں اور اصحاب صحاح ستہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے بہت لوگوں سے ملاقاتیں کی ہیں لیکن کسی کو بھی امام ابوحنیفہ سے زیادہ عاقل، افضل اور متورع نہیں پایا۔ ابوعبداللہ وکیع سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ عظیم الامانت تھے، ان کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کی کبریائی بھرپور تھی، وہ ہر شئے پر رضاء الٰہی کو غالب رکھتے تھے، اگر اللہ کی راہ میں ان کو تلواروں کی باڑ پر اٹھایا جاتا تو بھی گوارا کر لیتے، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو اور حق تعالیٰ اور اس کے بندے ان سے راضی ہوں، بلاشبہ وہ ابرار میں سے تھے۔ (تبییض الصحیفہ مترجم سید غلام معین الدین ص۴۲)

ابوالجویریہ سے مروی ہے کہ انہوں نے متعدد بزرگوں کے نام گننے کے بعد فرمایا میں ان کی صحبتوں میں رہا ہوں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بھی رہا ہوں مگر ان میں سے کسی کو حضرت امام سے زیادہ احسن طریق پر رات گزارنے والا نہ پایا۔ بلاشبہ میں حضرت امام کی صحبت میں چھ ماہ رہا لیکن کبھی کسی پہلو پر آرام نہ کرتے دیکھا۔ (ایضاً ص۴۳)

تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ عامل، عالم، زاہد، متورع متقی، کثیر الخشوع اور اللہ کے حضور دائم التضرع تھے۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ وجیہ اور خوش رو تھے۔ (ایضاً ص ۳۵، ۳۶)

عبدالرزاق فرماتے تھے کہ میں جب بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تھا تو آپ کے رخسار اور آنکھوں سے گریہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ (ایضاً ص ۴۰)

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ سلف کی بے مثل یادگار تھے، اللہ کی قسم روئے زمین پر ان کا ثانی نہیں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ فقیہ تھے اور فقہ اور ورع کے ساتھ مشہور تھے۔ (مناقب ابوحنیفہ ص۵)

ابوجعفر رازی کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہ سے بڑا پرہیزگار اور کوئی نہیں پایا۔ (بغدادی)

علامہ ذہبی آپ کو الامام الاعظم، فقیہ عراق، امام، متورع، عالم، عامل، متقی، کبیر الشان لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ بڑی جماعت نے ان کی (ابوحنیفہ) کی تعریف کی اور ان کو صاحب فضیلت تسلیم کیا۔ (جامع البیان)

امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار استاد سے علم سیکھا اور حاصل کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے ان سب میں ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر صاحب ورع اور اپنی زبان کی حفاظت کرنیوالا اور کوئی نہیں دیکھا (موفق ج۱، ص۱۹۰)

ابراہیم بن عکرمہ المخزومی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر کسی کو متورع اور بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (خطیب ج۱۳، ص۳۴۷)

مولانا محمد بن اسحاق بن ندیم فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے کئی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور وہ متورعین اور زاہدین میں شمار ہوتے ہیں۔

امام خطیب ولی الدین بن محمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ عالم، عامل، نیک، زاہد، عابد، علوم شریعت کے امام تھے۔ (الاکمال)

حضرت علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

" اماموں کے امام اہل سنت وجماعت کے مقتدا، فقہاء کے شرف، علماء کی عزت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت خزاز رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا مجاہدوں اور عبادتوں میں قدم درست ہے اور آپ اس طریقت کے اصول میں بڑی شان رکھتے ہیں۔۔۔۔ آپ نے دو مرتبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ابوحنیفہ! تجھ کو میری سنت کے زندہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زندگی دی ہے، گوشہ نشینی کا قصد مت کر۔" (کشف المحجوب مترجم مولانا محمد حسین ص ۱۱۰، ۱۱۴)

حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور ومعروف کتاب تذکرۃ الاولیاء میں اٹھارویں باب کے شروع میں زیر عنوان حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کوں تحریر فرماتے ہیں:

"چراغ شرع و ملت شمع دین و دولت نعمان بن ثابت حقائق عیاں، جواہر معانی در دقائق، عارف عالم، صوفی امام جہاں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ جن کی صفت تمام زبانوں نے کی اور جو تمام ملتوں میں مقبول ہوئے، ان کی تعریف بھلا کون کرے، آپ ریاضت و مجاہدہ خلوت میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور اصولِ طریقت و فروعِ شریعت میں آپ کا درجہ نہایت رفیع تھا اور آپ کی نظر نہایت نافذ تھی۔ آپ نے بہت سے صحابہ اور مشائخ کو دیکھا تھا۔۔۔ جب آپ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کو آئے تو کہا "السلام علیکم یا سید المرسلین!" جواب ملا "وعلیکم السلام یا امام المسلمین!" (ترجمہ کشف المحجوب از ملک عنایت اللہ ص ۱۴۲)

نقل ہے کہ ایک شخص آپ کا مقروض تھا، اسی کے محلہ میں ایک شخص کی وفات کے سلسلہ میں گئے۔ تمازتِ آفتاب زوروں پر تھی اور وہاں اسی مقروض کے مکان کی دیوار علاوہ کوئی اور سایہ نہ تھا، آپ دھوپ میں کھڑے رہے، لوگوں نے کہا کہ دیوار کے سائے میں آجائیے! آپ نے فرمایا کہ اس مکان کے مالک پر میرا قرضہ ہے لہذا میں اس کی دیوار کے سایہ سے بھی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل قرض جر به النفع فهو ربا، میں اگر اس سے فائدہ حاصل کروں تو ربوٰا ہو سکتا ہے۔ (کتاب مذکور باختصار)

نقل ہے کہ ایک روز آپ بازار میں جا رہے تھے کہ آپ کے کپڑے پر معمولی مقدار مٹی وغیرہ لگ گئی۔ آپ نے اسے دریا پر جا کر دھو ڈالا، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے نجاست کی ایک معین مقدار کو جائز رکھا ہے تو پھر اس قدر مٹی کو کیوں دھوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ فتوٰے ہے اور یہ تقوٰے۔ (کتاب مذکور باختصار)

قاضی ابن خلکان شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے مناقب و فضائل کثرت سے ہیں:

لاشك في دينه ولا في ورعه وتحفظه — ان کے دین، پرہیزگاری اور تحفظ میں شک نہیں ہو سکتا۔

(اقوال صحیحہ ص ۵۴ بحوالہ وفیات الاعیان)

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

والله ما رأيت افضل ولا اورع ولا افقه منه — اللہ کی قسم میں نے آپ (حضرت امام ابوحنیفہ) سے بڑھ کر کسی کو فاضل، پرہیزگار اور فقیہ نہ دیکھا۔ (اقوال صحیحہ ص ۵۴)

ایک مرتبہ آپ نے کچھ سامانِ تجارت فروخت کرنے کے لئے حفص بن عبدالرحمٰن کو بھیجا اور ایک تھان کے بارے میں بتلایا کہ اس میں یہ نقص ہے گاہک کو بتلا دینا، لیکن ان کو بتلانا یاد نہ رہا اور گاہک کے بارے میں بھی یاد نہ رہا کہ کون تھا، آپ نے اس شبہ کے باعث مال کی تمام رقم صدقہ کر دی۔ (تبییض الصحیفہ اردو ص ۲۲)

طبری بذیل وقائع ۱۴۵؁ھ ۱۵۰؁ھ لکھتا ہے کہ اس کی توثیق یاقوت حموی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ (معجم البلدان جز ۴)

امیر المؤمنین منصور نے حکم دیا کہ کاریگروں اور مستریوں کو شام، موصل، جبال، کوفہ، واسط اور بصرہ سے جمع کیا جائے، چنانچہ یہ لوگ حاضر کر دئے گئے۔ پھر ایسے لوگوں کو متعین کرنے کا حکم دیا جو اپنی فضیلت، عدالت، دین کی سمجھ، امانت اور فنِ تعمیر میں مہارت رکھتے ہوں، چنانچہ جو حضرات لائے گئے ان میں حجاج بن ارطاۃ اور ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بھی تھے۔ پھر آپ نے شہر (بغداد) کی داغ بیل ڈالی، بنیادیں کھودنے، اینٹیں بنانے، چونا پکانے کا حکم دیا اور یہ کام شروع کر دیا گیا۔ پہلے پہل اس کام کی ابتداء ۱۴۵؁ھ میں ہوئی۔ (سیرت امام اعظم ابو حنیفہؒ)

غیر مقلد مولوی محمد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں :-

"آپ (امام ابو حنیفہ) بڑے عابد، زاہد، خدا ترس، متقی، پرہیزگار تھے، دل ہر وقت خوفِ الٰہی سے لبریز رہتا تھا اللہ کے حضور تضرع کرتے رہتے تھے، بہت کم بولتے تھے، بڑے سلیم الطبع، بلند اخلاق، پسندیدہ طبیعت، منکسر المزاج، ملنسار، بردبار، عالم باعمل اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ تقوٰے اور خوفِ خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر تھا، دیانت آپ کی مسلم تھی۔ (سبیل الرسول ص ۲۳۴)

سید نذیر حسین صاحب (اہلحدیثوں کے امام اور شیخ الکل) کے حالات میں مرقوم ہے کہ آپ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے، آپ کا مجتہد، متبع سنت، متقی، پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فضیلت کے لئے کافی ہے اور آیت " ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم " کی بشارت آپ کے لئے خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ (الحیات بعد الممات ص ۵۹۳)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں :-

" امام اعظم ابو حنیفہ کوفی ہمچنانکہ در علمِ دین منصبِ امامت دارد ہمچناں در زہد و عبادت امام سالکان است"
(تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۹۳)

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، کوفی علم دین میں جس طرح منصبِ امامت رکھتے ہیں اسی طرح زہد و عبادت میں سالکوں کے امام ہیں۔"

مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، حافظ عبد المنان صاحب اہلحدیث وزیرآبادی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حافظ صاحب ائمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین خصوصاً امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کرتا ہے، اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔ (مقام ابو حنیفہ ص ۱۴۸ بحوالہ تاریخ اہلحدیث ص ۴۳۷)

مولانا محمد ابراہیم صاحب اہلحدیث سیالکوٹی کو حضرت امام سے کچھ بدعقیدگی سی پیدا ہو گئی تھی، اس سلسلہ میں لکھتے ہیں" جب میں نے اس مسئلہ کے لئے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی

مذاق گردانی سے میرے دل میں کچھ غبار سا آگیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا، یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا "ظُلُمٰتٌ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ" کا نظارا ہو گیا۔ معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلماتِ استغفار کو دہرانا شروع کیا، وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسنِ عقیدت نہیں ہے، کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرینِ معارجِ قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے افتمارونہ علی ما یریٰ میں نے جو کچھ بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔ (تاریخِ اہلِ حدیث ص۷۶ بحوالہ مقامِ ابوحنیفہ ص۱۴۹)

مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی (اہلحدیث) حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں:۔

امامنا وسیدنا ابوحنیفۃ النعمان — ہمارے امام اور ہمارے سردار ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ

افاض اللہ علیہ شآبیب العفو والغفران۔ — اللہ تعالیٰ ان پر عفو و مغفرت کی موسلا دھار بارش نازل فرمائے۔ (معیار الحق ص۱۳)

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

"ان کا مجتہد ہونا اور متبعِ سنت اور متقی و پرہیزگار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں، اور آیہ کریمہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" زینت بخش مراتب ان کے لئے ہے۔" (مقام ابوحنیفہ بحوالہ معیار الحق ص۱۳۱ تاریخ اہلحدیث ص۷۷)

اولیاء فرماتے ہیں کہ امام اعظم و امام ابو یوسف سردارانِ اہلِ کشف و مشاہدہ ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱، ص۲۴۵ حنفی بریلوی)

امام شعرانی شافعی اپنے پیر و مرشد حضرت سید علی خواص شافعی سے راوی ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مدارک ایسے دقیق ہیں کہ اکابر اولیاء کشف کے سوا کسی کے علم کی رسائی وہاں تک معلوم نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱، ص۲۹)

امام اہلِ مشاہدہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ ماءِ مستعمل نجاستِ غلیظہ ہے کہ وہ اسے ان گندگیوں سے لتھڑا ہوا دیکھتے تھے تو انہیں اِس حکم کے سوا کیا گنجائش ہوتی، آدمی آنکھوں دیکھی بات کیسے رد کر دے، امام عبدالوہاب قدس سرہ کہ اکابر علمائے شافعیہ سے ہیں میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سردار حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو کہ وہ بھی شافعی ہیں، فرماتے سنا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مدارک باریک ہیں، قریب ہے کہ ان پر مطلع نہ ہوں مگر اکابر اولیاء اہلِ مشاہدہ ۔۔۔۔۔ امام صاحب لوگوں کا آبِ وضو دیکھتے بعینہٖ ان گناہوں کو پہچان لیتے جو دھل کر پانی میں گرے اور جدا جدا جان لیتے کہ یہ دھوون گناہِ کبیرہ کا ہے یا صغیرہ کا ۔۔۔۔۔ اور فرمایا ہم کو روایت پہنچی کہ وہ جامع مسجد کوفہ کے حوض پر تشریف لے گئے۔ ایک جوان وضو کر رہا تھا اور اس کا پانی جو ٹپکا امام صاحب نے اس پر نظر ڈالی، فرمایا، بیٹے، ماں باپ

کو ایذا دینے سے توبہ کر، اس نے توبہ کی۔ ایک شخص کا غسالہ دیکھ کر فرمایا، بھائی زنا سے توبہ کر، اس نے کہا میں نے توبہ کی۔۔۔۔ ایک اور کا غسالہ دیکھ کر فرمایا شراب پینے اور مزامیر سننے سے توبہ کر، اس نے کہا میں تائب ہوا۔۔۔۔۔ اللہ تعالےٰ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مقلدوں پر رحمت نازل فرمائے، انہوں نے چھوٹے چھوٹے حوضوں سے طہارت کو منع فرمایا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱، ص ۲۴۵)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ (امام ابو حنیفہ) کی پارسائی میں بہت سے طریقے ہیں اور آپ کے مناقب بے شمار ہیں، یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی، اور میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں، ملک شام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن کے روضہ پر سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو خواب میں مکہ معظمہ میں دیکھا، دیکھتا ہوں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی شیبہ کے دروازہ کے اندر تشریف لائے اور ایک بوڑھے کو مثل لڑکے کے بغل میں دبائے ہوئے قدم رنجہ فرما رہے ہیں، میں محبت کی رو سے دوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ میں تعجب میں تھا کہ وہ بوڑھا کون ہے، تب حضور علیہ السلام نے معجزانہ طاقت سے میرے باطن اور فکر پر اطلاع پائی۔ آپ نے فرمایا یہ تیرے امام ہیں اور تیری ولایت کے ہیں یعنی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ۔ اور مجھ کو اس خواب سے بڑی امید ہوئی اور اپنے شہر کے لوگوں پر بھی بڑی امید ہوئی۔۔۔۔۔۔۔ (پھر آگے لکھتے ہیں) جیسے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا صادر نہیں ہو سکتی ویسے ہی ان سے خطا صادر نہیں ہو سکتی۔" (کشف المحجوب اردو ترجمہ ص ۱۱۹)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا یہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں جو رات کو نہیں سوتے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا خدا کی قسم لوگ میری نسبت وہ بات کہیں جو میں نے نہیں کی۔ پس آپ تمام رات نماز و دعا و تضرع میں گزارتے۔ (اقوال صحیح، علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ ص ۱۵۸)

حضرت امام رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منصور ثانی امداد دینا چاہتا ہیں لیکن آپ انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

"امیر المؤمنین نے خود اپنے ذاتی مال سے کبھی کوئی چیز مجھے کبھی عطا نہیں فرمائی جسے میں نے واپس کیا ہو، مگر ہوتا یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے بیت المال سے مجھے دیتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے لینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے میدانِ جنگ میں اگر لڑائی کرتا تو سمجھتا کہ جیسے فوجیوں کو بیت المال پر حق ہے مجھے بھی اپنا حق ملا ہے۔ اسی طرح فوجیوں کے بال بچوں اہل و عیال کو ملتا ہے سو میں وہ بھی نہیں۔ اگر میرا شمار مسلمانوں کے نادار اور مفلس لوگوں میں ہوتا تو فقراء کی مد سے لینے کا حق مجھے ہوتا، لیکن بحمد اللہ میں محتاج و فقیر نہیں ہوں۔" (مناقب موفق ج ۱)

آپ کے کارندہ نے ایک دفعہ ایک کپڑا جس کی قیمت چار سو درہم تھی، ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ آپ کو معلوم ہو گیا تو خریدار کے پیچھے مدینہ منورہ جا کر چھ سو درہم واپس کئے۔ (ایضاً ج ۱)

ایک دفعہ آپ کے ملازم نے مالِ تجارت میں تیس ہزار روپیہ نفع کمایا مگر حضرت امام رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس میں کچھ خلل تھا آپ نے تمام رقم صدقہ کردی۔ (ایضاً)

ایک مرتبہ لوٹ مار کی بکریاں کوفہ آگئیں اور کوفہ کی بکریوں میں ان کا اختلاط ہوگیا تو آپ نے بکری کی عمر کے برابر یعنی قریباً سات سال تک کوفہ کی بکریوں کا گوشت کھانا ترک دیا۔ (ایضاً)

زہد و اتقاء اور خشیتِ الٰہی کی ان سے بہتر مثال کوئی پیش کرسکتا ہے؟ حضرت امام رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت پانچ کروڑ کی امانتیں آپ کے گھر موجود تھیں۔ (ایضاً)

حافظ محمد بن ابراہیم علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی فضیلت، عدالت، تقویٰ، امانت تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ (الروض الباسم ج ۱)

مذہبِ حنفی اور اس کی مقبولیت

ابن خسرو بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم علی بن حسین بن عبداللہ ثقفی سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں، میں نے ابوالقاسم بن برہان نحوی کو کہتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو فہم و فراست سے نوازا ہے وہ مذہب کے اعتبار سے ابوحنیفہ ہیں۔ (تبییض الصحیفہ ص ۴۳)

حضرت ابویوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لئے یہ اشعار موزون فرمائے:

حسبی من الخیرات ما اعددتہ ۔ یوم القیٰمۃ فی رضی الرحمٰن

دین النبی محمد خیر الوریٰ ۔ ثم اعتقادی مذہب النعمان

ترجمہ، "اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قیامت کے دن میرے اعمالنامہ میں یہ نیکی کافی ہوگی کہ میں سید عالم خیر الورےٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذہب پر میرا ایمان ہے۔" (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں،

"۔۔۔ ایسی مناسبت کیوجہ سے جو امام اعظم رضی اللہ عنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں جو کچھ کہ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ کہ وہ تقلید کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علمائے امت میں سے کسی کی تقلید کریں۔ تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کی مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہل اسلام کی بڑی اکثریت امام اعظم کی پیروی کرتی ہے۔ ان سب سے اللہ راضی ہو۔" (مکتوباتِ امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب نمبر ۵۵، ترجمہ اردو)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نوفل بن حیان نے وفات پائی تو میں نے خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہے تمام مخلوق حساب گاہ میں کھڑی ہے، میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حوض کے کنارے کھڑے ہیں۔ ایک سفید بالوں والے خوبصورت بوڑھے کو دیکھا کہ وہ حضور علیہ السلام کے رخساروں پر منہ رکھے ہوئے ہے اور آپ کے سامنے میں نے نوفل بن حیان رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب اس نے مجھے دیکھا تو میرے پاس آیا اور سلام کیا۔ میں نے کہا مجھے پانی پلاؤ۔ نوفل نے کہا میں پیغمبر علیہ السلام کی اجازت لے لوں۔ حضور علیہ السلام نے اسے اشارہ کیا کہ پانی پلاؤ، اس نے مجھے پانی پلایا اور میرے ماننے والوں کو بھی دیا، سب نے پی لیا لیکن اس پیالے کا پانی ویسے کا ویسا ہی رہا، اس میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ میں نے پوچھا اے نوفل! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف کون ہے جو بوڑھے آدمی ہیں تو اس نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور آپ کے بائیں پہلو پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں (کشف المحجوب، ترجمہ اردو، ص۱۱۵)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگ گمراہی کی بات پر متفق نہ ہوگے (ابوداؤد) ۔۔۔ سو ملاحظہ کریں کہ اللہ عزوجل نے مذہب حنفی کو اتنی وسعت دی کہ ہر زمانہ میں کلمہ پڑھنے والوں میں سب سے زیادہ تعداد حنفی مقلدوں ہی کی رہی اور ہمیشہ ہمیشہ عوام وخواص، علماء، مشائخ، اولیاء کرام، صوفیاء عظام ومحدثین بلکہ سلاطین تک نے حضرت سے اپنی نسبت باعث فخر تصور کی، آج بھی دنیا بھر کے سرکروڑ مسلمانوں میں سے قریباً پینتالیس کروڑ مسلمان حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور دنیا کے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ائمہ شافعیہ فرماتے ہیں کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مدارک ایسے دقیق ہیں جن کو اکابر اولیاء ہی پہچانتے ہیں۔ (فتاویٰ حنفیہ ج۱ ص۱۴۵)

حضرت امام شعرانی فرماتے ہیں:

"امام (ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) کا مذہب سب مذہبوں سے پہلے جمع کیا گیا اور سب سے اخیر ختم ہوگا جیسا کہ بعض اہل کشف نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو اپنے دین اور بندوں کے لئے امام پسند فرمایا۔ آپ کے مقلدین ہر زمانہ میں بڑھتے رہے ہیں اور قیامت تک بڑھتے رہیں گے۔" (اقوال صحیحہ ص۲۹۲)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جزء اول میں فرماتے ہیں:۔

"امام (ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) کے مقلدین دیگر تمام ائمہ کے مقلدین سے زیادہ ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع باقی انبیاء کے اتباع سے زیادہ ہیں اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اہل جنت کی دو تہائی ہوں گے اور حنفیہ بھی تمام مومنین کی دو تہائی ہیں، واللہ اعلم۔ (اقوال صحیحہ ص۲۹۳)

علامہ سید محمد مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ عقود الجواہر المنیفہ جزء اول میں فرماتے ہیں:۔

"امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب قیامت کے دن تک باقی ہے جیسے جیسے یہ مذہب پرانا ہوتا جاتا ہے اس کی برکت اور نور بڑھتا جاتا ہے۔ (اقوال صحیحہ ص۲۹۳)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں ؛

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمن البخاری واصحابہ ۔ (فیوض الحرمین)

مجھے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک طریقہ ہے کہ وہ زیادہ موافق ہے سنتِ نبوی مشہورہ کے جو جمع اور صاف کی گئی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے زمانہ میں ۔

مطلب یہ ہوا کہ حنفی مذہب عین رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے ۔

سخاوت و اخلاقِ کریمانہ

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی ذاتی آمدنی کا زیادہ تر صرف تعلیم کی اشاعت پر کیا ۔ طلباء میں سے جہاں کہیں جوہرِ قابل نظر آیا اسے فکرِ معاش سے بے فکر کر دیا یعنی ان کے ذاتی اخراجات ہی نہیں بلکہ ان کے خاندان تک کی کفالت خود فرمائی ۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی خوش بختوں میں سے تھے علامہ خطیب اور صدر الائمہ اپنی مسند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام اپنی ذاتی آمدنی سے ؛

فیشتری بھا حوائج الاشیاخ من المحدثین واقواتھم وکسوتھم وجمیع حوائجھم ۔

شیوخ محدثین کی ضروریات پوری کرتے تھے ، ان کی خوراک، لباس اور تمام ضروریات کی چیزیں ان کو خرید کر دیتے تھے ۔

اور امام صدر الائمہ روایت کرتے ہیں ؛

وما کان یدع احداً من المحدثین الا برہ بر واسعا (مناقب موفق ج ۱)

(امام ابوحنیفہ) محدثین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ چھوڑتے تھے جس کے ساتھ وسیع پیمانہ پر عطیہ اور حسنِ سلوک سے نہ پیش آتے ہوں ۔

ان حوالہ جات سے جہاں آپ کی فیاضی ظاہر ہو رہی ہے ، وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حدیث سے محدثوں سے کتنی محبت تھی ۔ آپ نہایت رحمدل ، دیانت دار ، عبادت گزار ، غیبت سے پرہیز کرنے والے ، ناروا الفاظ سے زبان روکنے والے اور متحمل مزاج تھے ، پوری زندگی بھر کسی پر لعنت نہیں کی ۔ بزرگوں کی تعظیم و تکریم کا یہ عالم کہ زندگی بھر اپنے استاد حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی طرف بھی پاؤں نہیں کئے ،

سخاوت و فیاضی کا یہ عالم کہ اپنے ملنے والوں میں سے کسی کو کبھی فقر میں مبتلا نہیں ہونے دیا ، اپنی آمدنی کا اکثر حصہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے پر ہی صرف کرتے تھے ۔ قرضداروں کا قرض معاف فرما دیتے ، مقروضوں کے قرض خود ادا فرما دیتے ۔

آپ کے لڑکے حضرت حماد علیہ الرحمۃ نے سورۂ فاتحہ ختم کی تو ان کے استاد کو پانسو درہم اور بروایتے ایک ہزار درہم عطا فرمائے اور فرمایا

یہ عظمتِ قرآن شریف کا اظہار ہے اور میرے پاس اس وقت اتنی رقم ہی تھی ورنہ اس سے بھی زیادہ ہدیہ پیش کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابراہیم بن عیینہ پر چار ہزار درہم سے زیادہ قرضہ تھا ۔ ان کے عزیزوں نے چندہ اکٹھا کر کے قرض اتارنا چاہا ۔ آپ کو علم ہوا تو تمام قرضہ خود اتار دیا اور کہا لوگوں سے جو کچھ لیا ہے واپس کر دو ۔ اگر کوئی شخص کوئی تحفہ پیش کرتا تو اس سے کئی گنا زیادہ اس کو دے چھوڑتے تھے اور فرماتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کی مکافات کرو اور اگر مکافات کے لئے کچھ نہ پاؤ تو اس کی تعریف و توصیف ہی کرو اور فرماتے یہ حدیث مجھے بہت پسند ہے ۔

وصال

بعہد امیر المؤمنین منصور ، بغداد میں نماز پڑھتے ہوئے بحالتِ سجدہ آپ کا انتقال ہوا ۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی ۔ آپ کی وفات سنہ ۱۵۰ھ میں (بروایتے ۲ شعبان) ہوئی ۔ قاضی شہر حسن بن عمارہ نے آپ کو غسل دیا ، نہلاتے جاتے اور کہتے واللہ تم سب سے بڑے فقیہ ، بڑے عابد ، بڑے زاہد تھے ۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں ، تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچیں ، علامہ ابن حجر مکی نے روایت کی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عالم کی رونق سنہ ۱۵۰ھ میں اٹھ جائے گی ۔ امام شمس الدین کردری نے فرمایا کہ اس حدیث سے مراد امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں کہ ان کا وصال سنہ ۱۵۰ھ میں ہوا ۔

(جواہر البیان ترجمہ الخیرات الحسان ص ۳۸)

نمازِ جنازہ میں پہلی مرتبہ پچاس ہزار افراد نے شرکت کی لیکن لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا حتی کہ چھ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی ۔ آخری مرتبہ نمازِ جنازہ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ ، آپ کے فرزند نے پڑھی ۔ خلیفہ منصور نے قبر پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ پڑھی ۔

(امام ابوحنیفہ ، از ابوزہرہ ص ۹۶)

مؤرخ خطیب کہتے ہیں کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کی نمازِ جنازہ پڑھتے رہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص و عوام میں آپ کی کتنی مقبولیت تھی ۔

خیزران کے مقبرہ میں جو عباسی خاندان کے خلفاء کے لئے مخصوص تھا اس میں آپ کو دفن کیا گیا ۔ خیزران ہارون رشید عباسی کی والدہ کا نام تھا جن کے نام سے قبرستان منسوب ہوا ۔

آپ کی وفات کے بارے میں مناقب النعمان جرنا میں اس طرح مرقوم ہے :

" امیر المؤمنین ابوجعفر نے امام ابوحنیفہ کو کوفہ سے بغداد بلایا تھا اور اپنے ہی پاس انہیں ٹھہرایا تھا ، کئی مرتبہ انہیں قاضی بنانا چاہا مگر وہ نرمی اور ادب کے ساتھ قسم قسم کے حیلوں سے ٹلاتے رہے تا آنکہ انہیں معاف رکھا گیا مگر حکم دیا کہ بارگاہ میں حاضر رہیں تاکہ مختلف شہروں سے جو علمی مسائل اور معاملات آئیں ان پر نگاہ ڈالیں اور مناسب احکام صادر کریں چنانچہ انہی کی خدمت میں وہ مستقل طور پر بغداد میں رہے ، آپ انہیں کوفہ واپس جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے تا آنکہ وہیں انہوں نے (ابوحنیفہ نے) وفات پائی ۔ (سیرۃ امام اعظم ابوحنیفہ ص ۱۰۶)

طبری کی ایک روایت کے مطابق منصور نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو قضاء اور مظالم کی داد رسی کی خدمت پیش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر منصور نے قسم کھائی کہ انہیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ کوئی خدمت انجام نہ دیں۔ امام ابو حنیفہ نے جب یہ خبر سنی تو انہوں نے ایک چھڑی منگوائی اور جس شخص نے اینٹیں بنائی تھیں اس کی اینٹیں گنیں، ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے چھڑی سے اینٹیں گنیں (یہ چھڑی ایک معیاری گز تھا جس سے پیمائش کر کے اینٹوں کی تعداد معلوم کی گئی، یہ حضرتِ امام کی ایجاد تھی) اس طرح انہوں نے ابو جعفر کی قسم پوری کر دی، پھر وہ بیمار پڑ گئے اور بغداد میں وفات پائی۔ (سیرۃ امام اعظم ابو حنیفہ ص ۱۲۶)

مروج الذہب تالیف مسعودی میں ہے:

"۱۵۰ھ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ...... انہوں نے لعہد المنصور بغداد میں وفات پائی۔ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں ان کا انتقال ہوا اور وہ اس وقت ستر برس کے تھے: (ایضاً)

ابن قتیبہ متوفی ۲۶۸ھ نے المعارف میں زیر عنوان "ابو حنیفہ صاحب الرائے" یوں لکھا ہے:۔

"آپ کی وفات بغداد میں ہوئی، رجب ۱۵۰ھ، اس وقت آپکی عمر ستر برس تھی اور مقابر خیزران میں دفن کئے گئے:" (ایضاً)

آپ کی وفات پر خواص و عوام نے نہایت رنج و غم کا اظہار کیا۔ محدث ابن جریج نے کہا کہ بے بڑا عالم جاتا رہا۔ شعبہ بن الحجاج جو آپ کے شیوخ میں سے تھے فرمایا کہ کوفہ میں اندھیرا چھا گیا، عبد اللہ بن مبارک نے قبر پر کھڑے ہو کر کہا "اے ابو حنیفہ اللہ آپ پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے، افسوس تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا ....

مشہد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، آپ کا مزار آج تک بوسہ گاہِ خلائق ہے۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر ایک قبہ اور قریب ہی مدرسہ تعمیر کرا دیا۔ بغداد میں یہ سب سے بڑا پہلا مدرسہ تھا۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ تمام بغداد میں مشہد ابو حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو۔

آج تک علماء و مشائخ و سلاطین اس مزار سے فیض حاصل کر رہے ہیں، اور نذریں پیش کرتے ہیں۔ سلطان ناصر الدین شاہ ایران اپنے حالاتِ سفر میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی۔ حضرت امامِ شافعی فرماتے ہیں کہ میں روزانہ حضرتِ امام کے مزار پر حاضری دیتا ہوں اور جب کوئی حاجت ہوتی ہے تو آپ کے وسیلہ سے دعا مانگتا ہوں تو حاجت پوری ہو جاتی ہے، بلکہ آپ کا فرمان ہے کہ حضرتِ امام کا مزار قضائے حاجات کے لئے تریاق ہے۔ احتراماً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار پر طریقِ حنفی کے مطابق نماز ادا فرماتے تھے۔

خطیب بغدادی اپنی سند میں ممویہ سے روایت کرتے ہیں (جو ابدال میں شمار ہوتے تھے) کہ میں نے محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا آپ پر کیا گزری؟ فرمانے لگے۔ اللہ تعالے نے مجھے فرمایا کہ میں نے تجھے علم کا ظرف اس لئے تو نہیں بنایا تھا

(باقی صفحہ ۵۷ پر)

کہ میں تجھے سزا دوں؟ میں نے کہا، تو ابو یوسف پر کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا وہ مجھ سے اوپر ہیں، تو میں نے پوچھا، ابو حنیفہ پر کیا گزری؟ تو انہوں نے فرمایا "فوق ابی یوسف" (بغدادی جو ۲، مقام ابو حنیفہ ص۱۵۰) وہ تو ابو یوسف سے بھی کئی درجہ بلند ہیں کہ سوالی طاش کبری زادہ، اور ابن عبدالبر یہ روایت یوں نقل کرتے ہیں، ابو حنیفہ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا "فی اعلیٰ علیین" (مفتاح السعادہ، الشفاء، مقام ابی حنیفہ ص۱۵۰) یعنی وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

شیخ الاسلام تاج سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء رابع میں امام ابوالفتح عامر بن الساوی علیہ الرحمۃ کا ایک طویل خواب بالاسناد ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے حرم شریف میں (کعبہ، ۱۴ شوال ۵۳۸ھ کو ظہر و عصر کے درمیان دیکھا تھا۔ اس میں سے مختصراً یہ ہے:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد ایک اور شخص آگیا، کہا گیا کہ یہ امام ابو حنیفہ ہیں، اور ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ امام صاحب نے سلام عرض کیا اور امام شافعی کے پہلو میں بیٹھ گئے اور کتاب سے اپنا مذہب و اعتقاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیش کیا، پھر امام صاحب کے بعد ہر ایک صاحب مذہب آیا یہاں تک کہ صرف تھوڑے باقی رہ گئے، جو شخص پڑھتا تھا وہ دوسرے کے پہلو میں بیٹھ جاتا تھا، جب فارغ ہو چکے تو اہل بدعت سے جنہیں رافضی کہتے ہیں، ایک شخص آیا، اس کے ہاتھ میں کچھ اجزاء بے جلد تھے جن میں اس کے باطلہ کا ذکر تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کو جھڑکا اور اجزاء لیکر حلقہ سے باہر پھینک دئے اور اس شخص کو نکال دیا اور ذلیل کیا۔"

(اقوال صحیحہ ص ۲۶۶)

اولاد حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک لخت جگر کا نام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے محترم استاد کے نام پر "حماد" رکھا تھا حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاکیزہ سیرت اور صاحب علم تھے۔ اپنے والد صاحب کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، ان کی اولاد سے چار لڑکے تھے جن کے نام حضرات عمر، اسمٰعیل، ابوحیان اور عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) تھے، آگے ان کی اولاد کافی پھیلی اور ان میں سے بڑے بڑے صاحب علم و فضل اور زاہد و پرہیزگار ہوئے۔ حضرت شاہ بو علی قلندر علیہ الرحمۃ پانی پتی حضرت امام کی اولاد سے تھے۔

جناب سید شرافت نوشاہی سجادہ نشین حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش ساہن پال شریف

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ

یہ مضمون دراصل حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ سجادہ نشین حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر مگر جامع تصنیف ہے جس کا نام القول المعظم فی مناقب الامام الاعظم ہے ادارہ آپ کا سپاس گزار ہے کہ آپ نے اسے من وعن چھاپنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ آپ ملک کے مایہ ناز ادیب، محقق، مورخ، نقاد اور صاحب حال بزرگ ہیں۔

آپ امام الائمہ، ائمہ اربعہ مجتہدین میں سے پہلے امام تھے۔ آپ کے علمی کمالات اور فقہی درجات کا کوئی شمار نہیں۔ حضرت مولانا ابو المجد شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف میں حضرت امام اعظم کے احوال اور فضائل و مناقب میں بہت کچھ لکھا ہے۔

حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ کے مناقبِ عالیہ اس قدر زیادہ ہیں کہ دوسرے ائمہ کے مناقب آپ کے مقابلہ میں عشر عشیر کی حیثیت نہیں رکھتے، ان میں سے کچھ مناقب شیخ شہاب الدین احمد بن الحجر مکی نے جو اپنے زمانہ کے اکابر علمائے شافعیہ میں سے تھے، ایک کتاب میں جمع کئے ہیں جس کا نام الخیرات الحسان فی مناقب النعمان رکھا ہے ہم اس میں سے کچھ نقل کرتے ہیں نیز صاحب مسند امام اعظم نے جو طبقات الحنفیہ سے ذکر کیا ہے اس سے بھی اقتباس پیش کرتے ہیں اور جامع الاصول کے حوالے سے آغاز تحریر کرتے ہیں۔

آپ ابو حنیفہ، ثابت کے بیٹے ہیں۔ ابن زوطی بن ماہ، امام فقیہ کوفی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام ہیں۔ آپ کا دادا زوطا اہل کابل سے تھا۔ بعض نے اہلِ بابل اور بعض نے اہلِ انبار سے بتایا ہے۔ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کا غلام تھا، آزاد کیا گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا ثابت اسلام میں پیدا ہوا اور اسمٰعیل بن حماد بن امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ہم اولادِ فارس میں سے ہیں اور آزاد ہیں، خدا کی قسم ہم پر کبھی غلامی واقع نہیں ہوئی، اور آپ کا نسب اس طرح بیان کرتے تھے: نعمان بن ثابت بن طاؤس بن ہرمز بن انوشیرواں عادل، اور صاحبِ طبقات نے آپ کا نسب سلاطینِ عجم بہرام، اسفندیار، دارا،

اور منو چہر سے ملا یا ہے۔ آپ کے دادا آپ کے والد کو حضرت علی کی خدمت میں لے گئے، انھوں نے برکت کی دعا دی۔

آپ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ صاحب جامع الاصول نے لکھا ہے کہ آپ درمیانہ قد، درازی مائل تھے۔ گندم گوں، روشن چہرہ، سب لوگوں سے خوبصورت، خوش کلام اور فصیح اللسان تھے۔ خدا کی نعمتوں سے معمور، بڑے سخی اور اپنے اقران سے نہایت خوش خلق۔ آپ عالم، زاہد، عابد، متورع، پرہیزگار، علوم شریعت میں برگزیدہ امام تھے۔ آپ کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں۔ آپ کسب کر کے روزی کماتے تھے۔ رزقِ حلال پیدا کرتے تھے اور اپنے استادوں کی جماعت پر صرف کرتے تھے اور لوگوں کے تحفے تحائف قبول نہیں کرتے تھے اور جب کبھی اپنے اہل وعیال کے لئے کوئی چیز خرید تے تو اپنے اساتذہ علماء کو بھی بھیجتے، اور جب نیا لباس پہنتے تو بھی اس کی مثل استادوں کو پہنچاتے۔ جب کوئی میوہ یا کھجوریں یا کوئی چیز اپنے یا اپنے عیال کے لئے لیتے تو جب تک شیوخ علماء کو بھی ویسی ہی چیزیں نہ دے لیتے خود استعمال نہ کرتے۔ آپ کلام نہیں کرتے تھے مگر جواب، بے مقصد باتوں میں کبھی غور وخوض نہ کرتے۔ آپ لباس عمدہ پہنتے، خوشبو کا بہت استعمال کرتے۔

آپ کے زہد وکرم اور سخاوت کے متعلق شفیق بن ابراہیم بلخی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا۔ ایک شخص نے دور سے آپ کو دیکھ لیا اور شرمندگی کے مارے راستہ چھوڑ دیا۔ جب آپ نے اس کو دیکھا تو بلا کر پوچھا کہ تو راستہ سے الگ کیوں ہو گیا؟ اس نے کہا کہ میں نے آپ کا دس ہزار درہم دینا ہے، بہت زیادہ مدت گزر چکی ہے کہ میں ادا نہیں کر سکا۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہاں تک بات پہنچ چکی ہے، جا میں نے سارا قرضہ تمہیں بخش دیا، جو کچھ مجھ کو دیکھ کر تیرے دل میں بات آگئی اسے معاف کر دینا۔ اس وقت میں نے جان لیا کہ آپ حقیقی زاہد ہیں۔

آپ نے کپڑا فروخت کرنے کے لئے ایک وکیل کو بھیجا، ان میں ایک کپڑا داغدار تھا۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ بیچنے کے وقت خریدار کو اس کا عیب بتا دینا۔ وہ سارا مال فروخت کر آیا اور اس کو وہ عیب بتانا بھول گیا جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے اس کپڑے کی ساری قیمت جو تیس ہزار درہم تھی، راہِ خدا میں صدقہ کر دی۔

آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور تیس سال تک متواتر روزے رکھے۔ آپ عام طور پر رات کو ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ جس جگہ پر آپ نے وفات پائی اس جگہ پر آپ نے زندگی میں سات ہزار قرآن ختم کیا تھا۔ آپ رمضان شریف کے مہینے میں روزانہ ایک قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے

عید کے روز دو ختم کرتے اور ہر سال حج کیا کرتے یہاں تک کہ پچپن حج کئے۔ جس وقت آپ نے اپنے بیٹے حماد کو استاد کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا، استاد نے اس کو لفظِ الحمد للہ پڑھایا تو آپ نے استاد کو پانچ سو درہم بھیجے۔

بعض اہلِ مناقب نے لکھا ہے کہ جب آپ نے حج کیا تو کعبہ شریف کے اندر نماز ادا کی، ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نصف قرآن پڑھا، باقی نصف قرآن دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو کر پڑھا اور اس طرح ختم کیا اور عرض کیا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی استعداد کے مطابق تجھے پہچانا اور تیری عبادت کا حق مجھ سے ادا نہیں ہو سکا، اسی وقت کعبہ شریف کے ایک گوشہ سے آواز آئی " تو نے اچھی پہچان کی اور خالص عبادت کی، ہم نے تجھ کو اور قیامت تک جو شخص تیرے مذہب پر ہوگا، سب کو بخش دیا۔

بعض اہلِ مناقب نے ذکر کیا ہے کہ آپ اس قدر روتے تھے کہ آپ کا رونا سُنکر آپ کے ہمسائے رحم کھاتے تھے اور سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ جب آپ مکہ شریف میں گئے تو آپ کے وقت میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو آپ سے زیادہ نماز پڑھتا ہو۔ آپ نماز میں کثرتِ قیام کی وجہ سے وَتد (میخ) مشہور ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں امام ابوحنیفہ کا ایک ہمسایہ تھا اس کی ایک لڑکی جب کبھی رات کو باہر نکلتی تو آپ کو قیامِ نوافل میں دیکھ کر سمجھتی کہ یہ کوئی درخت کھڑا ہے۔ جب آپ کی وفات ہو گئی تو اس نے اپنے والد سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ کے گھر میں ایک درخت تھا وہ کہاں گیا؟ وہ شخص رو پڑا اور کہا بیٹی! وہ درخت کاٹا گیا ہے (یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ وفات پا گئے ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ ایک روز آپ حجرہ میں تھے اور بھی بہت لوگ موجود تھے۔ وہاں ایک سانپ آگیا، سب لوگ بھاگ گئے، آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے، آپ کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا، آپ بڑے صابر، از حد حلیم الطبع، لوگوں کے ایذا دینے پر صبر کرتے اور اس کو برداشت کرتے تھے۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ حلیم الطبع کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ جب کبھی سنتے کہ فلاں شخص نے آپ کو برائی سے یاد کیا ہے تو آپ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتے اور فرماتے اے بھائی! اللہ تعالیٰ تجھ کو بخش دے، بیشک میں نے اللہ تعالےٰ کو وکیل کیا ہے وہ اس کے خلاف جانتا ہے جو تو نے بات کہی ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ حلم والا کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ ہم مسجد خیف میں تھے۔ ایک شخص چہرہ چھپائے ہوئے آیا اور آپ کو گالیاں دینے لگا، کافر اور زندیق کہا۔ آپ کے احباب اس کو

مارنے کے لئے اُٹھے مگر آپ نے منع کر دیا اور اس کو کہا، چلا جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ وکیع کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ بڑے امانت دار اور متحمل مزاج تھے، اللہ کے راستے میں آپ پر تلواریں بھی اُٹھتیں تو آپ برداشت کرتے۔ آپ کے زمانہ میں ایک بکری چوری ہو گئی۔ آپ نے پوچھا کہ بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا چار سال، آپ نے اتنی مدت تک گوشت کھانا چھوڑ دیا (کہ شاید کہیں وہی بکری نہ ذبح ہوئی ہو)

کتاب ربیع الابرار میں ہے کہ ایک مرتبہ جنگل والوں کی کوئی بکری کوفہ کی بکریوں میں مل گئی۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے سات سال تک گوشت کھانا ترک کر دیا۔

ابراہیم بن سعید جوہری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امیرالمؤمنین ہارون الرشید کے پاس تھا، قاضی ابویوسف وہاں آ گئے۔ خلیفہ نے کہا اے ابویوسف ہمارے پاس ابوحنیفہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ ابویوسف نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید یعنی انسان جو بات کہتا ہے اس کے پاس محافظ تیار بیٹھا ہوتا ہے، اور وہ ہر بات کرنے والے کی زبان کے پاس ہے (مطلب کہ میں جھوٹ نہیں بولتا سچ کہتا ہوں کہ) میرا علم امام ابوحنیفہ کے متعلق یہ ہے کہ آپ محرماتِ الٰہیہ سے بہت زیادہ بچنے والے تھے۔ اللہ تعالےٰ کے دین میں کلام کرنے میں شدید الورع تھے کہ کوئی ایسا کلام منہ سے نہ نکلے جس کا مجھے علم نہ ہو۔ اللہ کریم کی اطاعت کو دوست رکھتے تھے، دنیا داروں کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے، کسی اعلیٰ یا ادنیٰ چیز پر فخر نہ کرتے تھے، آپ کی خاموشی طویل ہوتی تھی۔ اپنے وسیع علم میں دائم الفکر تھے، بیہودہ گو نہ تھے، اگر کوئی مسئلہ آپ سے پوچھا جاتا، اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو آپ اس کا جواب دیتے ورنہ چپ رہتے، اپنے نفس اور دین کو بچانے والے، علم اور مال کو خرچ کرنے والے اور لوگوں کے مال سے مستغنی تھے، طمع کی طرف کبھی میل نہ کرتے کسی کی غیبت کرنے سے دور رہتے، جس کا ذکر کرتے بھلائی سے کرتے۔

ہارون الرشید نے کہا کہ یہ تو سب صالحین کے اخلاق ہیں۔ پھر کاتب کو کہا کہ یہ سب صفات لکھ لو اور میرے بیٹے کو پہنچاؤ کہ وہ ان کو دیکھے۔ پھر اپنے بیٹے کو کہا کہ اے فرزند یہ یاد کر لو جب تک کہ میں تجھ سے پوچھوں۔

معافی بن عمران موصلی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ میں دس خصلتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے اگر کسی انسان میں ایک صفت بھی ہو تو وہ اپنے قبیلہ کا سردار اور اپنی قوم کا رئیس ہوتا ہے یعنی وَرع، صدق، سخاوت، فقہ، لوگوں کی مدارات، سچی مروت، جو بات سنے قبول کرے، زیادہ چپ، بات کرنے میں پختگی، دوست ہو یا دشمن اس کی مدد کرنا۔

ایک شخص سفیان ثوری کے پاس آیا اور کہا کہ میں ابو حنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو انہوں نے کہا کہ اہلِ زمین میں سے جو شخص سب سے زیادہ عابد ہے تو اس کے پاس سے آیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ علم، ورع، زہد اور ایثار میں ایسے مقام پر ہیں کہ اس پر کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ ابنِ عیینہ نے کہا ہے کہ میری آنکھوں نے امام ابو حنیفہ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مناقب زہد، عبادت، ورع، تقویٰ اور حسنِ اخلاق وصفات میں بہت زیادہ اور پسندیدہ ہیں لیکن ہم یہاں آپ کے علمِ فقہ وحدیث کے متعلق کچھ چیزیں بیان کرتے ہیں۔ آپ کے زمانہ کے ائمہ اور متاخرین آپ کی مدح کرتے ہیں اور آپ کے علوِ شان اور بلندیٔ مرتبہ کا اقرار کرتے ہیں۔

امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کے متعلق امام مالک سے پوچھا کہ وہ کیسے تھے؟ امام مالک نے کہا کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ ستون کو کہہ دے کہ یہ سونے کا ہے تو دلائل سے اس کو ثابت کر دے۔ امام مالک نے یہاں آپ کی تیزیٔ فہم اور علمی ذہانت کو بہت بڑھ چڑھ کر بیان کیا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رازی سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا یا رسول اللہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ حضور نے فرمایا ابو حنیفہ کے علم کے پاس۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ کوئی شخص امام ابو حنیفہ سے زیادہ اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کی اقتدار کی جائے کیونکہ آپ امام، تقی، نقی، متورع، عالم اور فقیہ تھے۔ آپ نے علم کے رموز کا ایسا انکشاف کیا کہ کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ اور سفیان کے ساتھ میری مدد نہ کرتا تو میں دوسرے لوگوں یعنی عوام الناس کی طرح ہوتا۔ نیز کہتے ہیں کہ اگر میں نے ابو حنیفہ کو نہ دیکھا ہوتا تو میں فلاں فلاں میں سے ہوتا جو پیسوں کی بیع کرتے ہیں اور اگر ابو حنیفہ نہ ہوتے تو میں اہلِ بدعت سے ہو گیا ہوتا۔ جب کوئی مسئلہ عبداللہ بن مبارک سے پوچھا جاتا تو کہتے کہ عبداللہ بن مسعود نے اس طرح فرمایا ہے اور ابو حنیفہ نے اس طرح، لوگوں نے کہا کہ کیا تم ابو حنیفہ کو ابنِ مسعود کے ساتھ قرین بناتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اگر تم ابو حنیفہ کو دیکھتے تو ایک بہت بڑے شخص کو دیکھتے۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ علم اور پرہیزگاری اور دنیا سے زہد اور آخرت کی رغبت میں ایسے مقام پر ہیں، جس پر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کو منصور نے قضاء دینی چاہی، آپ نے انکار کیا اس نے آپ کو کوڑے لگوائے پھر بھی آپ نے قضاء قبول نہ کی۔ مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ معمر کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو فقہ میں بہتر کلام کرتا ہو اور قیاس میں صائب ہو

اور حدیث کی شرح کرنے میں سب سے اچھی معرفت رکھتا ہو۔

سلیمان کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ عجائب میں سے عجب تھے۔ خلف بن ایوب کہتے ہیں کہ علم خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ان سے صحابہ کی طرف آیا۔ ان سے تابعین تک آیا، ان سے ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب کی طرف آگیا۔ میری اس بات سے خواہ کوئی راضی رہے یا ناراض رہے۔

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابوحنیفہ کے سامنے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے باز کے سامنے چڑیاں، بے شک ابوحنیفہ سید العلماء یعنی عالموں کے سردار ہیں۔ اور سفیان کہتے ہیں کہ آپ تمام اہل زمین سے زیادہ فقیہ ہیں۔ جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ میں پانچ سال تک ابوحنیفہ کے پاس رہا، میں نے آپ سے زیادہ چپ رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا مگر جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ سیلاب کی طرح چلتے۔ اور کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ سب لوگوں سے زیادہ فقیہ ہیں میں نے فقہ میں آپ کی مثل نہیں دیکھا۔

ابن معین کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن القطان سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے ابوحنیفہ کی رائے سے زیادہ اچھی کوئی نہیں سنی اور بے شک ہم نے آپ کے اکثر اقوال لئے ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ سب لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے کئی لوگوں کو دیکھا پس میں نے کسی کو ابوحنیفہ سے زیادہ عقل والا اور زیادہ افضل اور زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا۔ کہتے ہیں کہ ائمہ تابعین میں سے چار ہزار اساتذہ سے ابوحنیفہ نے تلمذ کیا۔ اور امام المحدثین ابوحفص کبیر عمر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اصحاب ابوحنیفہ اور اصحاب شافعی کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ ہر ایک اپنے امام کو فضیلت دیتا تھا۔ ابوعبداللہ بن حفص کبیر نے کہا کہ امام شافعی کے اساتذہ کو شمار کرو وہ کتنے ہیں؛ جب شمار کئے تو اسی ہوئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ تم امام ابوحنیفہ کے مشائخ کو شمار کرو، شمار کئے گئے تو وہ چار ہزار ہوئے حالانکہ صرف اکابر اساتذہ کو شمار کیا گیا تھا۔ اور دیگر جن لوگوں سے آپ نے علم حاصل کیا ہے وہ شمار نہیں ہو سکتے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کے دس ہزار اساتذہ ہیں ان میں سے پانچسو ساٹھ مشائخ جو ائمہ مسلمین میں سے تھے، زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کے شاگرد جو رتبہ اجتہاد تک پہنچے ہیں وہ چھتیس ہیں اور پھر دارالسلام، آپ کے اصحاب، کتابوں اور شاگردوں سے بھر گیا اور کہتے ہیں کہ آپ کے سب شاگردوں کی تعداد چار ہزار تھی جو سب مسلمانوں میں امام تھے امام صاحب کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو آپ کوفہ کی مسجد میں بیٹھ جاتے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ایک ہزار شاگرد بیٹھے جن میں سے چالیس وہ تھے جو سب سے اجل اور افضل تھے اور اجتہاد کی حد کو پہنچے ہوتے تھے۔ آپ اپنے

قریب ان کو بٹھاتے اور فرماتے تم میرے اکابر احباب سے ہو۔ اس مسئلہ میں میری مدد کرو۔ لوگوں نے مجھ کو دوزخ کا پل بنا دیا ہے پس میرے غیر کے لئے تو راحت ہے اور میری پشت پر بوجھ ہے۔ ایسا ہی جب کبھی کوئی واقعہ پیش آتا تو آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مشورہ کرتے اور مناظرہ کرتے جو ان کو احادیث اور آثار سے علم ہوتا اس کو سنتے اور جو اپنے پاس دلائل ہوتے ان کو سناتے۔ ایک مہینہ یا اس سے زیادہ عرصہ تک مناظرے ہوتے رہتے یہاں تک کہ ایک قول مقرر ہو جاتا پس ابو یوسف اسے لکھ لیتے یہاں تک کہ اسی طریقہ پر تمام اصحاب کے مشورہ سے یہ فقہی اصول مقرر ہو گئے۔ آپ نے دوسرے اماموں کی طرح اکیلے ہی یہ اصول نہیں بنائے۔

عیون المسائل میں ہے کہ اگر امام ابو حنیفہؒ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو قرآن پاک کے چالیس ختم کرتے اور وہ مشکل آپ پر آسان ہو جاتی۔ آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شعر کو مدوّن کیا اور علم فقہ کو مرتب کیا جب آپ نے دیکھا کہ علم منتشر ہے۔ کہیں مخلوق اس کو ضائع نہ کر دے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ علماء کی موت سے علم اٹھ جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بے علم جہلاء وارث ہوتے ہیں تو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس لئے آپ نے علم کو مدوّن کیا اور اس کو ابواب پر منقسم کیا۔ طہارت سے شروع کیا پھر نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ساری عبادات اور معاملات کو باب وار لکھا اور مواریث پر ختم کیا جیسا کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں اسی طریقہ سے چلا آتا ہے۔ اس کے بعد علماء نے آپ کی اتباع کی اور کچھ کمی بیشی بھی کی اور الفاظ و عبارت میں تزئین و ترمیم کی۔ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مسائل کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچتی ہے اور آپ کے اصحاب کی کتابیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

سب سے پہلے آپ ہی نے کتاب الفرائض مقرر کی اور آپ ہی نے احکام کا استنباط کیا۔ اور اجتہاد کے قواعد اور اصولِ فقہ کو منضبط کیا۔ یہ سب کچھ آپ سے منقول و ماثور ہے۔ پھر آپ کے اصحاب نے اسے تحریر کیا اور ان کو قائم و مقرر کیا اور یہاں تک محنت کی کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔ کعب احبار سے روایت ہے کہ توریت جو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے اتاری تھی اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضرتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک نور ہوگا جس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی اور اس کا لقب سراج الامۃ ہوگا۔

شیخ عالم عارف باللہ خواجہ محمد پارسا نے اپنی تصانیف میں سے فصولِ ستہ میں نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب وہ ہے جس پر روح اللہ و کلمۃ اللہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال تک

عمل کریں گے اور آپ کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانیں گے

محقق جلال نے فرمایا ہے کہ ابوحنیفہ کے متعلق بروایت ابوہریرہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی

ہے اور فرمایا ہے لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجل او رجال من ابناء فارس رواہ

الشیخان۔ اگر ایمان ثریا کے پاس ہوگا تو ایک شخص یا کئی اشخاص، اولاد فارس میں سے اس کو لے آئیں گے۔

یہ حدیث ابوحنیفہ کی بشارت کے متعلق صحیح اور معتبر ہے اس میں آپ کی فضیلت تامہ بیان ہوئی ہے۔ اس

حدیث کی صحت پر سب متفق ہیں۔

شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کو تقدم زمانی حاصل تھا۔ آپ کے اصحاب قدمائے تابعین اور

تبع تابعین سے تھے جو علمائے اہل تقوی و ورع اور فقہائے معتبرین محققین میں سے تھے۔ دیگر ائمہ اہل مذاہب میں سے

کسی کے اس قدر اصحاب نہ تھے، آپ کے شاگردان رشید ان سب سے بہت زیادہ تھے۔ وہ کافی عرصہ تک اجتہاد

کرتے اور بحثیں کرتے رہتے تھے۔ تب مذہب کو مقرر کرتے تھے۔ ہمارا غالب یقین ہے کہ حق آپ کے ساتھ تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ متقی سے پوچھا۔ اے میرے سردار یہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے

بحث اور بیان کے طریقہ پر ہے یا کشف اور عیان کی وجہ سے؟ وہ چپ ہو گئے۔ پھر فرمایا۔ ہم نے ایسا ہی پایا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مذہب حنفی معقول اور منقول کا جامع ہے اور اصل بات

یہ ہے کہ یہ عقلی دلائل اور قیاسات جو ہمارے اصحاب نے بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینے کے لئے وارد کئے ہیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث قیاس کے مطابق ہو وہ اس حدیث سے جو قیاس کے خلاف ہو، بہت راجح

ہے جیسا کہ علم اصول فقہ میں مقرر ہو چکا ہے، یہ قیاس نص کے مقابلہ میں نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہ نے جن مشائخ سے حدیث سنی ہے ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے جو ائمہ تابعین میں سے

تھے اور جن لوگوں نے آپ سے حدیث سنی ہے وہ پانچسو کی تعداد میں تھے، ہاں آپ کا اشتغال فقہ اور اجتہاد

اور استنباط مسائل اور احکام میں حدیث کی درایت سے بہت زیادہ ہے۔ آپ پر اور آپ کے اصحاب پر فقہ

غالب تھی اور فقہ میں اشتغال کو آپ نے عوام و خواص مسلمانوں پر شفقت کی وجہ سے زیادہ اہم اور زیادہ لائق دیکھا

کیونکہ تبلیغ اور روایت ہر اس شخص کے لئے آسان ہے جو سماع و حفظ حدیث رکھتا ہو لیکن استنباط مسائل اور احادیث

میں کلام کرنا اور ان میں تطبیق دینا اور ناسخ و منسوخ کی پہچان کرنا، ہر ایک شخص کے لئے آسان نہیں اور نہ ہی ہر شخص

اس کا اہل ہے

بعض نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا روایت کرنے سے احتراز کرنا اس وجہ سے ہے کہ اکثر حدیثیں نقل بالمعنی کے طور پر مروی ہیں، آپ نے از راہ احتیاط ان کو چھوڑا ہے کہ کہیں ایسے الفاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منسوب نہ ہو جائیں جو آپ نے نہ فرمائے ہوں۔

حکایت کی گئی ہے کہ اعمش نے ابوحنیفہ سے کچھ مسائل پوچھے، آپ نے احادیث سے جواب دئے اس نے کہا اے فقہاء کی جماعت! تم لوگ طبیب ہو اور ہم لوگ عطار ہیں۔ حسن بن صالح کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ حدیث کے ناسخ اور منسوخ میں بہت جستجو کیا کرتے تھے تاکہ ناسخ اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کریں اور آپ اہل کوفہ میں سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے کسی مسئلہ میں آپ کی مخالفت نہیں کی مگر اس حالت میں کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ بھی آخر میں اسی طرف گئے ہیں اور جب کبھی میں کسی حدیث کی طرف مائل ہوتا تو دیکھتا کہ آپ اس حدیث کو مجھ سے زیادہ پرکھنے والے ہوتے۔ ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے حدیث کی شرح کرنے میں ابوحنیفہ سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا۔ ابوحنیفہ کے حدیث پر اعتماد کرنے پر جو بات دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ مرسل اور ضعیف حدیثوں اور صحابی کے قول پر بھی عمل کرتے تھے اور ان کو قیاس پر مقدم رکھتے تھے۔ حسن بن صالح کہتے ہیں کہ جب نعمان کے نزدیک کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاتی تو پھر اس کے سوا کسی دوسری طرف رجوع نہ کرتے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابوحنیفہ سے روایت کی ہے اور ان کو ثقہ کہا جاتا ہے وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جنہوں نے آپ کے متعلق کلام کیا ہے۔ جن لوگوں نے اہل حدیث میں سے آپ کے متعلق کلام کیا ہے وہ آپ کی رائے اور قیاس میں زیادہ انہماک کی وجہ سے کیا ہے اور یہ بات کوئی محل عیب نہیں بلکہ یہ آپ کی خلقت پر شفقت کے باعث ہے تاکہ ان کو آسانی پیدا ہو۔

شیخ عبدالحق کہتے ہیں ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جب شافعی نے بعض حدیثوں سے تمسک کیا ہے اور ابوحنیفہ نے ان سے تمسک نہیں کیا تو لوگوں نے گمان کیا کہ آپ کا مذہب احادیث کے خلاف ہے حالانکہ یہ احادیث جن پر آپ کا عمل ہے ان حدیثوں سے زیادہ صحیح اور زیادہ معتبر قوی ہیں جن سے شافعی نے تمسک کیا ہے اسی لئے ابوحنیفہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے چند ایسی احادیث بیان کی ہیں جن سے امام شافعی تمسک کرتے ہیں اور ان کے بعد وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن پر امام اعظم عمل کرتے ہیں اور وہ بہ نسبت پہلی حدیثوں کے از روئے سند زیادہ صحیح اور اقوی ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب صحیح احادیث پر مبنی ہے لہٰذا آپ کا مذہب حدیث کے مطابق ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ آپ کا مذہب اکثر مسئلوں میں امام احمد بن حنبل کے

موافق ہے جیسا کہ کتاب الخرقی سے ثابت ہوتا ہے اور اس کی شرح سے جو زرکشی نے کی ہے، ظاہر ہوتا ہے۔
بعض اہل حدیث نے کہا ہے کہ امام احمد نے ایک سو چھبیس مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے موافقت، اور امام شافعی سے مخالفت کی ہے۔ امام شافعی جب تک بغداد میں رہے تو امام ابوحنیفہ کے مذہب سے اختلاف کرتے رہے اور جب مصر میں چلے گئے تو بہت سارے مسئلوں سے رجوع کر لیا یعنی موافق ہو گئے۔

ابوحنیفہ تقلید صحابی کو واجب جانتے تھے اور اکثر اقسام حدیث کو قیاس پر مقدم رکھتے تھے بخلاف شافعی کے، اصول فقہ میں ثابت ہے کہ ابوحنیفہ کہتے تھے کہ صحابی کی تقلید واجب ہے اگرچہ ان سے قیاس اور اجتہاد سے ہو اور شافعی کہتے ہیں کہ صحابی بھی بندے ہیں اور ہم بھی بندے ہیں۔ اجتہاد میں ہم اور وہ برابر ہیں اور ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید مناسب نہیں۔ امام ابوحنیفہ سے نقل کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے پر فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں سوائے مروی اور ماثور کے فتوے نہیں دیتا۔ امام الحجۃ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو حدیث ہم کو حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پہنچے وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر، اور جو آثار ہم کو صحابہ سے پہنچیں۔ ان کو ہم اختیار کرتے ہیں اور ان کے قول سے ہم باہر نہیں جاتے اور جب تابعین سے کوئی بات ہے تو وہ اور ہم برابر ہیں، تحقیق حق میں ہم ان سے مزاحمت اور بحث کرتے ہیں۔

شیخ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کو جب کوئی حدیث پہنچتی تو آپ اس کا اتباع کرتے اور اگر صحابہ اور قدمائے تابعین سے بھی کوئی بات پہنچتی۔ اس کی بھی اقتدا کرتے، ورنہ اجتہاد کرتے اور رائے پر عمل کرتے اور جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو مع اپنے اصحاب کے کافی عرصہ تک اس میں بحثیں کرتے پھر جواب دیتے اور آپ کے اصحاب بہت بڑے ائمہ دین میں سے تھے اور اہل حدیث وفقہ و زہد اور ورع والے تھے۔ حافظ محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے تمام اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث خواہ ضعیف الاسناد ہو، قیاس اور اجتہاد سے بہت مقدم اور اولیٰ ہے۔ آپ مراسیل احادیث کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے ہیں بخلاف شافعی کے کہ وہ حدیث کے کئی اقسام پر قیاس کو مقدم رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے اعلیٰ مناقب میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ نے چند صحابہ کرام کی زیارت کی اور ان سے حدیثیں سنیں اور اجتہاد کیا اور فتوے دیا۔ ان کے نام یہ ہیں، انس بن مالک بصرہ میں، عبداللہ بن ابی اوفے کوفہ میں، سہل بن سعد ان مدینہ منورہ میں اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ مکہ مکرمہ میں۔

آپ کے سالِ ولادت میں یہ صحابی موجود تھے :۔

۱۔ انسؓ بن مالک متوفی ۹۱ھ ، یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ ، بصرہ

۲۔ عبد اللہؓ بن انیس الجہنی م ۹۴ھ ، کوفہ

۳۔ واثلہؓ بن الاسقع م ۸۵ھ یا ۸۶ھ ، دمشق

۴۔ عائشہؓ بنت عجرد رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۵۔ عبداللہ بن الحارث بن الجزء الزبیدی رضی اللہ عنہ م ۸۶ھ یا ۸۷ھ ، مصر

۶۔ عبداللہ بن ابی اوفےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ م ۸۶ھ یا ۸۷ھ ، کوفہ

۷۔ ابوالفضیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ م ۱۰۲ھ یا ۱۰۷ھ یا ۱۱۰ھ

۸۔ سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالےٰ عنہ م ۸۸ھ ، مدینہ طیبہ

۹۔ سائب بن خلاد بن سعید رضی اللہ تعالےٰ عنہ م ۹۱ھ یا ۹۶ھ

۱۰۔ سائب بن یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہ م ۹۶ھ ۔

۱۱۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ م ۹۶ھ

۱۲۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ۸۰ھ یا ۸۲ھ یا ۸۴ھ یا ۸۵ھ یا ۹۰ھ ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی فضیلت میں یہ بات کافی ہے کہ آپ صحابہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور بعض کو دیکھا خواہ ان سے حدیث سنی یا نہ سنی ۔ بہرکیف آپ اس طبقہ میں داخل ہیں جن کے حق میں وارد ہے طوبیٰ لمن رآنی ولمن رای من رآنی ۔ یہ حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کئی طریقوں سے صحیح ثابت ہے ۔ اور یہ آپ کی بزرگی اور امتیاز میں کافی ہے ۔

کتاب جامع الاصول میں ہے کہ اگر ہم امام ابوحنیفہ کے مناقب اور فضائل کو بیان کرنا چاہیں تو بڑی لمبی تقریر ہو جائے اور ہم اپنے اصل مقصد تک نہ پہنچ سکیں ۔ آپ کے حق میں اقوالِ مختلفہ بیان ہو چکے ہیں جن سے آپ کی جلالتِ قدر اور پاکیزگی ظاہر ہوتی ہے اور آپ کی پاکبازی کی صحت پر دلالت کرتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کے ذکر کو تمام جہان میں منتشر کر دیا ہے اور آپ کے علم سے زمین کو بھر دیا ہے ۔ لوگوں نے آپ کے مذہب پر عمل کرنے اور آپ کے قول اور فقہ کی طرف رجوع کرنے کو اپنا معمول بنا لیا ہے ۔ اگر اللہ تعالےٰ کا اس میں کوئی مخفی راز نہ ہوتا اور رضائے الٰہی آپ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو اہلِ اسلام آپ پر جمع نہ ہوتے اور آپ کی تقلید کرنے اور آپ کی رائے پر عمل کرنے

اور آپ کے مذہب کی پیروی کرنے کے قریب نہ جاسنے ۔ آج تک یہ سلسلہ رأمد ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ آپ کے صحتِ مذہب اور آپ کے عقیدہ کی صداقت کی دلیل ہے۔ امام ابوجعفر طحاوی نے جو آپ کے مذہب کے اکابر تبعین سے ہیں، ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام "عقیدۃ ابی حنیفہ" رکھا ہے۔ یہ اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔

واقعۂ وفات

قاضی ابوعبداللہ منبری نے بیان کیا ہے کہ مروان بن محمد الاموی کے زمانہ میں ابن ہبیرہ نے ابوحنیفہ کو کوفہ کا قاضی بنانا چاہا۔ آپ نے انکار کیا۔ ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ اگر آپ قبول نہ کریں گے تو میں ان کے سر پر کوڑے ماروںگا جب آپ کو یہ بات بتائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ دنیا میں مار پیٹ مجھے اس سے سہل ہے کہ مجھے آخرت میں لوہے کی زنجیریں پہنائی جائیں، خدا کی قسم میں یہ کام کبھی نہ کروں گا خواہ مجھے قتل کر دیا جائے۔ جب آپ کی یہ بات ابن ہبیرہ کو پہنچی تو اس نے آپ کو اپنے سامنے بلایا اور قسم کھائی کہ اگر آپ میرا کہنا نہ مانیں گے تو میں آپ کے سر پر اس قدر ماروں گا کہ آپ مرجائیں گے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ مرنا صرف ایک بار ہی ہے۔ ابن ہبیرہ نے حکم دیا تو آپ کے سر پر بیس کوڑے لگائے گئے۔ امام صاحب نے اسے کہا تو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کو یاد کر کیونکہ وہ میرے تمہارے سامنے کھڑا ہونے سے زیادہ ذلیل مقام ہوگا اور مجھے تہدید نہ کر کیونکہ میں لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا ہوں۔ آپ کو قید خانہ میں محبوس کیا گیا۔ رات کو خواب میں ابن ہبیرہ کو حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ اس کو فرمایا کیا تو اللہ تعالےٰ سے نہیں ڈرتا، تو میری امت کے ایسے شخص کو مارتا اور جھڑکتا ہے جو بے گناہ ہے پس اس نے آپ کو رہا کر دیا۔

اس کے بعد آپ منصور عباسی کے زمانہ میں پھر اسی بات پر مسئول ہوئے۔ منصور نے قضا کا منصب پیش کیا آپ نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا سچ پوچھو تو میں عہدۂ قضا کے لائق نہیں اور اگر جھوٹ بولوں تو جھوٹا آدمی قضا کے لائق نہیں ہوتا۔ آپ کو اس انکار کرنے پر توسے اور بقولے سو کوڑے لگائے گئے۔ منصور نے آپ کو ستو پینے کا حکم دیا، آپ نے انکار کیا، اس نے جبراً آپ کو پلائے، آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ منصور نے پوچھا کہاں چلے ہو؟ فرمایا اپنے دوست کی طرف یعنی موت کی طرف، کیونکہ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ مجھے زہر پلایا گیا ہے چنانچہ آپ نے قید خانہ میں بحالتِ سجدہ وفات پائی۔ آپ نے ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ رجب یا شعبان کا مہینہ تھا اور ایک قول کے مطابق نصف شوال تھی۔ آپ کو حسن بن عمارہ قاضی بغداد نے غسل دیا اور عبداللہ بن واقد الہروی پانی ڈالتے رہے۔

حضرت سماک کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو غسل کے وقت دیکھا آپ کے ماتھے پر لکھا تھا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ اور آپ کی دائیں ہتھیلی پر یہ لکھا تھا ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون، اور بائیں ہتھیلی پر یہ لکھا تھا یبشرھم ربھم برحمۃ منہ و رضوان و جنۃ لھم فیھا نعیم مقیم خالدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم۔ جب آپ کو غسل دے کر سریر پر رکھا گیا تو ہاتف سے آواز آئی کہ

یا قائم اللیل طویل القیام   یا صائم النھار خطیر الصیام
اباح لک ما تشرب من   جنۃ الخلد و دار السلام

آپ کے جنازے پر بے شمار خلقت جمع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ لوگوں کو ندا دی گئی ہو یہاں تک کہ پچاس ہزار اشخاص جمع ہو گئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ چھ مرتبہ پڑھی گئی، دفن کے بعد بیس روز تک آپ کے مزار پر جنازہ پڑھا جاتا رہا۔ آپ اپنی وصیت کے مطابق بغداد کے مقبرہ خیزران میں دفن ہوئے۔ دفن کے بعد تین رات تک یہ غیبی آواز لوگوں کو سنائی دیتی رہی کہ مقصود چلا گیا۔ تمہارے لئے اب فقہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے جانشین بن جاؤ۔

اسمٰعیل بن ابی رجار کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا ابو یوسف کہاں ہیں؟ کہا میرے اور ان کے درمیان زمین و آسمان جتنا فرق ہے۔ پھر میں نے پوچھا ابوحنیفہ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں آپ کے مزار کی اہل حاجات زیارت کرتے اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کے لئے آپ کے توسل سے دعا مانگتے۔

امام شافعی سے حکایت ہے کہ میں ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں۔ اگر مجھے کوئی حاجت پیش آئے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور آپ کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو بہت جلد وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ انہیں سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ شافعی نے آپ کی قبر کے پاس نمازِ فجر پڑھی اور اس میں قنوت نہ پڑھی۔ ان سے سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس قبر والے کے ادب کی وجہ سے نہیں پڑھی۔

ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ شافعی نے قرارت فجر میں بسم اللہ شریف با لجہر نہ پڑھی اور اس کی وجہ یہی بتائی کہ صاحبِ مزار کے ادب کی وجہ سے جہر نہیں کیا۔

امام صاحب کے تلامذہ

امام صاحب کے شاگردانِ رشید کثیر التعداد تھے۔ ان میں سے چند اکابر کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ امام قاضی ابو یوسف امام المسلمین، قاضی القضاۃ المؤمنین، صاحب فقہ و روایت۔

۲۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی ذوالفہم الماہر فی الفقہ واللسان۔

۳۔ امام ہذیل التمیمی العنبری ذوالذکار الباہر والعلم الطاہر۔

۴۔ امام حسن بن زیاد اللؤلوی، الفاضل الکامل الفقیہ۔

۵۔ امام حماد بن ابی حنیفہ علیہ الرحمۃ۔

۶۔ امام عبداللہ بن المبارک الرازی الفقیہ الکامل الماجد الورع الزاہد۔

۷۔ امام داؤد بن نصیر الطائی، ازھد الائمۃ راہب ھذہ الامۃ۔

۸۔ امام فضیل بن عیاض العالم الربانی امام الزھاد۔

۹۔ امام قاسم بن معن بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

یہاں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب تحصیل التعرف کا انتخاب ختم ہوا۔ اب چند اور فضائل و کمالات حضرتِ امامِ اعظم دوسرے بزرگوں کے ارشادات سے لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ مولانا غلام قادر شائق فاروقی نوشاہی رسول نگری کی بیاض میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں حضرت امام اعظم کے متعلق درج ہیں انہی کے الفاظ میں لکھی جاتی ہیں:۔

۱۔ وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آدم افتخر بی و انا افتخر برجل من امتی اسمہ نعمان و کنیتہ ابوحنیفۃ و ھو سراج امتی۔	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام میرے ساتھ فخر کرتے ہیں اور میں اپنی امت کے ایک شخص سے فخر کرتا ہوں جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہے وہ میری امت کے چراغ ہیں۔
۲۔ وعنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام	اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ

ان سائر الانبیاء یوم القیمۃ یفتخرون بی وانا افتخر بابی حنیفۃ من احبہ فقد احبنی و من ابغضہ فقد ابغضنی کذا فی شرح مقدمۃ ابی اللیث وقال فی الضیاء المعنوی قول ابن الجوزی انہ موضوع فانہ تعصب لانہ روی بطریق مختلفۃ (درمختار)

تمام انبیائے کرام قیامت کے دن میرے ساتھ فخر کریں گے اور میں ابوحنیفہ کے ساتھ فخر کروں گا جس شخص نے اس کو دوست رکھا پس بیشک اس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس نے اس کے ساتھ بغض رکھا پس بے شک اس نے میرے ساتھ بغض رکھا۔ اسی طرح ہے شرح مقدمہ ابی اللیث میں۔ اور ضیاء معنوی میں ہے کہ ابن الجوزی کا قول کہ یہ موضوع ہے۔ محض تعصب ہے کیونکہ یہ مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے (درمختار)

حضرت شیخ فرید الدین عطار اسی حدیث کی روشنی میں پند نامہ میں امام صاحب کی مدح میں لکھتے ہیں :۔

بوحنیفہ بُد امامِ باصفا آں سراجِ امتانِ مصطفےٰ

۲۔ آپ کا فضل و کمال اس قدر تھا کہ آپ جب مدینہ طیبہ میں حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ نے سلام دیا السلام علیک یا سید المرسلین، اندرون روضہ مبارکہ سے جواباً آواز آئی وعلیک السلام یا امام المسلمین۔

۳۔ حضرت امام اعظم کو خواب میں ننانوے مرتبہ بے کیف دیدارِ الٰہی کا شرف حاصل ہوا۔

۴۔ اجتہاد اور فتوے میں آپ کو یہ شان حاصل تھی کہ جو مسئلہ مفتیانِ وقت سے حاصل نہ ہو سکتا آپ فی الفور بلا تامل اس کو حل کر دیتے۔ یہاں دو واقعے درج کئے جاتے ہیں :۔

(۱) ایک مرتبہ ایک میاں بیوی آپس میں جھگڑے تو شوہر نے قسم اٹھائی کہ میں تجھ سے نہیں بولوں گا جب تک پہلے تو نہ میرے ساتھ بولے گی۔ عورت بھی غصہ سے بھری ہوئی تھی اس نے بھی انہی الفاظ میں قسم اٹھا دی کہ میں بھی تجھ سے اس وقت تک نہیں بولوں گی جب تک تو پہلے میرے ساتھ نہ بولے گا۔ کچھ وقت گزر جانے پر جب دونوں کا غصہ فرو ہوا تو آپس میں کلام کرنے کو جی چاہتا مگر قسمیں درمیان حائل ہو جاتیں وقت کے بڑے بڑے علماء کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہر صورت تم میں سے پہلے کسی نے تو کلام کرنا ہے اس لئے اس کو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا، آخر وہ اس مسئلہ کو حضرت امام اعظم کے

سامنے لائے۔ آپ نے واقعہ سُنکر اس مرد کو فرمایا، جا تُو اپنی بیوی سے بلا خوف باتیں کر، کوئی کفارہ نہیں، جب یہ فیصلہ دوسرے علماء نے سنا تو وہ اکٹھے ہو کر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے یہ کیسا غلط فیصلہ سنایا ہے۔ قسم توڑنے کا کفارہ از روئے قرآنِ کریم کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ حضرت امامِ اعظم نے فرمایا تم خوب غور کرو کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو مخاطب ہو کر قسم اٹھائی کہ میں تجھ سے نہیں بولوں گا جب تک تو پہلے نہ بولے گی۔ اس کے بعد جب بیوی نے یہی قسم اٹھائی کہ میں تجھ سے نہیں بولوں گی جب تک تو نہ بولے گا تو مرد کی قسم کے بعد عورت نے تو اس سے کلام کر لی اور اس سے مخاطب ہو گئی لہٰذا مرد کی قسم تو پوری ہو گئی۔ اب بیوی کی قسم باقی ہے، مرد اس سے کلام کرے تو اس کی قسم بھی پوری ہو جائے گی، یہاں کفارہ کیسا؟ سب علماء و ائمہ نے اعتراف کیا کہ جہاں آپ کا علم و عقل پہنچتا ہے وہاں تک ہماری رسائی نہیں۔

(۲) ایک مرتبہ یہ مسئلہ درپیش ہوا۔ کیا فرماتے دینِ مبین اس شخص کے حق میں جو کہتا ہے :-

۱۔ خدا کا مجھے ڈر نہیں۔ ۲۔ مجھے دوزخ کا کوئی خوف نہیں۔ ۳۔ میں بہشت سے کوئی توقع نہیں رکھتا۔ ۴۔ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے قول کو سچا سمجھتا ہوں۔ ۵۔ میں بغیر ذبح کئے گوشت کھاتا ہوں۔ ۶۔ میں بغیر رکوع و سجود کے نماز پڑھتا ہوں۔ ۷۔ فتنہ کو میں دوست رکھتا ہوں۔ ۸۔ مجھے جھوٹ سے محبت ہے۔ ۹۔ مجھے حق سے نفرت ہے...... کیا وہ شخص مسلمان ہے یا کافر؟ بینوا۔

جن علماء کے سامنے یہ استفتاء پیش ہوا ان سب نے کہا کہ وہ شخص کافر ہے، اس میں کوئی بات مسلمانوں والی نہیں ہے۔ مگر جب یہی مسئلہ حضرت امامِ اعظم کے پیش ہوا تو آپ نے غور سے پڑھ کر فرمایا کہ میرے نزدیک وہ شخص پکا مسلمان ہے اور اس کی ان باتوں سے مراد یہ ہے :-

۱۔ ہمیشہ ظالم کے ظلم کا ڈر ہوتا ہے۔ چونکہ وہ شخص خدا کو ظالم نہیں سمجھتا، عادل سمجھتا ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ مجھے ڈر نہیں۔

۲۔ دوزخ کو مضر بالذات نہیں سمجھتا، اس میں جو کچھ تکلیف ہوتی ہے خدا کے حکم سے ہوتی ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ مجھے دوزخ کا کوئی خوف نہیں۔

۳۔ بہشت چونکہ اپنے طور پر کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا حکمِ الٰہی کے تابع ہے اس لئے وہ شخص کہتا ہے کہ میں بہشت سے کوئی توقع نہیں رکھتا، وہ خدا سے توقع رکھتا ہے۔

۴۔ یہودیوں کا قول قالت الیھود لیست النصاریٰ علیٰ شیئ یعنی عیسائی کچھ نہیں اور عیسائیوں

کا قول وقالت النصاریٰ لیست الیہود علیٰ شیئ یعنی یہودی کچھ نہیں ان دونوں کے اقوال کو جو ایک دوسرے کے حق میں کہتے ہیں وہ شخص سچا سمجھتا ہے کہ واقعی وہ دونوں کچھ نہیں۔

۵۔ بغیر ذبیحہ گوشت کھانے سے اس کی مراد مچھلی کا گوشت ہے۔

۶۔ بغیر رکوع و سجود نماز پڑھنے سے اس کی مراد نماز جنازہ ہے۔

۷۔ فتنہ کو دوست رکھنے سے اس کی مراد مال اور اولاد کو دوست رکھنا ہے کیونکہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔

۸۔ جھوٹ سے محبت کرنے سے اس کی مراد دنیا سے محبت ہے کہ الدنیا زور دنیا جھوٹی ہے۔

۹۔ حق سے نفرت کرنے سے مراد موت سے نفرت ہے۔

بہرحال وہ شخص مسلمان ہے۔ اس میں کفر کی کوئی بات نہیں، سب علمار نے آپ کا یہ فیصلہ پسند کیا۔

(الاشباہ والنظائر قلمی)

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

غلام مصطفیٰ مصطفوی

عشق نام ہے اس جذبہ صالح کا کہ جو محبت بے ریا کے قلب باصفا میں جب پیدا ہوتا ہے تو وہ کوئی بات ایسی نہیں کرتا جس سے اس کے محبوب باوقار کا دل دکھے اور نہ ہی ایسا کوئی عمل اس سے سرزد ہوتا ہے جس سے اس کے محبوب کا سر ندامت سے جھک جائے۔ ہمارا مطلب عشقِ صادق سے ہے جو پاک صاف دلوں میں مصفّٰی اور ممتاز دانع ہستی کے لئے جاگزیں ہوتا ہے۔ اس جذبہ رفیع الدرجہ کو خلیل جبران نے نورانی کلمہ سے تعبیر کیا ہے کہ جسے نورانی ہاتھوں نے نورانی کاغذ پہ رقم کیا عشق زندگی ہے اور زندگی بھی ایسی کہ غیر فانی اور دوام عشق کا دور دورہ ہر جا ہر ساعت اور ہر نفس میں نظر آتا ہے بقول علامہ اقبال

بہ باغاں باد فروردیں دہد عشق ؎ براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق !
شعاعِ مہر او قلزم شگاف است ؎ بہ ماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق

علامہ صاحب تو اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ؎

در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق ؎ ابنِ آدم سِرّ از اسرارِ عشق

عشق کے بھی کئی مفہوم ہیں، ایک عشق وہ ہے جسے غایتی "Teleological" عمل کہتے ہیں، ہے۔ اس کی رُو سے دماغی قوت بتدریج حسنِ ازلی کی جانب بڑھتی ہے۔ یہی قوت ہر نفسِ زندہ میں کارفرما نظر آتی ہے۔ جانوروں اور حیوانوں میں اسے جبلت (INSTINCT) کا نام دیا جا سکتا ہے جبکہ انسانوں میں یہ "شعور" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ ابنِ سینا کا قول ہے کہ عشق ایسا جذبہ ہے جو کائنات کی ہر شے میں جاری و ساری ہے اور درجہ بدرجہ ہر شے محبوب ازل یعنی حسنِ ازل کی طرف برابر گامزن ہے۔

عشق کا دوسرا مفہوم علمیاتی (EPISTEMOLOGICAL) کہلاتا ہے۔ اس میں عرفان پر اصرار کیا جاتا ہے۔ ظاہر و باطن کی تمیز پر خاصا دھیان دیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر اس میں یہ تصور کارفرما ہے کہ انسان جسم کی قید میں پھنسا ہوا ہے، اس سے آزادی کی خاطر مذاہبِ باطلہ میں مختلف قسم کی رسومات اور ریاضات کا ظہور عمل میں لایا گیا۔ یہی رسومات و ریاضات جب ہمارے صوفیائے کرام نے اپنائیں تو وہ اسلام کے سانچے میں ایک نئے ڈھنگ سے ڈھل گئیں۔ عرفان نام ہے اس مشاہدہ کا جو جمال خدائے برتر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے انسان کو لازوال مسرت، بے پایاں یقینِ محکم اور خدائی صفات کا احساس بے حساب ہوتا ہے۔ یہی چیز انسان

کو جذبۂ عمل پر ابھارتی ہے ، بقول داغ ؎

عشق نعمت ہے آدمی کے لئے عشق جنت ہے آدمی کے لئے

یہ علیحدہ بات ہے کہ گوتم بدھ نروان حاصل کرنے کے لئے سب کچھ چھوڑ کر جنگلوں کو نکل گیا مگر اسلام اس بے عملی سے کوسوں دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی اواگون کے چکر سے نجات کی خاطر مکتی اور نروان حاصل کیا جاتا ہے ، عیسائیت راہبانہ زندگی کو ایک اعلیٰ اور مقبولِ بارگاہ زندگی سے موسوم کرتے ہیں لیکن اسلام کا اعلان ہے کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں دیگر مذاہب کی طرح نفیِ وجود نہیں بلکہ اثباتِ وجود ہے۔ اس میں اپنے وجود کو پانا ہی خدائے تعالیٰ کو پانا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عاشق یا محب کا بے عمل ہونا یا ہاتھ توڑ کر بیٹھ جانا یا دوسروں کے سہارے جینا ایک برائی تصور کیا جاتا ہے ؎

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

عشق ازل سے ہے اور ابد تک اس کی کارفرمائیاں جاری رہیں گی جب یہ ازل سے ہے تو لازم آیا کہ ازل سے وہ قائم ہے وہ بھی اس لذت سے آشنا ہوگا اور اس نے بھی اپنے لئے کوئی محبوب چن لیا ہوگا ، ہاں کیوں نہیں ، چونکہ وہ خود جمیل ہے اس لئے اس نے جمیل کے جمال کو پسند کیا۔ اس نے تو یہاں تک فرما دیا کہ لولاک لما خلقت الخ " اے محبوبِ باری اگر آپ کی ذات نہ ہوتی تو میں خلقت کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا " یعنی محبوب اتنا پیارا ہے کہ محب اس کے ظہور کی خاطر دنیائے رنگا رنگ کی تخلیق فرماتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عشق اس حد تک پُرخلوص ہے کہ اگر محبوب کی تخلیق نہ ہوتی تو محب بھی ظاہر نہ ہوتا۔ سبحان اللہ! اس محبوب پاک کے ایک امتی محب جناب اعلیٰحضرت نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

رب العزت کو اپنے محبوب سے اتنا عشق ہے کہ وہ اپنے محبوبِ پاک پر خود درود و سلام بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے نوری فرشتے بھی خدا تعالیٰ کی اس ضمن میں پیروی کرتے ہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو بھی حکم ملتا ہے کہ وہ بھی اس سنت اللہ کو اپنائیں۔ خالقِ کائنات کا یہ اعلان کہ ہم نے اپنے محبوب کا ذکر بلند کیا ، عشقِ الٰہی کا بیّن ثبوت ہے۔

یہ بھی دستور ہے کہ محب اپنے محبوب کو مختلف پیارے پیارے القاب سے نوازتا ہے اور یہ بات بھی محب کے عشقِ پختہ کی علامت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب کو کہیں طٰہٰ ، تو کبھی یٰسٓ ، کبھی یا ایہا المزمل تو کبھی یا ایہا المدثر ، پھر کسی جگہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین تو کسی جگہ خاتم النبیین

جیسے پُر نور، اور دلکش اور دلربا القاب سے یاد فرماتا ہے۔ بات یہاں ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ آپ کو غیب کی خبریں بتانے والا، حاضر و ناظر، خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا، اللہ کی جانب بلانے والا، چمکا دینے والا آفتاب فرمایا۔

یہ بھی دستور ہے کہ محبوب کے دشمنوں کو محب، اپنا دشمن تصور کرتا ہے۔ یہاں ابی لہب کے ہاتھوں سید عالم کو زک پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ شانِ جلالی کے اظہار میں تبت یدا ابی لھب وتب کہہ دیتا ہے "ٹوٹ جائیں ہاتھ ابی لہب کے اور وہ تباہ ہوگیا"۔ اگر کسی دشمنِ رسول نے آپ کو اولادِ نرینہ کے نہ بچنے کا طعنہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے غیظ و غضب میں فرمایا کہ وہ خود نامراد ہے۔ پھر آپ کو عطائے کوثر کی خوشخبری دی۔ پھر آپ کو مقامِ محمود پر سرفراز فرمایا۔ جب خدا تعالیٰ اپنے محبوب کو بلا حجاب نعمتِ دیدار سے نوازنا چاہتا ہے تو فوراً فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل کو آپ کی خدمتِ اقدس میں روانہ کر دیتا ہے اور آپ کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجدِ اقصیٰ اور وہاں سے عرشِ بریں کے سب سے بلند کنارہ پر اور پھر سدرۃ المنتہیٰ لایا جاتا ہے۔ اور آپس کا فاصلہ دو ہاتھ یا اس سے بھی کم رہ جاتا ہے۔

یہ بات بھی عام ہے کہ جب کوئی شخص کسی مصیبت میں پھنسا ہو تو وہ ایسے شخص کی سفارش ڈھونڈتا ہے جس کی سفارش حاکم رد نہ کر سکے۔ حضرت آدم صفی اللہ سے لغزش ہوتی ہے تو رب العزت کو محبوبِ دو عالم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دے کر بخشش کے طلبگار ہوتے ہیں، حضرت نوح کا سفینۂ جان ہوا غضبناک طوفانی لہروں کی لپیٹ میں آجاتا ہے تو فوراً محبوبِ باری کا واسطہ دیکر نجات حاصل کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب نمرودِ بدخصال، آتشِ حیات سوز میں ڈال دیتا ہے تو خلیل اللہ وہی محبوب مقبولِ بارگاہِ عزیز کا واسطہ دیتے ہیں اور آگ ایک چمن زار کا روپ دھار لیتی ہے، اسی لئے کہنا پڑتا ہے کہ ؎

دِل زعشقِ او توانا می شود   خاک ہم دوشِ ثریا می شود

اسی ذاتِ مبارک کی خاطر تو حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ نے دیوارِ کعبہ بلند کرنے کے بعد حق سبحانہ سے دعا مانگی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ توریت میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت رقم ہے۔ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ تو حضرت احمدِ مجتبیٰ کا امتی ہونے کا شرف حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ؎

طور موجے از غبارِ خانہ اش   کعبہ را بیت الحرام کاشانہ اش

اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ؎

خدا جے پکڑے چھڈائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)   محمد دے پکڑے چھڈا کوئی نہیں سکدا

تو کس کو انکار ہو سکتا ہے؟

اس ضمن میں محبوبِ حق نے درجِ ذیل فرمان ارشاد کیا ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

(بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ نے کہ تم میں کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ اپنے والد سے بھی زیادہ اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اور سب آدمیوں سے بھی زیادہ، ؎

محمد ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان ومال واولاد سے پیارا

خدائے واحد کے مقبول بندے اس بات کا خاص اہتمام کرتے ہیں کہ وہ بھی اسی ہستی یا شئے سے عشق رکھیں جس سے کہ خود رب العالمین رکھتا ہے۔ امت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالتحقیق چار اصحاب کو جملہ مومنین پر فوقیت حاصل ہے۔ ان اصحاب باوقار و بااخلاص کو بھی محبوبِ سبحان، سے ویسا ہی عشق ہے جیسا خود ذاتِ احد و صمد کو ۔ یہ عشق ہی تھا جس نے حضرت ابوبکر صدیق کو بغیر دیکھے اور دریافت کئے ابوجہل کے روبرو محب اور محبوب یعنی خالقِ کائنات کی ملاقات بر عرشِ بریں آمنّا وصدّقنا کہنا پڑا۔ یہ عشق ہی تھا جس نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرتِ صدیق سے گھر کا سارا اثاثہ محبوبِ صمدی کے قدم مبارک میں ڈھیر کر دیا اور کہلوایا کہ ؎

پروانے کو چراغ اور بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اسی عشق کی بنا پر صدیقِ اکبر کو ہجرت کے موقعہ پر اپنے محبوبِ مکرم کے ساتھ رنج وغم برداشت کرنا پڑا ۔ یہ عشقِ مصطفےٰ ہی تھا کہ اپنی حکومت میں پہلا کام یہ کیا کہ باوجود سخت مخالفت کے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ کیا، پھر مانعینِ زکوٰۃ اور کاذب مدعیانِ نبوت کا قلع قمع عشقِ مصطفےٰ ہی کا نتیجہ تو تھا ۔ اور پھر عشق کا انجام کتنا حسین ہے کہ مالکِ موت وحیات نے پردہ پوشی کے بعد محب کو محبوب کے پہلو میں ہی سلا دیا کہ ان سے جدائی کا صدمہ برداشت نہ ہو سکے گا حضرت ابوبکرؓ کے یہ اشعار قابلِ توجہ ہیں ؎

حضرتِ عمرؓ تو یہیں ہی اسی عشق کی بنا پر فاروق کہ انہوں نے حضورِ پُر نور کے عشق کے خلوص اور کفار ومشرکینِ عرب کی مخالفت و

نصرت وحسد کا فرق پالیا۔ یہ ان کا عشق ہی تھا کہ ایک شخص کو اس بنا پر قتل کر ڈالا کہ وہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے فیصلہ سننے کے بعد ان کے پاس فیصلہ کی خاطر کیوں آیا؟ یہ شدید عشقِ محمدی ہی تھا کہ آپ کے وصال مبارک کے موقعہ پر تلوار بے نیام لیکر باہر نکل آئے اور فرمایا کہ جس نے کہا کہ میرے آقا ومحبوب ازجاں انتقال فرما گئے ہیں تو میں اسے تہ تیغ کر ڈالوں گا۔ اور یہ عشقِ رسول ہی تھا کہ باوجود فرزند ارجمند کے شکوہ کے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو زیادہ مالِ غنیمت، اعلیٰ پوشاک اور بہتر عزت وعظمت دی آپ کے عشق کی شدت بالآخر شہادت کے بعد آپ کو رسولِ مقبول کے پہلو میں لے گئی کہ اپنے آقا سے دوری کسی طور برداشت نہ ہو سکی، آپ کے عشق کا اظہار ملاحظہ کریں ؎

حضرت عثمان ذوالنورین کا عشقِ رسول کسی سے ڈھکا چھپا نہیں کہ غیر بھی معترف ہیں۔ آپ نے اپنے آقا کے ایک خفیف اشارے پر دامے، درمے، قدمے اور سخنے ہر وقت مسلمانوں کی اعانت کی اور راہِ خدا ورسول میں بے بہا دولت نثار کی، جب کفارِ مکہ کی جانب آپ بطور سفیرِ اسلام تشریف لے گئے تو آپ کو طوافِ کعبہ کرنے کی پیشکش کی گئی جسے آپ نے عشقِ رسول کی بنا پر اس لئے ٹھکرا دیا کہ "لا اطوف قبل النبی" یہ عشقِ رسول ہی تھا کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں مسلمانوں میں اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے شہادت تو قبول کر لی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ اسلام یا مسلمانوں میں کسی قسم کی رخنہ اندازی یا قتل وغارت رونما ہو کیونکہ آپ کو عشقِ رسول نے سمجھا دیا تھا کہ اگر ایک مرتبہ تلوار نیام سے باہر نکل آئی تو پھر قیامت تک مسلمان باہم متحد نہ ہو سکیں گے۔

حضرت علی میں عشقِ رسول کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنے آقائے محترم کی جانب سے ابوتراب کی کنیت ملنے پر فخر کیا کرتے تھے حضرت شیرِ خدا کا بچپن میں رسولِ مقبول کے حق میں تمام خاندان کے سامنے نعرۂ حق بلند کرنا عشقِ رسول ہی تو تھا، ہجرت کی رات اپنے آقا کے بستر مبارک پر سو کر موت کو دعوت دینا عشقِ رسول ہی تو تھا، پس ثابت ہوا کہ ؎

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

یہ ایک تسلیم شدہ اصول ہے کہ امتِ محمدیہ میں کوئی شخص اس وقت تک متقی و پارسا، فقیہ و عالم باعمل، ولی کامل و پیر باصفا یعنی دینی امور میں اعلیٰ مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ہر اس چیز پر عمل نہ کرے جس کا رب ذوالجلال والاکرام نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے یا رسولِ کریم نے خود کر کے دکھایا ہو، اور ان کے اصحابِ کرام (جن کو ستاروں کی مانند قرار دیا

گیا ہے کہ جس ستارہ کی متابعت کرو، منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے) نے اس عمل کو جاری رکھا ہو۔ ان سب باتوں میں عشقِ رسول کا درجہ اوّل نمبر پر آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خاتم النبیین سے قبل مبعوث کئے گئے پیغمبران اور صحابہ کرام نے حضور رسول اکرم سے بے پناہ عشق و محبت کا اظہار کیا ہے تو پس لازم ٹھہرا کہ اس امت میں جو بھی کسی دینی عہدے پر فائز ہو گا اس کے لئے عشقِ رسول اولین ضرورت ہو گی، بقولِ اقبال ؎

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست　　　　بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

مندرجہ بالا حقائق، اصولوں اور عقائد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آیئے ذرا چراغِ ملت، مصباحِ شریعت، شمع دولت اور سراجِ دین حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ پر طائرانہ نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان میں اولین وصف (عشق) بدرجہ اتم موجود ہے یا نہیں۔

ایک بات کا تذکرہ یہاں بے محل نہ ہو گا کہ آج کل کئی بے تکے شاعروں، بے صدق ادیبوں نے عشق کے مفہوم کو بدل ڈالا ہے۔ ہماری فلموں، ڈراموں، کہانیوں اور شعروں میں عشق کو جس طریق سے پیش کیا جا رہا ہے اس سے عشق کی ہیٹی تو ضرور ہوتی ہے البتہ کوئی عظمت نظر نہیں آتی۔ اور ہوس کو عشق کا نام دے دیا گیا ہے۔ پھر ہماری سڑکوں اور باغوں میں ننگ دھڑنگ، عشق سے ناواقف، نشوں کے مارے ہوئے، کاندھوں تک بال بڑھائے، سیروں بدبو دار غلاظت بدن پر چڑھائے، ڈھیروں گالیاں بکتے آپ کو عام نظر آتے ہیں جو اپنے آپ کو فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ظاہر کرتے ہیں اور اَن پڑھ جاہل اور عشقِ رسول سے صحیح واقفیت نہ رکھنے والے ان کے پاؤں دباتے اور سو سو جان سے ان پر قربان جاتے اور ان کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کرنا اپنا فرضِ عین گردانتے ہیں۔ اسلام میں کسی جگہ ایسے عشق کی تعریف نہیں کی گئی بلکہ مذمت کی گئی ہے کہ انہی لوگوں کے باعث ہماری رسوائی ہوتی ہے۔ نہ جانے اربابِ اختیار اس ناسور کا کوئی علاج کیوں نہیں کرتے! یا پھر ہم یہ کہیں گے کہ ؎

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں　　　　ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت امام اعظم کے عشقِ رسول کی تصدیق میں اگر صرف ایک واقعہ عرض کر دیا جائے تو کافی ہے کیونکہ جس محب کو خود اس کا محبوب جوابِ پُر مروت و مودّت سے نوازے اسے کسی دوسرے سے اپنے عشق کی سند حاصل کرنے کی احتیاج نہیں رہتی۔

واقعہ ہے کہ جب حضرت امام اعظم روضہ مطہرہ حضور پر نور محمد مصطفےٰ پر حاضر ہوئے، اور بصد عجز و نیاز پُر خلوص الفاظ اور عشق میں ڈوبی ہوئی زبان سے السلام علیک یا سید المرسلین عرض کیا تو سیدِ عالم، مختارِ کون و مکاں نے جوابِ بامراد سے یوں مشرف فرمایا" وعلیکم السلام یا امام المسلمین!

درج بالا حقیقت کے بعد امام ابوحنیفہ کے عشقِ رسول کے بارے میں کچھ کہنا سورج کے سامنے چراغ روشن کرنے کے مترادف ہے لیکن پھر بھی سعادت حاصل کرنے کی خاطر ہم چند گزارشات مزید اس ضمن میں کرتے ہیں۔

ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق نقل فرمایا کہ نبی کریم نے فرمایا کہ "اگر علم ثریا پر پہنچ جائے تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک جوانمرد ضرور اس تک پہنچ جائے گا" حضرت یحیٰی معاذ رازی فرماتے ہیں کہ خواب میں رسولِ اکرم سے عرض کیا کہ آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ کے جھنڈے کے نزدیک۔

امام اعظم نے جب آخری حج کیا تو اندرون کعبہ نصف قرآنِ کریم ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اور دوسرا نصف دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو کر پڑھا اور سید عالم کی متابعت میں یوں عرض کیا " اے میرے پروردگار! میں نے تجھے نہ پہچانا جیسا تجھے پہچاننا چاہیئے تھا اور تیری عبادت نہ کی جو حق عبادت کا تھا۔ بوجہ کمال معرفت میری عبادت کا نقصان مجھے بخش دے" اس پر اندر سے آواز آئی " تو نے پہچانا اور خوب پہچانا، تجھے بخش دیا اور ہر اس شخص کو جو تیرے مذہب پر قیامت تک ہوگا"

ازہر بن کیسان نے حضرت ابوحنیفہ کو خواب میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی ہمراہی میں دیکھا حالانکہ یہی ازہر حضرتِ امام سے خوش اعتقاد نہ تھے۔ حضرت امام اعظم کے جنازے میں پہلی بار کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا، دفن کے بعد لوگ بیس دن تک نمازِ جنازہ پڑھتے رہے۔

ان واقعات کے تذکرے سے امامِ اعظم کی عظمت و رفعت بیان کرنا مقصود ہے۔ مگر یہ سب کچھ کس طرح نصیب ہوا تو عرض ہے کہ صرف اور صرف عشقِ مصطفٰے سے، ایسا عشق جس میں باہوش دیوانگی، علم باعمل اور نیت پُر خلوص کا دور دورہ ہے۔ یہ تسلیم شدہ اصول ہے کہ محب کو محبوب کی ہر شئے پسند آتی ہے اور وہ ہر وہ عمل کرنا پسند کرتا ہے جس سے محبوب کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت بڑھے۔ قرآنِ عزیز آقائے دوجہاں پر نازل ہوا، اس کا پڑھنا باعثِ رحمت و برکت ہے۔ صحابہ کرام بھی اس الہامی کتاب کو سینے سے لگائے رہتے تھے۔ حضرت امام اعظم کا یہ حال تھا کہ ایک رکعت میں مکمل قرآنِ پاک ختم کر دیتے تھے۔

علی بن یزید صدائی کے مطابق امام صاحب رمضان المبارک میں ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے۔ اسد بن عمرو کے مطابق امام صاحب نے فرمایا کہ قرآن کی سورت ایسی جس کی میں نے اپنے وتروں کی رکعت میں قراءت نہ کی ہو۔ خطیب بغدادی بروایت حماد بن یونس بیان فرماتے ہیں کہ اسعد بن عمرو نے فرمایا کہ جس مقام پر امام صاحب نے انتقال فرمایا اس جگہ پر ستر ہزار مرتبہ قرآنِ کریم حافظہ سے ختم فرمایا۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر حضورؐ اکرم کی متابعت میں تمام رات وضو سے رہتے تھے۔ اسد بن عمرو کے قول کے مطابق امام صاحب نے حفظِ قرآن کے بعد چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نمازِ فجر پڑھی۔ بروایت خطیب بغدادی جناب حسن بن ابی عمارہ نے امام صاحب کو رحلت کے بعد غسل دینے کے بعد کہا کہ آپ نے تیس سال سے نہ تو افطار کیا اور نہ چالیس سال سے راتوں میں داہنے ہاتھ کو تکیہ بنایا۔ عشقِ رسول کا تقاضا بھی تو یہی تھا۔ جب نبی اکرم لگاتار روزے رکھیں اور راتیں قیام و قراءت میں گزاریں تو امام صاحب اس عمل سے بھلا کیسے پہلو تہی کر سکتے تھے۔

عشقِ رسول کی وجہ سے آپ کو خواب میں اکثر جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ خواب میں رسولِ اکرم نے فرمایا کہ "اے ابوحنیفہ! اٹھ تجھے اللہ تعالٰی نے میری سنت ظاہر کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، عزلت گزینی چھوڑ دے"۔ اس پر آپ میدانِ عمل میں آ گئے اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے ظاہر و باطن دونوں میں کمال حاصل کیا۔ علم میں اگر اپنی مثال آپ تھے تو عمل میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ حضرت امام مالک بن انس نے فرمایا کہ ابوحنیفہ ایسا شخص ہے کہ اگر وہ یہ کہہ دے کہ یہ سواری سونے کی ہے تو وہ عمل سے ثابت کر سکتا ہے کہ یہ سونے کی ہے۔ یزید بن ہارون از کبارِ شیوخِ بخاری (المتوفی ۲۰۶ھ) نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ عاقل، افضل اور متورع نہیں پایا۔

محمد بن عبدالجبار سے خطیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ امام سے بڑھ کر مجلسوں میں مکرم نہیں دیکھا"۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

حضرت سید عالم کی سنت امامِ اعظم کی جان تھی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اس قدر غالب تھا کہ کوشش کرتے کہ ہر وہ عمل ہو جو نبی اکرم سے ہوا ہو۔ پیارے محبوب رحیم و کریم گالیاں سن کر دعائیں دیتے تھے اور سنانے والوں کو اچھے الفاظ سے یاد فرماتے تھے۔

امام صاحب کے بارے میں یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آپکو زندیق کہہ دیا، آپ نے جواب میں فرمایا "خدا تم کو بخشے"۔ بہ تقاضائے عشقِ رسول امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا کسی سے فریب یا بدعہدی نہیں کی، حضرت فضیل بن عیاض (متوفی ۱۸۷ھ) کے مطابق "ابوحنیفہ وافر دولت رکھنے والے اور ہر ایک پر دل کھول کر خرچ کرنے والے تھے۔ عمدہ رات گزارنے والے اور خاموش طبع اور کم گو تھے، خدا کی راہ میں خوب خرچ کرتے تھے، بادشاہ کے مال و دولت سے دور بھاگتے تھے، بتائیے یہ عشقِ رسول کا چلتا پھرتا نمونہ ہے یا کہ نہیں۔

تجارت میں دیانت حضرت رسول اکرم کی سنت ہے۔ ایک دفعہ امامِ اعظم نے اپنے نوکر حفص بن عبدالرحمٰن کے پاس

خز کے تھان بیچا اور بتا دیا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے خریدار کو بتا دینا حفص کو خیال نہ رہا اور تھان فروخت کر دیئے۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو بہت افسوس کیا اور تھانوں کی قیمت تیس ہزار درہم خیرات کر دی اسے کہتے ہیں

عشقِ رسول :

حضور رحمتِ عالم کی مثل آپ کو بھی خوشبو بہت بھاتی تھی، اتنی خوشبو لگاتے تھے کہ لوگ دور سے پہچان جاتے کہ ابو حنیفہ تشریف لا رہے ہیں۔ ابو عبد اللہ کے مطابق آپ خوش رو، خوش لباس، پاکیزہ اور حسنِ مجلس تھے۔ عام معمول تھا کہ جب گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو علماء اور محدثین کو بھی اسی قدر بھجواتے جو مفلسی کے باعث تعلیم حاصل نہ کر سکتے تھے انہیں اپنی جیب خاص سے مدد فرما کر اعلیٰ مرتبہ تک پہنچایا، حضرتِ امام ابو یوسف کی مثال اس ضمن میں کافی ہے۔

یہ عشق (جراتِ رندانہ) ہی تھا جس نے امام اعظم کو یہ جرأت بخشی کہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ کو پاؤں کی نوک سے ٹھکرا دیں۔ امام اعظم کو نبی اکرم سے عشق کی وجہ سے آپ کے اصحاب سے بھی دلی عشق ہو گیا تھا کیونکہ خود نبی اکرم صحابہ کرام سے خاص انس و محبت کرتے تھے۔ خطیب بغدادی، اسماعیل بن حماد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بدخصلت و بدطینت شیعہ نے دو خچر رکھے تھے جن کے نام (خاکم بدہن) ابوبکر اور عمر رکھے ہوئے تھے، امام صاحب کو اس بات سے دلی تکلیف ہوتی تھی۔

جس طرح اصحابِ رسول سے عشق تھا اس طریق پر امام صاحب کو اہلِ بیت سے بھی دلی عشق تھا۔ حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ امام صاحب کے قید خانہ میں ڈالے جانے اور قتل کیے جانے کا سبب عشقِ رسول و عشقِ اہلِ بیت ہی تھا۔

روایت ہے کہ خلیفہ منصور کو کسی نے مطلع کیا کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن بن حسین بن علی کو برانگیختہ کیا ہے اور ان کو اپنے مال سے مضبوط کیا ہے۔ اس نے امام صاحب کو بغداد طلب کیا چونکہ قتل کرنے کی جرأت نہ پاتا تھا اس لئے ایک سیاسی چال چلی کہ عہدۂ قضا قبول کیا جائے جسے امام صاحب قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور اسی باعث آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا مگر اس عاشقِ رسول نے عزتِ نفس نہ جانے دی، علم نہ بیچا، تقویٰ کو اقتدار کی چوکھٹ پر قربان نہ ہونے دیا، صداقتِ ابوبکر، جرأتِ عمر، عصمتِ عثمان، علمِ علی اور صبرِ حسین کی تقلید کرتے ہوئے سچا عاشقِ رسول ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا "قصیدۃ النعمان" عشقِ رسول کا جیتا جاگتا بین ثبوت ہے۔ مولانا ظفرالدین رضوی نے قصیدۃ النعمان کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس قصیدہ کے ۵۳ اشعار ہیں، یوں عرض کرتے ہیں :۔

یا رسول اللہ! بندہ حاضرِ دربار ہے
آپ کی خوشنودی و حفظ داماں درکار ہے

درمیان میں چند ایک عقیدت بھرے اشعار سے آپ بھی مستفید ہوں اور عشقِ رسول کی چاشنی سے آپ بھی لطف اندوز ہوں :۔

؎ میرے پہلو میں ہے یا خیرالخلائق ایسا دل	جو ہے شیدا آپ کا اور غیر سے بیزار ہے
؎ آپ کی عظمت کی میں کھا کر قسم کہتا ہوں سچ	یہ دلِ عاشق شرابِ عشق سے سرشار ہے
؎ جب شفاعت کی ہماری التجا کی آپ نے	حق نے فرمایا تمہارا ہی یہ حق ہے مصطفٰے
؎ دل میرا ہے آپ ہی کا شیفتہ یا سیدی	جان جو پائی ہے اس میں آپ ہی کی ہے ہوا
؎ چپ جو ہوتا ہوں تو ہوتا ہوں تصور میں ترے	بولتا جب ہوں تو مدحت میں تری ہوں بولتا
؎ میں حریصِ بخششِ حضرت نہ کیوں ہوں جب نہیں	بوحنیفہ کا کوئی یاور محمد کے سوا
؎ ہے امید مجھ کو کہ ہوں گے آپ شافعِ روزِ حشر	اس لئے کہ اس نے اک دامن پکڑا آپ کا

اور مقطع ہے :

آپ کے صحبِ کرام اور تابعین پر بھی درود
اور اس پر بھی جو رکھے دوست حضرت کو سوا

حضرت امام اعظم اور اہلِ بیت

——— : پیر محمد کرم شاہ ایم۔ اے : ———

میرا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، علم کے آفتاب تھے، ان کے نور سے آفاقِ عالم منور ہیں۔ ان کے فیض سے عرب و عجم فیضیاب ہیں۔ ان کے جود و سخا کا دسترخوان بحر و بر میں بچھا ہوا ہے اور ہر طالبِ حق کے لئے دعوتِ عام ہے۔

میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حقیقت میں بالذات اطاعت اور فرمانبرداری حضور فخرِ کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور ائمہ اہلِ بیت بھی حضور کے مطیع تھے، حضور کی سنت پر عمل پیرا رہتے تھے، حضور کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے، عبادات اور معاملات فرمانِ رسالت کے مطابق انجام دیتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ ہر امام اپنے زمانہ میں حضور کی سنت کے علاوہ اپنی سنت ایجاد کرتا، شریعت مصطفوی کے سوا اپنی طرف سے نئی شریعت پیش کرتا یا نبی کریم کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف کوئی نیا طریقہ وضع کرتا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! ان پاک لوگوں کی زندگیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا زندہ نمونہ تھیں، ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور نورِ محمدی سے درخشاں تھا۔ یہ خیال کسی مسلمان کے نزدیک قابلِ قبول نہیں کہ ائمہ اہلِ بیت نے اپنے جدِ امجد، جو سب نبیوں کے تاجدار، سب رسولوں کے سردار، سب اماموں اور ولیوں کے آقا و مولیٰ تھے، ان ائمہ کرام نے سرکار کی شریعت کو چھوڑ کر کوئی نئی شریعت وضع کی ہو۔ ہم ان حضرات کی اطاعت اس لئے کرتے ہیں اور ان کی غلامی پر ناز اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی غلامی حضور کی غلامی ہے اور ان کی اطاعت حضور کی اطاعت ہے اور حضور کی اطاعت اللہ رب العالمین کی اطاعت ہے۔

اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ یہ نفوسِ قدسیہ اپنی طرف سے نئے احکام نافذ کرتے تھے اور نئی شریعت پیش کرتے تھے اور ہم اس نئی شریعت پر عمل کرنے کے لئے ان حضرات کی اطاعت کرتے ہیں تو یہ خلافِ واقعہ ہے اور ہمارا یہ عقیدہ نہیں۔

اب آپ غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دین کا مبلغ بنا کر بھیجا تھا چنانچہ حضور نے باحسن طریق اس فرض کو انجام دیا مکہ مکرمہ کی وادیاں، طائف کے گلی کوچے، عکاظ وغیرہ کے میلے اور مدینہ طیبہ کا ذرہ ذرہ اس بات کا گواہ ہے کہ حضور نے اپنے رب کریم کے اس حکم کی تعمیل کا حق ادا کر دیا، چنانچہ حضور کی سالہا سال کی محنت سے

ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں نے اسلام کو قبول کیا اور جب آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے میدان میں فرزندانِ توحید کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھا تو حضورؐ کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ حضورؐ کے بعد یہی لوگ دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی مشعل لے کر پہنچے اور ہر طرف اجالا ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ظاہری جسم مبارک کے ساتھ تبلیغ کرنے کے لئے ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبہ، ہر بستی میں تشریف نہیں لے گئے! اگر فیض یافتگانِ نبوت کی دعوت قابلِ قبول نہ ہوتی تو کیا اسلام پھیل سکتا تھا؟ جہاں مکتبِ رسالت کے شاگرد تشریف لے گئے وہاں کے لوگ اگر یہ شرط عائد کرتے کہ تم کیونکہ معصوم نہیں ہو اس لئے ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار نہیں تو کیا وہ نعمتِ ہدایت سے بہرہ ور ہو سکتے تھے۔

ذرا آگے چلئے۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے جنہوں نے دین اور علم سیکھا وہ سارے تو معصوم نہ تھے بلکہ حسنین کریمین علیہما وعلیٰ جدہما افضل الصلوٰۃ والسلام کے بغیر تو ان صاحبان کے نزدیک بھی حضرت امیرالمومنین کے دوسرے صاحبزادے اور صاحبزادیاں معصوم نہیں۔ اب اگر حضرت علی مرتضیٰ کے شاگرد یا آپ کے فرزندانِ ارجمند جو غیر معصوم ہیں وہ جا کر لوگوں کو آپ کا ارشادِ گرامی سنائیں تو کیا سب لوگوں پر فرض نہیں کہ وہ آپ کے ارشاد کی اطاعت کریں۔

حضرت کے عہدِ خلافت میں ہزاروں شہر، لاکھوں دیہات اور اَن گنت آبادیاں آپ کے زیرِ نگیں تھیں۔ حضرت کے حکم سے سب جگہ شریعت کے احکام اور دینِ اسلام کے عقائد کی تبلیغ ہوتی تھی اور لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے حالانکہ یہ تبلیغ کرنے والے اور احکام نافذ کرنے والے سارے معصوم نہ تھے۔ کیا کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی بات قابلِ اعتبار نہیں اور ان کا فرمان واجب الاتباع نہیں کیونکہ یہ معصوم نہیں، یہی سلسلہ ہر امام کے زمانہ میں جاری رہا۔ بعض ائمہ کرام تو ہمیشہ مدینہ طیبہ ہی میں مقیم رہے اور شاذونادر ہی اسلامی مملکت کے دورے پر گئے اور اگر کبھی جانے کا اتفاق بھی ہوا تو چند دنوں کے لئے۔ ان حضرات کے پیغامات اور تعلیمات ان کے شاگردوں کی وساطت سے ہی دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچے حالانکہ وہ شاگرد غیر معصوم تھے۔ اب کیا ان کے پیغام اور دعوت کو اس لئے رد کر دیا جائے کہ وہ معصوم نہیں۔ شیعہ حضرات کی کتابوں میں بھی ہر امام سے صدہا غیر معصوم راویوں کی روایتیں درج ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے ہیں، اگر ان ائمہ کے غیر معصوم راویوں کی روایتیں عین دین ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاگردوں کی روایتیں کیوں قابلِ اعتبار نہیں۔ حضرت سلمان، مقداد، ابوذر رضی اللہ عنہم کی روایتوں کو شیعہ بھی معتبر جانتے ہیں حالانکہ وہ معصوم نہیں۔

جو لوگ معرفتِ ائمہ کرام کے ارشادات پر عمل کرنے کے مدعی ہیں انہوں نے یہ ارشادات بلا واسطہ ائمہ اہل البیت سے

تو نہیں سنے بلکہ اس چودھویں صدی میں راویوں کے واسطہ سے ہی انہیں پہنچے ہیں اور ہمارے راوی غیر معصوم تھے ، اگر ان راویوں کی روایت کردہ حدیثیں قابلِ عمل بلکہ واجب الاتباع ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ طیبہ جو پاکباز راویوں کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں اُن پر عمل کیوں نہ کیا جائے ؟ اس لئے ان صاحبان کا اہلِ سنت پر یہ اعتراض سراسر بے معنی ہے کہ تم غیر معصوموں کے پیرو ہو اور ہم معصوموں کے پیرو ہیں ۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ائمہ اہلبیت کے بالواسطہ نہیں بلکہ بلاواسطہ شاگرد ہیں ، ہم ان کی اقتداء اس لئے کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پہنچایا ہے جو انہوں نے اپنے اساتذہ کرام سے ، جن میں ائمہ اہلِ بیت بھی ہیں سیکھا تھا ، ہم ان کی اطاعت ہرگز ہرگز اس لئے نہیں کرتے کہ وہ کسی نئی شریعت کے موجد ہیں ہم ان کی اطاعت کو ائمہ اہلبیت کی اطاعت سمجھتے ہیں اور ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے ۔

کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مانا حضرتِ امام اعظم ائمہ اہلبیت کے شاگرد ہیں لیکن آپ امام کی تقلید کیوں کرتے ہیں ؟ ان کے علاوہ ائمہ اہلِ بیت کے دوسرے شاگردوں کی روایات پر کیوں عمل نہیں کرتے ؟ اس کا مؤدبانہ جواب یہ ہے کہ دوسرے راویوں نے جنہوں نے بزعمِ خود ائمہ سے روائتیں کی ہیں انہوں نے ایسی باتیں کہی ہیں جن کے سننے کے بعد انسان ان پر اعتماد نہیں کر سکتا ۔ آپ بھی سنئے اور خود انصاف فرمائیے ۔ ایک راوی جس کا نام سلیمان ہے وہ روایت کرتا ہے قال قال ابو عبداللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علیٰ دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ ، سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا " اے سلیمان ! تم اس دین پر ہو جس نے اس کو چھپایا اسے اللہ عزت دے گا اور جس نے اس کو پھیلایا اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے گا ۔ (کافی جلد دوم ص ۲۱۳)

سلیمان جو امام کا شاگرد بھی ہے اور اپنے آپ کو عقیدتمند مرید بھی ظاہر کرتا ہے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس نے امام کے اصلی دین کو ظاہر کیا ہو اور اپنے لئے دین و دنیا میں ذلت و خواری کا سامان مہیا کیا ہو یقیناً جو اس نے ظاہر کیا وہ ائمہ کا دین نہیں اور جو ائمہ کا دین ہے وہ اس نے ظاہر نہیں کیا ۔ ورنہ اس میں اس کو ظاہر کرنے کی جرأت ہے ۔ اس لئے جو شخص ائمہ کی پیروی کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ سلیمان راوی جو ظاہر کریں اس کو چھوڑ دے کیونکہ وہ ائمہ کا دین نہیں ۔ اگر یہ راوی بالفرض سچا ہے تب تو یہ حال ہے اور اگر اس نے ناحق حضرت جعفر صادق کے دامنِ عصمت کو داغدار کیا ہے تو پھر بھی اس کا قول مردود ہے اور ایسے راوی کی روایت اس قابل نہیں کہ اس پر عمل کیا جائے ۔

ایک اور راوی معلّٰی بن خنیس ہیں ان کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو قال قال ابو عبداللہ علیہ السلام

یامعلی اکتم امرنا ولا تذعہ فانہ من کتم امرنا ولم یذعہ اعزہ اللہ بہ فی الدنیا وجعلہ نورا بین عینیہ فی الاخرۃ یقودہ الی الجنۃ یامعلی من اذاع امرنا ولم یکتمہ اذلہ اللہ بہ فی الدنیا ونزع نورا من بین عینیہ فی الاخرۃ وجعلہ ظلمۃ تقودہ الی النار (کتاب الکافی جلد دوم ص ۲۲۳-۴)

ترجمہ: "معلی کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا اے معلی ہمارے حکم کو چھپاؤ اور اسے مت پھیلاؤ کیونکہ جس نے ہمارے حکم کو چھپایا اور اسے نہ پھیلایا اللہ تعالے اسے دنیا میں اس وجہ سے عزت دے گا اور قیامت کے دن اس کے سامنے نور ہو گا جو اسے جنت کی طرف لے جائے گا۔ اے معلی! جس نے ہمارے حکم کو پھیلایا اور اسے نہ چھپایا خدا اس کو دنیا میں بھی ذلیل کرے گا اور آخرت میں اس کی آنکھوں کے سامنے والا نور اللہ تعالے چھین لے گا اور اس کو دوزخ کی طرف لے جائے گا۔"

اس واضح دھمکی کے بعد کس کے سینہ میں ایسا دل ہے جو ائمہ کے حکم لوگوں کو بتا یا پھرے ؟

ایک اور راوی ابن ابی لیعفور سے ان کی روایت بھی سماعت فرمایئے : قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام من اذاع علینا حدیثنا سلبہ اللہ الایمان (اصول کافی جلد دوم ص۳۷۰)

" ابن ابی لیعفور کہتے ہیں کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا جس نے ہماری حدیث کو پھیلایا اللہ تعالے اس کا ایمان سلب کرے گا "۔ یہ سلسلہ بڑا طویل ہے اہلِ فکر و دانش کے لئے یہ چند حوالے کافی ہیں۔

ان کے برعکس ائمہ اہلِ بیت کے شاگردوں کا کردار دیکھئے جن کی ہم اقتدار کرتے ہیں۔ آپ اگر انصاف سے کام لیں گے تو خود ہی آپ پر حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ائمہ اہلِ بیت کے شاگردوں میں سے کس شاگرد کی پیروی میں نجات ہے اور کس کی اقتدار کر کے ہم اللہ تعالے، اس کے رسولِ پاک اور ائمہ کرام کی اطاعت و اقتدار کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت امام اعظم (پیدائش ۸۰ھ، وفات ۱۵۰ھ) اسلام کے اس بطلِ عظیم اور عالمِ جلیل نے اپنے زمانہ کے جن علماء وفضلاء سے علم حاصل کیا ان کا شمار آسان نہیں لیکن آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ائمہ اہلِ بیت میں سے بے مثال امام ان کے استاد ہیں۔ حضرت سیدنا زین العابدین کے صاحبزادے، حضرت زید بن علی اور امام محمد باقر، پھر ان کے نورِ نظر حضرت امام جعفر صادق، ان حضرات کے علاوہ آپ کو حضرت امام حسن کی اولاد میں سے ابو محمد عبد اللہ بن حسن کی شاگردی کی سعادت بھی حاصل ہوئی یہ نفوسِ قدسیہ سپہرِ علم و حکمت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ جس شاگرد نے ان حضرات

کے انوارِ علم سے فیض حاصل کیا، اس کا سینہ گنجینۂ انوار نہیں ہوگا تو کس کا ہوگا! یہ شاگردی محض نام کی شاگردی نہ تھی۔ تعلق محض رسمی تعلق نہ تھا بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ عمر بھر ان کی محبت کا دم بھرتے رہے اور ان کی خدمت کو اپنے لئے دونوں جہانوں میں فوز و فلاح کا ذریعہ یقین کرتے رہے اور اس جرمِ عشق میں ہر سزا بصد مسرت برداشت کی، بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا گئے اور کسی کی پرواہ نہ کی۔ اہلِ بیت کی محبت کا دم بھرنے والوں کی طرح صرف زبانی محبت کا دعویٰ نہیں کیا اور جب آزمائش کا وقت آیا تو کھوکھلے مدعیوں کی طرح دشمن کے دست و بازو بن کر اپنے محبوب مرشد کے خلاف صف آرا نہیں ہوگئے، حضرت امامِ پاک اس قسم کے عشاق میں سے نہیں تھے۔

چند تاریخی واقعات پیشِ خدمت ہیں:

۱۔ حضرت زید بن علی نے جب ہشام بن عبدالملک کے خلاف ۱۲۱ھ میں علمِ جہاد بلند کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ نے آپ کی تائید کی اور آپ کے خلیفہ برحق ہونے کا اعلان کردیا۔ آپ کی خدمت میں دس ہزار درہم بطورِ اعانت ارسال کئے اور خلفاء بنی امیہ کے ساتھ ہر طرح سے قطع تعلق کرلیا اپنی مجالس درس و وعظ میں ان پر شدید تنقید شروع کردی۔ ابنِ ہبیرہ کوفہ کا گورنر تھا، عراق میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی تو اس پر قابو پانے کے لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو تمام وزراء کا نگران مقرر کرنا اور حکم دیا کہ گورنمنٹ ہاؤس سے جو فرمان جاری ہو جب تک اس پر امام صاحب مہر نہ لگائیں وہ قابلِ قبول نہ ہوگا، آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا لوگوں نے ڈرایا سمجھایا کہ ابنِ ہبیرہ بڑا سخت آدمی ہے۔ اس کی حکم عدولی کے نتائج بڑے خطرناک ہوں گے اس پر حضرت ابوحنیفہ نے اپنے ناصحوں کو جواب دیا لو اراد نی ان اعدّ له ابواب مسجد واسط لما دخل فی ذٰلک وکیف وھو یرید منی ان یکتب دم رجل بضرب عنقہ واختم انا علی ذٰلک الکتٰب فو اللہ لا ادخل فی ذٰلک ابداً۔

یعنی اگر وہ اتنا چاہے کہ میں اس کے لئے واسط کی مسجد کے دروازے شمار کردوں تو میں یہ بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں چہ جائیکہ وہ مجھ سے یہ توقع رکھے کہ کسی کے قتل کا پروانہ وہ جاری کرے اور مُہر میں اس پر لگاؤں، خدا کی قسم میں اس چیز کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

اس حکم عدولی کے باعث آپ کو قید کردیا گیا، ہر روز آپ کو کوڑے لگائے جاتے اور پیٹا جاتا لیکن آپ کی استقامت اور ثابت قدمی میں ذرہ فرق نہ آیا۔ آپ نے اہلِ بیت کے دشمن اور حضرت زید کے قاتل ہشام کے گورنر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کردیا، کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا تو داروغہ جیل نے ابنِ ہبیرہ کو سمجھایا کہ اگر کوڑے مارنے کا یہ سلسلہ جاری رہا تو امام جانبر نہ ہوسکیں گے۔ اس نے کہا کہ تم انہیں سمجھاؤ کہ میں حلف اٹھا چکا ہوں اس لئے وہ صرف حلف پورا کرنے کے لئے میرا حکم

مان لیں میں رہا کر دوں گا۔ دارو غہ نے اگر کہا تو غیرت و حمیت کے پیکر اور اہلِ بیت کے عاشق نے وہی جواب دیا: لو سألنی ان اعدله ابواب المسجد ما فعلت" یعنی اگر وہ مجھ سے اتنا مطالبہ کرے کہ میں اس کے لئے مسجد کے دروازے شمار کر دوں تو میں اتنا بھی نہیں کروں گا، مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ   کوئی مجھ کو یہ تو سمجھاؤ کہ سمجھائیں گے کیا؟

ابوہبیرہ نے جب مردِ مجاہد کا یہ جواب سنا تو دارو غۂ جیل سے کہا کہ چپکے سے انہیں جیل سے باہر نکال دو۔ آپ ؒ ہاں سے رہا ہو کر مکہ معظمہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ جب تک بنی عباس کی خلافت قائم نہیں ہوئی آپ اپنے وطن کو نہیں آئے اور وہاں مرکز میں رہ کر اس دعوتِ انقلاب کے لئے اپنی سرگرمیاں زور شور سے جاری رکھیں یہاں تک کہ اموی خلافت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔

جب عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو امام صاحب کے مراسم عباسی خلفاء کے ساتھ بڑے دوستانہ اور مخلصانہ تھے، خلفاء بھی آپ کی دل سے عزت اور قدر کرتے تھے لیکن جب منصور نے حضرات سادات کرام کے ساتھ زیادتیاں کرنا شروع کیں تو آپ اس کے بھی مخالف ہو گئے اور اس نے امام حسن مجتبیٰ کے پوتے حضرت امام محمد نفس زکیہ نیز ان کے بھائی اور اپنے استاد مشفق عبداللہ بن حسن کے نورِ نظر سے لڑائی شروع کی تو آپ نے ہر قسم کی مصلحت کو پسِ پشت ڈال دیا اور کھل کر عباسیوں کی مخالفت کی خلیفہ منصور جس نے معمولی سے شبہ پر ابو مسلم خراسانی جیسے جرنیل کو تہ تیغ کر دیا تھا، اس کے غیض و غضب کی بھی حضرت امام اعظم نے پرواہ نہ کی۔ منصور نے آپ کو ہر حیلہ سے اپنی روش ترک کرنے پر مجبور کیا لیکن جب آپ باز نہ آئے تو آپ کو جیل میں ڈال دیا ہر روز آپ کو دس کوڑے لگائے جاتے لیکن آپ نے اپنی روش نہ بدلی اور اس پیرانہ سالی میں راہِ محبت میں ہر قسم کی سختیوں کو خوشی سے گوارا کیا یہاں تک کہ آپ نے قید خانہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کو زہر دے دیا گیا تھا۔ آپ نے جان دے دی لیکن اہلِ بیت کی محبت ترک نہیں کی، اپنے نحیف و نزار بدن پر کوڑے کھائے لیکن باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ ناظرینِ کرام! آپ انصاف سے خود ہی بتائیں کہ ہم ائمہ اہلِ بیت کے ایسے جوانمرد، عالی ظرف، وفا شعار کی روایتیں مانیں یا ایسے شاگردوں کی جو بیک وقت ہیں کہ جو ائمہ اہلِ بیت کے دین کی اشاعت کرے گا وہ بے ایمان ہو کر مرے گا اور خدا تعالےٰ اسے دونوں جہانوں میں ذلیل کرے گا۔

کاش! ہمارے نوجوان ان تاریخی حالات کا مطالعہ کریں اور ان پاکیزہ لوگوں کی زندگیاں اپنے سامنے رکھیں جو بلند اور پاکیزہ مقصد کے حصول کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیا کرتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا کیا مقام ہے۔ ان کا اہلِ بیت کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ انہوں نے کس طرح ہر قسم کی سختیاں برداشت کیں لیکن ناموسِ عشق پر

حرف نہیں آنے دیا۔

بعض لوگ اس بات پر بڑے برہم ہوتے ہیں کہ آپ حضرت امام ابوحنیفہ کو امام اعظم کیوں کہتے ہیں؟ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ محتاط اندازوں کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ساٹھ کروڑ ہے اور نصف سے زیادہ مسلمان فقہ حنفیہ پر کاربند ہیں تو ایسے شخص کو امام اعظم کیوں نہ کہا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عطا فرمائی ہے، نیز جو ہستی حضرت امام محمد باقر، حضرت امام جعفر صادق کی شاگرد ہو، جس نے حضرت امام زین العابدین کے فرزند ارجمند حضرت زید بن علی اور حضرت حسن مثنیٰ کے پوتے حضرت ابومحمد عبداللہ بن حسین سے فیض حاصل کیا ہو ان کی محبت میں جان دے دی ہو اس کو امام اعظم نہ کہا جائے تو اور کس کو کہا جائے؟

الٰہی! ہمیں ان فتنوں سے بچا، ان تند و تیز طوفانوں میں ہماری شمع ایمانی کو روشن رکھ اور ان لوگوں کی محبت اور پیروی عطا فرما جن پر تو نے انعام فرمائے ہیں۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

امام اعظم کا ایک اہم فتویٰ

تنبأ فی زمنہ رجل قال امھلونی حتی اٰتی بعلامۃ فقال من طلب منہ علامۃ کفر لانہ بطلبہ ذلک مکذب لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لا نبی بعدی"

ترجمہ: آپ کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھ کو مہلت دو کہ میں تمہارے سامنے کوئی معجزہ پیش کروں تو آپ نے فرمایا کہ جس نے اس سے کوئی علامت طلب کی وہ بھی کافر ہوا، اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول "لا نبی بعدی" کا جھٹلانے والا ہے۔

(الخیرات الحسان)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدۂ قضا سے انکار اور آپ کی شہادت کے اسباب کا مختصر جائزہ

لَهُ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا
وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى أَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

یوں تو اسلامی تاریخ مجاہدینِ حریت اور سرفروشانِ اسلام کے کارناموں سے بھری پڑی ہے لیکن چند نفوسِ قدسیہ ایسے ہو گزرے ہیں جنہوں نے ہر جابر ظالم اور جابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ اس طرح انجام دیا کہ اس راہ میں ہر قسم کے مصائب و آلام خندہ پیشانی سے برداشت[1] کئے اور جان کی بازی تک لگا دی بلاشبہ انہی لوگوں کا ذکر زیبِ داستان اور سرمایۂ تاریخِ حریت ہے۔ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ انہی مبارک لوگوں میں سے ہیں۔ آپ کے عہدۂ قضاء سے انکار کا واقعہ کم و بیش تاریخ و سیرت کی تمام مستند کتابوں میں موجود ہے لیکن آپ کی المناک شہادت تک کے واقعات کی کڑیوں کو ملا کر منطقی طور پر نتیجہ کسی نے نہیں نکالا کہ امام اعظم ایسا جلیل القدر پیشوا جیل خانوں میں عمر عزیز کا ایک حصہ گنوا دیتا ہے کوڑے کھاتا ہے۔ قسم قسم کی تکلیفیں برداشت کرتا ہے بالآخر جامِ اجل کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن حکومتِ وقت کا کل پرزہ بننے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟ دوسری طرف مشہور لہا بالخیر زمانہ ہے بہیچ پیچے نامور علماء اور محدثین موجود ہیں، پھر امام صاحب ہی کے لئے اس قدر اصرار کیوں ضروری سمجھا جاتا ہے! گو معاصرین میں کوئی ابوحنیفہ نہ تھا تاہم منصبِ قضا کے لئے ہر طرح با صلاحیت لوگوں کی ایک پوری کھیپ موجود تھی! پھر ہر چند خلافتِ راشدہ باقی نہیں رہی تھی تاہم حکومت کا سرکاری مذہب اسلام تھا اور قاضی انہوں میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلے ہو رہے تھے۔ قربِ نبوی کی وجہ سے پرہیزگاری، خشیتِ الٰہی اور اتباعِ شریعت بھی آج کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھی اس کے باوجود امام عالی مقام کا عہدۂ قضا یا کسی دوسرے منصب سے مسلسل انکار، آخر کیا معنی رکھتا ہے؟

مصرع ؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

منصبِ قضاء سے انکار کا پس منظر

خلاصۂ کائنات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے عشق و محبت اور آپ کے صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت و عقیدت بطور عقیدہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہی ہے، خاندانِ نبوی کی نسبت تو ہر دور کے مشائخ صوفیاء اور عشاق کے لئے کعبۂ و قبلہ کی حامل رہی ہے، سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تربیت سیدنا امام محمد باقر اور سیدنا امام جعفر صادق کی آغوش میں ہوئی بلکہ آپ کا یہ مقام و مرتبہ بجائے خود

[1] بیاض مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قلمی ج ۱ ۱۲

خاندانِ نبوت کا رہینِ منت ہے ۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سیدنا امام ابوحنیفہ قدس سرہ کے مبارک دور بلکہ بہت عرصہ تک خاندانِ نبوت میں سے جو مسندِ ارشاد و تبلیغ پر جلوہ افروز ہوتے رہے ۔ وہ علم و عمل، زہد و اتقاء اور گوناگوں دوسری خوبیوں کے اعتبار سے ہر طرح اپنے اپنے دور کے بہترین نفوسِ قدسیہ تھے چنانچہ اس دور کی ہر کمال ہستی ان کی خوشہ چین، و فیض یافتہ نظر آتی ہے۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں درس دے رہے تھے کہ اتنے میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ۔ آپ اس قدر محو تھے کہ کچھ وقت دوسری طرف توجہ نہ ہوئی ۔ تھوڑی دیر بعد جب سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو فوراً کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے ابن رسول اللہ! اگر آپ کی آمد کا مجھے بروقت پتہ چل جاتا تو ایسا کبھی ہوتا کہ آپ کھڑے ہوں اور میں بیٹھا رہوں[1]۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر حضرت امام کی پوری زندگی کا دارومدار ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک بلند پایہ عالمِ دین استاذ الائمہ اور شیخ الشیوخ کی حیثیت سے امام صاحب نے بنی امیہ اور بنی عباس کی دونوں حکومتوں کو صحیح خلافت نہیں سمجھا ، اس کے برعکس اہلِ سنت کی تمام تحریکوں کو نہ صرف یہ کہ صحیح کہا بلکہ عملی طور پر ان کی مدد کی ، بلکہ ان حکومتوں کے خلاف آپ نے خروج کا فتویٰ دیا[2]۔ اس جرم کی پاداش میں آپ عمر بھر زیرِ عتاب رہے ، آپ کو قضاء کی پیشکش محض ایک بہانے اور فریب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ۔ منصبِ قضا پیش کرنے والے بخوبی جانتے تھے کہ آپ کبھی ان کی حکومتوں کا کل پرزہ نہیں بنیں گے جسے وہ سرے سے غلط سمجھتے ہیں چنانچہ ابوجعفر منصور نے متعدد بار آپ کو جیل سے نکلوا کر لالچ اور تہدید کے ذریعے سمجھانا چاہا مگر ہر دفعہ ناکام ہو کر دوبارہ جیل بھیج دیا[3]۔ کئی عرصہ کوڑوں سے پیٹا جاتا رہا اور بالآخر زہر کا پیالہ دے دیا گیا[4]۔

ایک روایت کے مطابق جب آپ کو زہر کا پیالہ دیا گیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے قتل میں کیسے مدد کر سکتا ہوں چنانچہ آپ کو لٹا کر زبردستی منہ میں زہر انڈیل دیا گیا[5]۔ جس وقت زہر جسم میں سرایت کر گیا تو آپ سجدے میں چلے گئے اور اسی حالت میں انتقال فرمایا۔

سوچنے کی بات ہے ۔ کیا منصبِ قضا سے انکار ایسا جرم تھا جس کی سزا قتل ہوتی ؟ اور قتل بھی ایسے دردناک طریقے پر ؟ یہ تو سلطنت کے باغیوں کی سزا ہے ! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہلِ بیتِ نبوت سے تعلق خاطر اور وہ بھی محض رسمی نہیں بلکہ ان کے علم و فضل ، دیانت و امانت کی بنا پر انہیں مستحقِ خلافت سمجھنا ہی وہ واحد ناقابلِ معافی جرم تھا جس کی سزا کے لئے حکومت کو یہ سارے

---

[1] ذیل الجواہر المضیہ فی طبقات لحنفیہ ملا علی قاری : ۴۶۳ " مناقب الامام الاعظم "

[2] تاریخ الخلفاء سیوطی ، مجتبائی پریس ، ۱۸۰

[3] طبقات کبریٰ شعرانی ، ج ۱ ، : ۴۲

[4] ابن خلکان : ۵ ، ؛ ۴۶ ، بیاض مخدوم محمد ہاشم ج ۱ ، ۱۱ ، تاریخ الخلفاء ، سیوطی ، ۱۸۰

[5] مقدمہ ہدایہ ، مولانا عبدالحی لکھنوی ، ۱۰۹

بہانے اور حیلے تراشنے پڑے۔ اس مقام پر امام صاحب ایسے عظیم مذہبی پیشوا کے قدموں میں اگر معمولی سی لغزش پیدا ہوتی تو آج ہم بھی حق و صداقت کا منہ چڑانے والے بعض نام نہاد محققین کی طرح ائمہ اہلِ بیت کی تحریکوں کو بغاوت سمجھ بیٹھتے مگر امام عالی مقام کا کردار عمل رہتی دنیا تک حق و صداقت کی مثال بنا رہے گا۔ صلوا خلف کل بر و فاجر کو تکیہ قرار دینے والے کا عمل دیکھئے! وہ رخصت ہے اور یہ عزیمت! ایک ایسی شخصیت جس کی تعلیم و تربیت گہوارۂ نبوت میں ہوئی، جس کی ساری زندگی خاندانِ نبوت پر نثار ہوگئی اس سے اہلِ تشیع کی اسقدر عداوت و عناد باعثِ تعجب ہے۔[1] اہلِ تشیع ہر اس شخص سے عداوت رکھتے ہیں جو ائمہ اہلبیت کا صحیح پیرو ہو یا ان کے علوم ظاہری و باطنی کا صحیح و جائز وارث ہو۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ تو بدرجۂ اتم پیرو اور سیدنا حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کے عین وارث، پھر ان کے علوم کے قاسم و ناشر ہیں اس لئے ان کے ساتھ دوہری عداوت رکھنا اہلِ تشیع کے لئے لازمی ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی شہنشاہ کے آگے

سب سے پہلے یزید بن ہبیرہ جو بنی امیہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا، نے آپ کو اس وقت اپنے دامِ تزویر میں پھنسانا چاہا! جس وقت خراسان کے علاقے میں بغاوتیں اور شورشیں شروع ہوگئیں اور بنو امیہ کی حکومت جس کی بنیاد اہلِ بیتِ نبوت پر سب و شتم اور ظلم و جبر پر قائم ہوئی تھی ریت کے محل کی طرح گزر رہی تھی! حکومت نے وابستگانِ اہلبیت جو مرجعِ انام تھے، کا سہارا لینا چاہا، چنانچہ ابن ابی لیلی، ابن شبرمہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہم کو بلایا گیا۔ آپ نے گورنر سے کہا کہ حکومت کی یہ مہر آپ کے ہاتھ میں رہے آپ کی اجازت اور مشورے کے بغیر عراق کا کوئی کام نہ ہو سکے گا، آپ یہ منصب قبول کرلیں، آپ نے فرمایا، یہ تو بڑی بات ہے، اگر مجھے یہ کہا جائے کہ میں اس حکومت کے لئے مسجد کے دروازے گن دوں تو میں اس کے لئے بھی تیار نہیں۔[2] ابن ہبیرہ نے آپ کو قید خانے میں ڈال دیا اور مسلسل کئی روز تک آپ کو کوڑے لگواتا رہا۔ اس دوران ہر چند آپ کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی گئی مگر بے سود! بالآخر اس نے کہا انہیں کوئی یہ سمجھائے والا بھی نہیں کہ مجھ سے مہلت مانگ لیں، اس پر آپ نے مہلت مانگی کہ میں اپنے دوستوں سے مشورہ کرلوں، قید سے چھوٹتے ہی دار الامن مکہ مکرمہ چلے گئے اور بنی امیہ کی حکومت ختم ہونے تک وہاں سے واپس نہ آئے۔[3]

---

[1] ذیل الجواہر المضیۃ، ۵۰۵

[2] " " : ۵۰۶

[3] ابن خلکان : ج ۵ : ۴۱

اس کے بعد دوسرے عباسی خلیفہ المنصور نے منصب قضا قبول کرنے کے لئے آپ سے اصرار شروع کیا، جس طرح بنی امیہ نے عیاری سے حکومت پر قبضہ کیا تھا اسی طرح بنی عباس نے بھی ابتدا میں اہلبیت کی مظلومیت اور حقوق سے ان کی محرومی کے افسانے سنا سنا کر بنی امیہ کے خلاف فضا ہموار کی، یہ سارا ڈرامہ امام اعظم کے سامنے کھیلا جا رہا تھا۔ وہ نباض کی طرح تمام حالات کو جانچ رہے تھے انہیں بخوبی علم تھا کہ بنی امیہ کے دور میں حضرت زید بن علی کے خروج میں ان کے ساتھ تعاون اور ان کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے تشبیہ دینے کے ان کے عمل سے حکومت پوری طرح باخبر ہے پھر خود بنی عباس کے عہد حکومت میں بھی ۱۴۵ھ نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے خروج میں امام صاحب نے ان کی مالی مدد فرمائی اور ان کے ساتھ خروج کو نفلی حج سے ۵۰ یا ۷۰ گنا زائد ثواب کا کام قرار دیا، پھر یہی نہیں بلکہ منصور کے سپہ سالار حسن بن قحطبہ کو جو امام صاحب کا معتقد تھا ائمہ اہلبیت کے خلاف لڑنے سے روک دیا۔

منصور نے اپنے بعض رازداروں سے پوچھا کہ حسن کا آنا جانا زیادہ تر کس کے پاس ہے؟ انہوں نے کہا امام ابوحنیفہ کے پاس! چنانچہ منصور نے حسن کو بھی حضرت امام کے ساتھ زہر دلا کر شہید کر دیا[۱]۔

ان واقعات کی روشنی میں حضرت امام منصب قضا کے فریب سے پوری طرح باخبر تھے، ادھر منصور بھی حضرت امام کے قتل پر تلا بیٹھا تھا لیکن اصل قصہ یہ تھا کہ ایک ایسا ذی وجاہت شیخ جس کی عقیدت و محبت کی حدیں منصور کی حکومت سے بھی بڑھی ہوئی تھیں، ایسا معمولی آدمی نہ تھا جس پر حکومت آسانی کے ساتھ یونہی ہاتھ ڈال دیتی۔ منصور امام صاحب کو اپنے اقتدار کے لئے زبردست خطرہ اور اہل بیت نبوت کا ایک نشان سمجھتا تھا، چنانچہ اس نے آپ کو دار الحکومت بغداد بلایا اور منصب قضا قبول کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا، اسے کسی اہل آدمی کے سپرد کرو۔ اس نے کہا آپ غلط بیانی کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا جھوٹا آدمی تو بطریق اولی قاضی بننے کا اہل نہیں! تیز کلامی ہوتی تو آپ کو جیل خانے بھجوا دیا گیا۔ جیل خانے میں کئی روز تک اپنے طور پر آپ کو سمجھایا جاتا رہا کہ آپ عہدۂ قضا قبول کر لیں مگر آپ نہ مانے، اس پر منصور تشدد پر اتر آیا اور گیارہ روز تک متواتر اس شمشیر پر کوڑے برسائے جاتے رہے جو کتاب وسنت اور عشق مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی حامل تھی۔ اس دوران آپ کو کھانے پینے کی تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں، محض طاقت کے بل بوتے پر لوگوں کے سروں کو جھکانے والی حکومت پر لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنیوالے خاندان نبوی کے نقیب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سطوت وہیبت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جس وقت منصور کے حکم سے سیدنا امام اعظم کو تیس کوڑے لگائے گئے اور آپ کا مبارک بدن لہولہان ہو گیا تو خلیفہ کے چچا نے اس سے کہا " یہ تم نے کیا کیا؟ تم نے

---

[۱] ذیل الجواہر المضیہ : ۵۰۶

اپنے اوپر ایک لاکھ تلواریں کھنچوالیں، یہ تو نتیجۂ عراق بلکہ فقیہِ مشرق ہے[1]، امام اعظم کی شخصیت ایسی نہ تھی جسے زمانے کی ہوائیں ہلا دیں، بالآخر جیل خانے ہی میں زہر سے آپ کا کام تمام کرا دیا، جنازہ میں پچاس ہزار آدمیوں نے شرکت کی اور دفن کے بعد بیس روز تک لوگ قبر مبارک پر نماز جنازہ پڑھتے رہے، حسبِ وصیت مقبرہ خیزران میں دفن ہوتے، آپ کے نزدیک یہ زمین کسی غصب شدہ نہ تھی، آپ کے بعد منصور اکثر کہا کرتا تھا کہ ابوحنیفہ کی پکڑ سے زندگی اور موت میں مجھے کون بچائے گا[2]

یہ سارے واقعات سیدنا امام اعظم کی زندگی اور ان کے طرزِ عمل کی کھلی ہوئی تصویر ہیں۔ ہمارے نزدیک امام صاحب کو اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ ان کا ہر عمل اور فعل ایک دینی پیشوا ہونے کی حیثیت سے سند سمجھا جائے گا اس لئے آپ نے عملاً اپنے اس مقام کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے، اچھی طرح غور و فکر کر کے یہ راستہ اختیار کیا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں میں چند ایک متشرع بادشاہوں کے سوا ہر دور میں اہلبیت نبوی کی حمایت و نصرت تو اپنی جگہ رہی ان سے عقیدت و محبت بھی فوجداری جرم رہا ہے اور تاریخ سینکڑوں ایسے لوگوں کی فہرست پیش کرتی ہے جو صرف اسی جرم کی بنا پر عمر بھر ماخوذ و معتوب رہے یا قتل ہوئے۔ بعض لوگ بڑے بھونڈے انداز میں اہلبیت اطہار کے ادعائے خلافت پر نکتہ چینی کرنے لگ جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے جس ناانصافی، ظلم اور بربریت کے خلاف انتہائی بے سر و سامانی کے باوجود تلوار اٹھا کر اس قدر عظیم قربانی دی، آپ کے اخلاف خواہ نسبی ہوں یا معنوی ہر دور میں اپنے اس مقتدا اور مورث کی سنت کے امین رہے ہیں انہوں نے ہر قسم کے مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کر کے حق و صداقت کا علم بلند کئے رکھا ہے! انہی مردانِ احرار کی ایک مرخیل سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے، بادی النظر میں آپ کے منصبِ قضا سے انکار کا واقعہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو لیکن آپ کی پوری زندگی پر اگر غور کیا جائے تو وقت کی دو عظیم حکومتوں سے ٹکر، قید و بند کی صعوبتیں، جسمانی ایذائیں پھر شہادت تک کے واقعات کوئی اتفاقی معمولی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ حضرت امام کی پاکیزہ زندگی کے مشن اور سوچے سمجھے راستے کا حصہ ہیں۔ اے کاش! اگر اہلبیت کی حمایت و نصرت اور ان کے جاں نثاروں کی تاریخ نویسی پر کرفیو نہ ہوتا تو آج تاریخ کا یہ حصہ یقیناً اب سے مختلف ہوتا چونکہ خیر القرون کی تاریخ کا تعلق ہمارے عقائد سے بھی ایک طرح کا ہوتا ہے لہذا ضرورت ہے کہ ہمارے محققین نت نئے فرقوں کا بالخصوص خارجیت جو ایک نئے انداز سے سر اٹھا رہی ہے، کے مقابلے میں ہمارے ان جلیل القدر ائمہ کا مسلک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلبیت و صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ عقیدت و محبت کے تناظر میں دیکھیں اور واقعات و حالات پر خارجی اثرات کے عوامل کو ملحوظ خاطر رکھ کر تبصرہ کریں، آخر میں میں سیدنا امام اعظم کی کوہ گراں شخصیت اور دامانِ نبوت سے ان کے اس قدر تعلق خاطر کو سلام کرتا ہوں، بلا شبہ یہی وہ فضیلت ہے جس کی بنا پر حضرت امام کی محبت و عقیدت مسلمانانِ عالم کی دلوں کی دھڑکنوں کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

---

[1] ذیل الجواہر المضیہ : ۴۹۳ [2] ایضاً : ۵۰۶

پروفیسر قیام کی کاوش
گورنمنٹ کالج میرپور خاص

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ منصبِ قضاء سے انکار

مروان کا خونخوار گورنر "ابنِ ہبیرہ" مارے غصہ کے جہنم کی طرح بھڑک رہا تھا ۔۔۔۔ فقیہِ اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کے پیش کردہ "عہدۂ قضاء" کی قبولیت سے انکار کر کے وقت کے قاہر و جابر حکمران کی آتشِ غیظ و غضب کو ہوا دی تھی اور طیش میں آکر سرِ دربار قسمیں کھا کھا کر اعلان کر رہا تھا کہ "اگر اس خدمت کو اس نے قبول نہ کیا تو میں اس کے سر پر کوڑے مار کر رہوں گا ۔"

(مناقب موفق صـ ۲۲)

سننے والے وحشت سے کانپ رہے تھے ! امیر نے قسم کھائی ہے ۔ اب یہ ظالم سب کچھ کر گزرے گا جس کا اعلان کر رہا ہے ! ۔۔۔ ابنِ ہبیرہ کی اس ہولناک قسم کی خبر جب امام کو پہنچائی گئی تو لوگ خیال کرتے تھے کہ اس وحشت ناک خبر سے امام پر رعشہ طاری ہو جائے گا مگر خلافِ توقع یہ بات دیکھ کر لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ امام صاحب بڑے اطمینان سے فرما رہے تھے :

" دنیا میں اس کے مار پیٹنے کو میں آخرت کے آہنی گرزوں کی مار سے آسان خیال کرتا ہوں ۔"

اس کے بعد (ربِ تعالیٰ کی شانِ جبروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے) امام صاحب نے بھی (باطل کے مقابلہ میں) قسم کھائی اور بالکل اسی انداز سے قسم کھائی جس طرح "ابنِ ہبیرہ" اپنی گورنری کے گھمنڈ میں قسم کھا چکا تھا ، چنانچہ امامِ وقت جو دین کے نشے سے سرشار تھے ، اپنے مولا پر ناز کرتے ہوئے فرما رہے تھے :

- خدا کی قسم خواہ مجھے "ابنِ ہبیرہ" قتل ہی کیوں نہ کر دے مگر یہ کام ہرگز نہ کروں گا ۔"

امام کے سامنے تو آخرت تھی ، وہ اپنے نورِ بصیرت سے آخرت کے آہنی گرزوں کی چمک دیکھ رہے تھے پھر بھلا وہ ابنِ ہبیرہ کے تازیانوں کی کیا پرواہ کرتے ۔۔۔ !

امام کی اس جوابی قسم کی خبر جب ابنِ ہبیرہ کو پہنچائی گئی تو مارے غصے کے اس کا چہرہ تمتمانے لگا ، پیچ و تاب کھاتے ہوئے رعد کی طرح گرجا :

" اب اس کا درجہ اتنا بلند ہو گیا ہے کہ میری قسم کا مقابلہ وہ اپنی قسم سے کرتا ہے ۔"

ابنِ ہبیرہ کا دماغ تو آسمان پر تھا ، مارے غرور کے وہ زمین پر پیر نہ رکھتا تھا کیونکہ وہ اپنے آقا مروان کے بعد اپنے آپ کو کرۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں سے بلند تر سمجھتا تھا ۔ امام کی قسم جب اس کے فرعونی تکبر کے بے وزن ستون گرانے لگی تو وہ اپنی جھوٹی بلندی کو قائم رکھنے کے لئے امام کے نورانی وجود کی خوبصورت عمارت کو ڈھانے پر آمادہ ہو گیا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن قدرت مسکرا رہی تھی ! وہ اس شخص سے پنجہ کشی کرنے چلا تھا جس کی یاد کا قیامت تک کے لئے کروڑہا کروڑ انسانوں کے قلوب میں جاگزیں ہونا مقدر ہو چکا تھا ۔۔۔ !

بہرحال ابنِ ہبیرہ کے نہ ٹوٹنے والے پندار پر یہ ایسی چوٹ تھی کہ وہ تلملا اُٹھا اور چیخ کر حکم دیا کہ " امام کو فوراً حاضر کیا جائے !" سپاہی دوڑ پڑے ۔۔ تھوڑی ہی دیر بعد امام صاحب " ابنِ ہبیرہ " کے روبرو کھڑے تھے ۔ ۔ ۔ اور وہ ان کے منہ پر قسم کھا کھا کر کہہ رہا تھا کہ " اگر اس نے حکومت کی خدمت قبول نہ کی تو اس کے سر پر اس وقت تک کوڑے برسائے جائیں گے جب تک کہ اس کا دم نہ نکل جائے ۔"

ابنِ ہبیرہ جہنم کے عفریت کی طرح شعلے اُگل رہا تھا مگر امام صبر و شکر کے " بحر الکاہل " بنے ہوئے تھے ، ان کے پائے استقلال میں ذرا سی لرزش بھی پیدا نہ ہوئی ۔ ۔ ۔ جب ابنِ ہبیرہ نے اپنے وقتی اختیارات کی وسعتوں کو امام صاحب کی موت تک پہنچا دیا تو امام صاحب نے بھی پلٹ کر ابنِ ہبیرہ کے اقتدار کے منہ پر اپنی راست گوئی کی ایسی ضرب لگائی کہ ابنِ ہبیرہ بلبلا اٹھا ، چنانچہ امام نے شانِ بے نیازی سے فرمایا :

" صرف ایک ہی موت تک ! (اس کا اختیار ہے ۔)"

ابنِ ہبیرہ کو بھلا اس سے قبل کاہے کو اس قسم کے سنگین جواب کا تجربہ ہوا تھا ۔ ۔ ۔ آپے سے باہر ہو کر چیخ پڑا ۔ ۔ ۔ ۔

" جلواز ! جلواز (تازیانہ بدست جلاد) ، فوراً " جلواز " دوڑ پڑے ۔

اس شخص کے سر پر مسلسل بیس کوڑے مارے جائیں ! فرعون صفت ابنِ ہبیرہ نے حکم دیا !

امام کا سر کھلا ہوا تھا اور ۔ ۔ ۔ ایک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تین ۔ ۔ کوڑے تھے جو پے در پے اس مقدس سر پر پڑ رہے تھے جس میں صرف ایک اللہ کی بڑائی سما گئی تھی اور کسی بھی فرعونِ وقت کی بڑائی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی ۔۔ ! کوڑے کھاتے رہے اور امام خاموش کھڑے رہے ، آخر کار یہ تاریخی جملے امام صاحب کی زبانِ حق ترجمان پر رقص کرنے لگے :

" یاد رکھو ! (ابنِ ہبیرہ) ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائے گا اور تیرے سامنے جس قدر آج میں ذلیل کیا جا رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ ذلت کے ساتھ تو خدا کے دربار میں پیش کیا جائے گا ، ۔ ۔ ۔ ابنِ ہبیرہ ! تو مجھے دھمکاتا ہے حالانکہ میں شہادت دے رہا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں

اقرار کرتا ہوں کہ :

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

دیکھ! میرے متعلق تجھ سے بھی پوچھا جائے گا، اس وقت بجز سچی بات کے تیرا کوئی جواب سنا نہیں جائے گا۔"

کوڑے پڑ رہے تھے اور امام صاحب کی زبانِ حق بیان پر یہ جملے لرز رہے تھے۔ آخری فقرہ سُنکر تو "ابنِ ہبیرہ" کا چہرہ بھی فق ہوگیا۔۔۔ گھبرا کر جلاد کو اشارہ کیا کہ۔۔۔ "بس!" ۔۔۔ اس کے بعد سپاہی امام صاحب کو واپس جیل خانے لے گئے ۔۔۔ رات جیل خانے ہی میں گذری ۔۔۔ صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ ۔۔۔ مظلوم امام کا نورانی چہرہ زد و کوب کے سبب سُوجا ہوا تھا اور سرِ مبارک پر کوڑوں کے نشانات نمایاں تھے!

کہتے ہیں کہ اس کے بعد شہر کے سرکاری گماشتوں کا ایک وفد امام صاحب کے پاس آیا اور سمجھانا شروع کیا کہ :

" ہم لوگ آپ کو خدا کی قسم دیتے ہیں کہ آپ خود کو تباہی میں مت ڈالئے، ہم لوگ آخر آپ کے بھائی ہیں اور حکومت کے اس تعلق کو ہم میں سے ہر ایک ناپسند ہی کرتا ہے ۔۔۔ لیکن کوئی چارۂ کار اس وقت قبول کر لینے کے سوا نظر نہیں آتا!" (مناقب موفق ص ۲)

سرکاری علماء کا یہ وفد ناصحانِ مشفق کی طرح جب سمجھا چکا تو استقامت کا وہ پیکرِ جمیل یوں گویا ہوا :

" یہ ملازمت تو خیر بڑی بات ہے، اگر یہ شخص مجھے چاہے کہ میں " واسط" شہر کی مسجد کے دروازے گنا کروں تو میں یہ بھی نہیں کروں گا!"

آخر میں امام صاحب نے یہ تاریخی جملہ فرمایا :

" پھر خیال کرنا چاہئے کہ میں اس کی پیش کردہ اس خدمت کو کیسے قبول کر سکتا ہوں جس میں وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پر مُہر لگاؤں گا!"

اور بار بار آپ اس جملے کو دُہراتے :

" خدا کی قسم! میں اس میں اپنے آپ کو شریک نہیں کر سکتا "

گویا اس طرح امام نے قسم کھالی تھی، علماء حیران تھے، کیونکہ اس انکار کے نتائج ان کے سامنے تھے، لیکن جب جنابِ امام نے قسم ہی کھالی تو سب خاموش ہو گئے ۔۔۔ صرف قاضیٔ شہر ابنِ ابی لیلیٰ نے اتنا کہا :

"چھوڑ دو اپنے رفیق کو، حق پر یہی ہیں، ان کے سوا دوسرے غلط راستے پر ہیں۔"

جنابِ امام کے حق میں تاریخ کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے جو انہی کے ہمعصر مفتی اور ان کے سب سے بڑے

رقیب، ابن ابی لیلیٰ نے پیش کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تاریخ میں نظم و نسق عالم پر یہ احسان ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی نے نظام حکومت چلانے کے لئے دنیا والوں کو ایسا روشن خیال دیا جس میں کوئی خلل نہیں یعنی وہ خلافت کے مرکز کی طرف سے ہر صوبہ میں نظم و نسق چلانے کے لئے تین نمائندے بھیجے تھے، ایک والی ——— دوسرا قاضی ——— تیسرا افسر خزانہ، یہ تینوں، علیحدہ علیحدہ اور آپس میں ایک دوسرے کے اقتدار سے قطعی آزاد ہوتے تھے اور اپنی کارکردگی کے لئے براہ راست خود خلیفہ کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ بالفرض اگر کسی سے بد دیانتی سرزد ہو جائے تو دوسرا ٹوکنے پر آمادہ ہو، اور یہ بات کہ تینوں کے تینوں بد دیانتی پر اتفاق کر لیں، ایسی صورت میں کہ ان کی راست بازی کا پہلے سے تجربہ بھی کر لیا گیا ہو، ذرا مشکل ہے۔

اس حسن انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ کسی خاص صوبہ سے نہیں بلکہ مجموعی طور پر سارے اسلامی ممالک سے لائق و فائق شخصیتوں کا انتخاب بھی عمل میں آتا تھا، اور سب سے بڑی بات یہ کہ قاضیوں پر والیوں کو کسی قسم کا اقتدار حاصل نہ تھا۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ والیوں سے بے خوف و خطر شریع کی رو سے جو حق بات قاضیوں کی سمجھ میں آتی تھی اسی کے مطابق وہ فیصلہ صادر کر دیتے تھے، گویا اسلام میں "عدلیہ" شروع ہی سے "انتظامیہ" کی بالادستی سے آزاد تھی، لیکن جونہی خلافت، مدینہ منورہ سے منتقل ہو کر دمشق پہنچی، قضاء (عدلیہ) کی اہمیت اس درجہ گرا دی گئی کہ ہر صوبہ کے والی کو اس کا اختیار دے دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جس شخص کو چاہے اپنے علاقے میں قاضی مقرر کر لے حتیٰ کہ ہر شہر کا والی خود ہی قاضی مقرر کر لیتا تھا۔ (حسن المحاضرہ ص ۸۸)

چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسی ابن ہبیرہ کا آقا "مروان" جب مصر کے دورے پر گیا تو قاضی شہر "عابس" کو طلب کیا، جو قطعی اُجڈ، گنوار اور جاہل مطلق تھا۔ اس کے بعد خلیفہ اور قاضی کے درمیان جو دلچسپ مکالمہ ہوا وہ سننے کے لائق ہے:

خلیفہ مروان:۔ اجمعت کتاب اللہ؟ (کیا تم نے قرآن یاد کر لیا ہے؟)

قاضی عابس:۔ لا! (نہیں، مجھے قرآن یاد نہیں ہے)

مروان:۔ احکمت الفرائض؟ (کیا تو نے میراث کے مسائل کو پختہ کر لیا ہے؟)

عابس:۔ لا! (ان سے بھی ناواقف ہوں)

مروان :۔ فبما تقضی ؟ (پھر آخر تو کس چیز سے فیصلہ کرتا ہے)

جاہل قاضی اس سوال کا بھلا کیا جواب دیتا کیونکہ اس میں تو کوئی اور ہی خوبی تھی جس کی وجہ سے یہ عہدہ اس کو عطا ہوا تھا۔ مگر یہ ایسی خوفناک خوبی تھی جس کو سن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

واقعہ یہ تھا کہ فاتحِ مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نیک سیرت صاحبزادے حضرت عبداللہ ایسے پارسا تھے کہ لوگ اخلاق، اخلاص اور زہد و تقوے کے سبب خود ان کے والد پر ان کو ترجیح دیتے تھے، ان بیچاروں نے مصر کے والی مسلمہ کے حکم کے خلاف یزید (کربلائی) کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ مسلمہ نے ان کے انکار پر اعلان کیا کہ " کوئی ہے جو عبداللہ کو درست کرنے کے لئے آگے بڑھے ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ اس وقت یہی جاہل عابس تھا جو آگے بڑھا کہ میں اس کام کو انجام دیتا ہوں، چنانچہ اس کام کو بخیر و خوبی انجام دینے کے لئے عابس پولیس کی بھاری جمعیت ساتھ لے کر گیا اور ان کے مکان کو گھیر لیا اور کہلا بھیجا کہ بیعتِ یزید کے متعلق اب کیا ارادہ ہے ؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پھر بھی انکار ہی پر اصرار کیا۔ اس کے بعد تاریخ گواہ ہے کہ اس نے آگ اور لکڑی جمع کی تاکہ ان کے مکان کو آگ لگا دے ۔ (حسن المحاضرہ)

وحشی عابس کا بس ایک یہی کارنامہ تھا کہ اس نے ایک معمر صحابی کو آگ میں جلا دینے کی دھمکی دے کر اپنی حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، چنانچہ حاکمِ وقت کی نظر میں اس قابل سمجھا گیا کہ بیچارے مسلمانوں کی چندیا، منڈیا، جان و مال، عزت و آبرو سب اس عاقبت نااندیش کے حوالے کر دی گئیں جو قرآن و حدیث اور فقہ سے یکسر ناواقف تھا، بتائیے اس سے زیادہ اور کیا اندھیر ہو سکتا ہے ؟

اس طرح حکومت کی گھنونی اغراض اور حاکم کے ذلیل مقاصد کی خاطر قاضیوں کے تقررات میں جو دھاندلیاں ہوتی تھیں انکی بدنام داستان بہت طویل ہے۔ ایسے نکمے قاضی اپنی ناعاقبت اندیشی سے عدل و انصاف کے چمن میں جو کوڑا کرکٹ اچھالتے ہوں گے وہ بھی ظاہر ہے، اور حاکم کے اشارے سے قانون کا جو حلیہ بگاڑتے ہوں گے وہ بھی پوشیدہ نہیں، کس کی ہمت تھی کہ عدالتوں میں بننے والے عدل و انصاف کے خونِ ناحق کے خلاف کوئی اپیل کر سکے ؟ یہاں تو والی سے لیکر خلیفہ تک سب ایک ہی حکمتِ عملی سے مجبور عوام کا شکار کر رہے تھے، وہ سب اسلام کا نام لیکر شعائرِ اسلام کا قتلِ عام کر رہے تھے، اور ان کے تفوّق کے خلاف اگر کوئی شامت کا مارا ان کے حلق کا کانٹا بنتا تو وہ اسے زندہ نہ چھوڑتے۔

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مکہ معظمہ کے قاضی طلحہ کی عدالت میں شیبی خاندان (جو خانۂ کعبہ کا کلید بردار رہے) کے دو افراد کی زمین کا مقدمہ پیش ہوا، قاضی صاحب نے جس فریق کو حق پر پایا اس کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا لیکن فریقِ ثانی گورنر

خالد کا درباری تھا، اس نے فوراً مدینہ پہنچکر گورنر سے قاضی صاحب کے خلاف حکم حاصل کر لیا، قاضی صاحب گورنر کی بے جا مداخلت اور اپنی سبکی برداشت نہ کر سکے، خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو منتظم جانتے ہوئے یہ واقعہ لکھ کر اپنے بیٹے محمد بن طلحہ کے ہاتھ بھیجا، اس کے جواب میں خلیفہ نے ایک حکم گورنر کے نام لکھ کر محمد بن طلحہ کے حوالے کیا کہ اس مقدمہ میں وہ بے جا مداخلت نہ کرے۔

جب محمد بن طلحہ بیچارے نے خلیفہ کا یہ خط خالد کے حوالے کیا تو کہتے ہیں کہ خط پڑھنے سے پہلے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا اور فوراً جلاد کو طلب کر کے حکم دیا کہ محمد بن طلحہ کو اسی وقت سو کوڑے مارے جائیں، جی ہاں پورے سو کوڑے! پھر کیا پوچھتے ہو کہ محمد بن طلحہ کا کیا حشر ہوا! بس اتنا سمجھ لیجئے کہ اس کے بعد قاضی طلحہ نے اپنے بیٹے کے خون آلود لباس کو سلیمان کے پاس بھیجا۔ سلیمان پہلے تو یہ دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اور حکم بھی دے دیا کہ خالد کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں مگر بعد میں بعض امیروں کی سفارش سے یہ معاملہ ٹل گیا، (جی ہاں! سفارش سے یہ معاملہ بھی ٹل گیا) (عقد الغزیر، ج ۲، ص ۲۶۰)

یہ کوئی ایک حادثہ نہیں بلکہ یہ اس زمانے کے روزمرہ کے معمولی واقعات میں سے ہے۔

خلفاء بنی امیہ اور خلفاء بنی عباس کے زمانہ میں ہارون الرشید تک سنہرے موتیوں کی خوبصورت لڑی کی طرح یہ واقعات مسلسل پروئے ہوئے نظر آتے ہیں چنانچہ اس رنگین دنیا کی چمک دمک سے دور رہنے والے ایک ابوحنیفہ ہی تو نہیں تھے، اس زمانہ کے کتنے ہی ارباب صدق وصفا اور صاحبان امانت و تقویٰ، حکومت کے اصرار بلیغ کے باوجود منصب قضاء کی کانٹوں بھری سیج سے دور بھاگتے نظر آتے ہیں۔ ان فرار حاصل کرنے والوں میں سے اس زمانہ کے بہت بڑے محدث، فقیہ اور مشہور صوفی حضرت سفیان ثوری بھی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ مہدی کے زمانہ میں زبردستی دربار میں طلب کر کے کوفہ کے ہائی کورٹ کے جج کا فرمان تھما ہی دیا گیا تو حضرت سفیان نے فرمان لیا اور دربار سے باہر نکل کر انہوں نے اسے دجلہ میں پھینکا اور غائب ہو گئے۔ (موفق، ج ۱، ص ۲۱۰)

اس سے قبل جب مسعر بن کدام اس بیگار کے لئے پکڑے گئے تو منصور کے دربار میں پہنچکر پاگل بن گئے اور اس طرح اپنی جان چھڑا کر نکل بھاگے —— اور اگر بالفرض مارے باندھے یہ منصب جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، ان میں سے کسی نے قبول بھی کیا تو ہمت کر کے خود خلفاء سے اس بات کا عہد بھی لیا کہ حکومت کی جانب سے شرعی فیصلوں میں کسی قسم کی بے جا مداخلت سے کام نہیں لیا جائے گا۔۔۔ خلفاء کی جانب سے طفلانہ تسلیوں کے طور پر بہ قاضیوں کے سامنے اقرار بھی کر لیا جاتا تھا لیکن یہ عہد و پیمان کچھ اس طرح پورے ہوتے ہوئے دیکھے گئے کہ: امام اعظم ہی کے دور میں خلیفہ منصور عباسی نے قاضی شریک کو طلب کیا اور ان پر قضا کا عہدہ تھوپنے لگا تو قاضی صاحب نے اپنی طرف سے جس قدر ہو سکتے تھے حیلے تراشے، بہانے بنائے لیکن جب کوئی پیش نہ چلی تو انہوں نے بھی جی کڑا کر کے منصور سے کہہ دیا کہ:۔

میں ہر وارد و صادر پر فیصلہ کروں گا اور مجھے اس کی قطعی پرواہ نہ ہوگی کہ میں کس کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں کوئی بھی ہو، میں (خلیفہ کے) مقربین کو دیکھوں گا نہ ان کو جو بارگاہِ خلافت سے تعلق نہیں رکھتے۔"

منصور ایک جہاندیدہ شخص تھا، قاضی کو نیم رضامند دیکھ کر مزید لبھانے کے لئے جھٹ بولا:

"آپ میرے اور میری اولاد کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

بھلا چند الفاظ کی خالی ادائیگی سے منصور کا کیا بگڑتا تھا مگر قاضی صاحب کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ خلفاء اور خلفاء کی اولاد سے بھی زیادہ کچھ لوگ خطرناک تھے جو اس زمانے کی مدلیہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہے تھے، انہیں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قاضی صاحب نے فرمایا:

اکفنی حشمک

یعنی اپنے حاشیہ نشینوں اور درباری امراء نیز حوالی و موالی سے میری حفاظت کیجئے!؟

منصور نے بڑی ڈھٹائی سے قاضی صاحب کو جواب دیا:-

اَفْعَلُ (ہاں میں ایسا ہی کروں گا)

ابھی ان الفاظ کی آواز بازگشت فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ اس آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر دیکھا گیا کہ دربارِ خلافت سے ہر طرح کا قلبی اطمینان حاصل کرنے کے بعد قاضی صاحب جب پہلے ہی دن اپنی عدالت میں آکر بیٹھے تو بیٹھتے ہی سب سے پہلا مقدمہ جو ان کی عدالت میں پیش ہوا وہ خلیفہ کی ایک لونڈی کا تھا جس کا کسی شخص سے کچھ تنازعہ تھا۔ لونڈی فریقِ ثانی کے ساتھ جب عدالت میں حاضر ہوئی، عادت تو پہلے ہی بگڑی ہوئی تھی اس لحاظ سے کہ وہ خلیفہ کی لونڈی تھی، اس نے فریقِ ثانی کے برابر کھڑے ہونے میں اپنی توہین محسوس کی اور بے محابا آگے بڑھتی چلی گئی اور بالکل قاضی صاحب کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے آپ میں مطمئن تھی کہ شاہی آدمیوں کے ساتھ عدالت میں امتیازِ خاص برتا ہی جاتا تھا، لیکن اسے کب معلوم تھا کہ شاہی تعلق کے جس نشے میں وہ چور رہے، نیا قاضی بھی خلیفہ کے معاہدے کے نشہ میں مخمور ہے، اس لئے لونڈی کی حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب قاضی نے ڈانٹ کر کہا:

"او گندی عورت، پیچھے ہٹ جا!"

قاضی صاحب کو خلیفہ کے عہد و پیمان پر بڑا غرہ تھا اسی لئے شاہی لونڈی کی شانِ والا صفات میں ان کی زبان سے یہ ناشائستہ الفاظ پھسل گئے کیونکہ وہ اب تک اپنے ذہن میں قرونِ اولیٰ کے دور میں سانس لے رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسلامی قانون کی نظر میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ، مساوی درجہ رکھتے ہیں! انہیں تو ہوش اس وقت آیا جب دار الخلافہ

کے سب سے بڑے قاضی کو اس کے بڑھاپے میں اس لونڈی نے سرِ عدالت ڈانٹتے ہوئے کہا ،

"بڑھے تو احمق (ہو گیا) ہے "

ایک گندی عورت کی ناپاک زبان سے اسلامی دنیا کا مشہور عالم و فاضل جب یہ جملہ سنتا ہے تو دم بخود رہ جاتا ہے ، اپنے کئے پر پچھتاتا ہے ، اور اس کے جواب میں جو کچھ کہتا ہے ، امام اعظم کی عبرت کے لئے تو بس وہی بہت کافی تھا ، چنانچہ گندی عورت کی دریدہ دہنی کا زہریلا تیر کھا کر تڑپتے ہوئے قاضی صاحب نے فرمایا ؛

" میں نے خلیفہ سے اپنے متعلق یہی کہا تھا ، (یعنی میں احمق ہوں) لیکن تیرے آقا نے قبول نہیں کیا "

اے قلم خون کے آنسو رو ، اے کاغذ آتشِ غیرت میں جل جا ، کہ علم کی توہین اس درجہ کو پہنچ چکی تھی ! ایسے دگرگوں حالات اور پراگندہ ماحول میں اور اسی خلیفہ منصور کے رُو برو اگر امام ابو حنیفہ کی زبان سے بھی قاضی شریک کے لہجے میں یہ الفاظ اُبل پڑے کہ ، " میں قاضی بننے کے لائق نہیں " تو بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟

قاضی شریک کے مندرجہ بالا واقعہ کی روشنی میں تو سیدنا ابو حنیفہ کے عہدۂ قضا کے قبول نہ کرنے کا عذر اس وقت اور بھی سمجھ میں آجاتا ہے جب عدل و انصاف کے ساتھ مذاق کی یہ انتہا ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ نے اپنی لاڈلی کنیز سے یہ تک پوچھا کر تو نے کیوں توہینِ عدالت کی ! ــــ اسلامی قوانینِ مساوات کو سرِ عدالت تو نے اپنے پیروں تلے کیوں روندا ؟ــ اور یہ کہ خاص میرے مقرر کردہ قاضی شہر کی عزت کا جنازہ برسرِ اجلاس کیوں نکالا ! ــــ جا ، نکل جا ، میری محل سرا سے !"

مگر نہیں ، خلیفہ نے ایسا ہرگز نہیں کیا ــ بلکہ وہ خود اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے نکل کر اس گندی عورت کی صف میں آکر کھڑا ہو گیا تھا اور وہیں سے وہ بڑی ڈھٹائی سے بے قصور قاضی صاحب کو الٹا ملازمت سے معزول کرنے کا حکم دے رہا تھا.

ــــ جی ہاں ــــ اس ناکردہ گناہ کے جرم میں خود قاضی صاحب معزول کر دیئے گئے ؛

اے زمین پھٹ جا ــــ اے آسمان گر جا ، کہ ابھی تو احکم علی وعلی ولدی ، اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق ، عہد و پیمان کرنے والے کے الفاظ کی گونج فضا سے معدوم نہیں ہوئی تھی کہ ظالم اپنی معمولی لونڈی کی رضا کی خاطر ، اللہ کی رضا سے پھر گیا ــــ کم از کم سردربار اپنے کئے ہوئے معاہدے ہی کی کچھ لاج رکھی ہوتی ! ــــ لیکن یہ تو غیرت و حمیت کی باتیں ہیں ، وہاں تو اسلام کا نام لیکر شعارِ اسلام کا جنازہ نکالا جا رہا تھا ــــ "خلافت" کے پردے میں " ملوکیت " کا کاروبار چمکایا جا رہا تھا ــــ زنا اور شراب خوری کے جواز میں علماء سے فتوے چھینے جھپٹے جا رہے تھے ــــ اور کبھی چالیس شیوخ کی ایک جماعت سے یہ بیان اگلوایا جا رہا تھا کہ " خلیفہ ہر قسم کے گناہ کی بازپرس سے بالاتر ہے"! اس طرح حق پرستوں کو پچھاڑا جا رہا تھا ، عدل و انصاف کا خون بہانے کا کام عدالتوں میں قاضیوں سے لیا جا رہا تھا ــــ گویا

مسندِ خلافت سے شریعتِ محمدی کے ساتھ مذاق کیا جا رہا تھا، آئے دن لونڈی غلاموں کی خاطر بڑے سے بڑے قاضی کی معزولی اس دور کی معمولی بات بن کر رہ گئی تھی۔ اس لئے جو لوگ اپنے دین و علم کی حفاظت کرنا چاہتے تھے وہ ان خلفاء کے قول و قرار کا کبھی اعتبار نہ کرتے تھے۔ پھر صلاحِ حق و انصاف کے اس درخشاں دور میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قضاء کے اس عہدۂ جلیلہ کو کس طرح قبول فرما لیتے ــــ! لیکن ان کے انکار سے بھی کام کہاں چلتا تھا ــــ انکار سُنکر حکومت کا اصرار بڑھتا جاتا تھا ــ چنانچہ ہر ممکن کوشش کی گئی امام کو کسی نہ کسی طریقہ سے راضی کر لیا جائے بلکہ اس دور کی ہر حکومت نے اپنی بقاء کے لئے یہی ضروری سمجھا کہ کسی نہ کسی طرح عمال کی بے راہ روی کو سہارا دینے کے لئے امامِ وقت کی خدمات حاصل کر لی جائیں اور اسلامی دنیا کے بے وقوف بنانے کے لئے حکومت کے کاموں میں انہیں بھی شریک کر لیا جائے، اس لئے امام صاحب کو لبھانے کے لئے مختلف اوقات میں مختلف امیروں، والیوں اور خلفاء کی جانب سے رشوت کے طور پر گرانقدر تحفے تحائف بھیجے گئے۔ جب وہ سارے تحفے امام نے بغیر ہاتھ لگائے واپس کر دیئے تو اشرفیوں کی تھیلیوں کے ساتھ ساتھ حسین و جمیل لڑکیاں (لونڈیاں) بھی پیش کی گئی تھیں۔

یہ حسین جال پھینک کر حکومت نے چاہا کہ امام کے تقوے کی دولت کو لوٹ لیا جائے مگر امام کا تقویٰ تو وہ کوہِ گراں تھا جو شیطانی حرص و ہوا کی آندھیوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سربلند رہا، دیکھنے والوں نے شہادت دی کہ:

"امام ابوحنیفہ نے حکومت والوں سے نہ کبھی ایک درم ہی لیا اور نہ اشرفی۔" (موفق، ج ۱، ص ۲۱۳)

حالانکہ امام کو مشورہ دینے والوں نے اپنے بھولے پن میں امام کو یہ مشورہ دیا کہ:

"تصدق بہا" دے کر خیرات ہی کر دیجئے!"

لیکن شانِ بے نیازی سے اس دولتِ دنیا کو ٹھکرا کر امام نے انہیں ٹکہ سا جواب دیدیا کہ:

"کیا ان لوگوں کے پاس حلال بھی کچھ ہے۔" (مناقب موفق ج ۱، ص ۲۱۶)

اسی لئے تو تاریخ آجتک ان کے تقوے کی چیخ چیخ کر شہادت دے رہی ہے کہ:

"امام کی ساری کد و کاوش کا رُخ قبر ہی کی طرف تھا۔" (بحوالہ مکی بن ابراہیم موفق ص ۱۶۵)

دنیا اموی اور عباسی دونوں حکومتوں کے دوران ان کے قدموں سے لپٹتی رہی مگر استغناء کی ٹھوکروں کے سوا امام نے اسے کچھ نہ دیا۔

امام کی زندگی کے آخری دور میں تو خلیفہ منصور عباسی، امام صاحب کو اس قدر تنگ کرنے لگا تھا کہ بار بار بلا کر اپنے پاس رکھتا اور قضا کے عہدے کو قبول کرنے پر مجبور کرتا رہتا، جیسا کہ موفق ہی نے علی بن علی الیربی کے حوالہ سے روایت

نقل کی ہے کہ :

"قضاء کی خدمت ابوحنیفہ کے سامنے ابوجعفر منصور کی طرف سے متعدد بار پیش کی گئی لیکن وہ عذر ہی کرتے رہے — معافی چاہتے رہے — اور جتنے حیلے ممکن تھے سب ہی کام لیتے رہے۔" (مناقب موفق ص ۱۷۱)

آخر منصور نے جب زیادہ اصرار کیا تو امام نے صورت حالات پر صاف صاف یوں تبصرہ کیا کہ :—

"آپ کے گرد و پیش جو لوگ ہیں ان کو تو ضرورت ایسے حکام کی ہے جو آپ کی وجہ سے ان کا اکرام کریں۔"

(مناقب موفق ص ۱۷۰)

عربی کے الفاظ یہ ہیں :

ان لک حاشیۃ یحتاجون الی من یکرمھم لک

اس کا تو یہی مطلب ہوا کہ امام صاحب خود منصور پر بھی یہ اعتراض داغ رہے تھے کہ آپ کے حوالی، اعزہ واقربا انصاف میں مساوات محمدی کو ناپسند کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بادشاہ کے متعلقین ہیں لہذا ہمارے ساتھ قانون وہ سلوک نہ کرے جو عوام کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے —!

اس کے بعد امام صاحب نے اپنا مافی الضمیر یوں بیان کیا :

"میری عدالت میں، اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہوا اور آپ مجھ سے یہ چاہیں کہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کروں اور مجھے آپ دھمکی دیں کہ اگر ایسا نہ کروگے تو میں تجھے دریا میں غرق کر دوں گا، تو یاد رکھئے کہ میں دریا میں ڈوب جانے کو پسند کروں گا، لیکن میں انصاف کے خلاف کروں تو یہ مجھ سے کبھی نہیں ہوسکے گا۔"

(مناقب موفق ج ۲، ص ۱۷۰)

یہ امام کے ضمیر کی آواز تھی — چنانچہ آپ نے اپنی راست گوئی کا مظاہرہ اسطرح کیا کہ :

"قاضی اس شخص کو ہونا چاہیئے جو آپ کے خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو، ہاں آپ کے خلاف بھی، آپ کے بال بچوں کے خلاف بھی — آپ کے سپہ سالاروں اور فوجی افسروں کے خلاف بھی۔" (مناقب موفق ج ۱، ص ۲۱۵)

لیکن اس کے برخلاف امام اسی دور میں اپنی آنکھوں سے قاضی شریک کے منصب قضاء کا عبرتناک انجام دیکھ چکے تھے اور پھر یہی قاضی شریک جب عہدۂ قضاء کو قبول کرنے کے بعد تنخواہ کے مستحق ہوئے تو مشہور مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ :

"قاضی شریک کی تنخواہ کے لیے (حکومت کی طرف سے) "جہبذ" (معاوضہ ادا کرنے والا) کے نام

(چیک) لکھ دیا گیا۔" جہبذ" ان کو کچھ کم دینے لگا، قاضی شریک جھگڑنے لگے تو اس نے کہا کہ (معاوضہ نہیں کس چیز کا دیا جائے) کیا تم نے کپڑا بیچا ہے؟"

جہبذ کے جواب میں قاضی شریک نے یہ رُلانے والا بیان دیا:

"خدا کی قسم میں نے تو کپڑے سے بھی زیادہ قیمتی چیز فروخت کی ہے! میں نے اپنا دین بیچا ہے!" (اسی کی قیمت لے رہا ہوں)

قاضی شریک جیسے اعلیٰ پائے کے متقی بزرگ نے واقعی اپنا دین فروخت کر دیا تھا، اس کی تو خیر ان کی ذات سے کیا توقع ہو سکتی ہے، ان کی اعلیٰ منزلت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ بخاری شریف اور مسلم شریف کے ثقہ راویوں میں سے ہیں لیکن حکومت کی نوکری میں آنے کے بعد آدمی میں بہرحال وہ پہلی سی بے باکی اور جرأت و دلیری نہیں رہتی جس کی توقع آزادی و بے نیازی اور استغنا میں کی جا سکتی ہے اور غالباً اس کمزوری کو قاضی صاحب "دین فروشی" سے تعبیر کر رہے تھے۔

ان حالات میں بھلا امام ابوحنیفہ جیسے شخص سے کیونکر توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ ایسا کر سکیں گے۔ ہاں وہی ابوحنیفہ جو اب تک حلقۂ تلامذہ میں بیٹھ کر حق گوئی و بے باکی کی تبلیغ کرتے رہے، مساواتِ محمدی کا سبق پڑھاتے پڑھاتے جن کی زبان سوکھی جا رہی تھی، نظامِ مصطفیٰ کی ترویج اور قانونِ شریعت کی بالادستی کو بادشاہِ وقت پر مسلط کرنے کی تلقین، جن کا خاص مشن بن چکا تھا، وہی شاہین صفت ابوحنیفہ بھلا سرکاری ملازمت کا پھندا اپنی گردن میں ڈال کر اپنے نصب العین کا گلا کس طرح گھونٹ دیتے؟ جس نے ساری عمر اپنے شاگردوں کو بہترین علم کی دولت سے مالا مال کرنے کے بعد صرف انعام مانگا ہو کہ:

"خدا کے لئے اس علم کے احترام کو باقی رکھنے کی کوشش کیجو!"

اور سندِ فضیلت دیتے وقت خود استادِ وقت اپنے فرمانبردار شاگردوں سے گڑگڑا کر یہ التجا کر رہا ہو کہ:

"میں خدا کا واسطہ دیکر تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ کسی امیر کی رضامندی کی ذلت سے اس (علم) کو محفوظ رکھیو!" (مناقب موفق صـ...)

آہ! ذرا دیکھئے تو امام صاحب کے ایک شاگرد نوح کیا فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر میں کوفے سے جب اپنے وطن "مرو" کو واپس لوٹا تو عہدۂ قضاء کے قبول کرنے کی مصیبت میں مجھے مبتلا ہونا پڑا! استاذی امام ابوحنیفہ ابھی بقیدِ حیات تھے، ڈرتے ڈرتے اپنے اس قصور کی اطلاع میں نے حضرتِ امام کو دی۔ جواب میں امام نے ان کو وہ تاریخی خط لکھا جس میں اپنے شاگرد کو آگاہ کیا:

"تمہارے سپرد بہت بڑی امانت کی گئی ہے۔ اتنی بڑی امانت جس کو اٹھانے سے بڑے بڑے لوگ عاجز ہیں

تم اب ایک ایسے آدمی ہو جو ڈوب رہا رہو ۔ ۔ ۔ ۔ چاہیئے کہ اپنے لئے نجات کی راہ تلاش کرو ۔"

ان الفاظ میں جو شدت و قوت ہے اس کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ عہدۂ قضاء کی ذمہ داریوں کے بارے میں امام صاحب کا نقطۂ نظر معلوم نہ ہو ۔ ویسے عام طور پر تو امام صاحب یہی فرمایا کرتے تھے کہ :

" قاضی کو کسی سے مرعوب نہ ہونا چاہیئے خواہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو ۔" (موفق ج ۲ ص ۱۵۱)

خیر! یہ تو عدل و انصاف کے بارے میں ایک عام خیال ہے خواہ اس پر عمل نہ ہوتا ہو ، لیکن جب ہم امام کی اس خاص وصیت کو پڑھتے ہیں جو انہوں نے اپنے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف کو فرمائی تھی ، تو اس وصیت کے اس جملے پر حیرت کی انتہا نہیں رہتی ہے کہ :

"و ان ادنب ذنب بینہ و بین الناس اقامہ علیہ اقرب القضاۃ علیہ ۔"

(یعنی" اگر مسلمانوں کا حکمران کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کا تعلق عوام سے ہو تو جو قاضی اس حکمران کے زیادہ قریب ہو اسی کو چاہیئے کہ حکمران کو سزا دے ۔") (مناقبِ موفق ص ۱۰۰)

اس کا تو صاف یہی مطلب ہے کہ امام صاحب عدلیہ کو انتظامیہ سے صرف آزاد ہی نہیں دیکھنا چاہتے بلکہ وہ حکومت کے اقتدار پر عدلیہ کے اقتدار کو حاوی دیکھنے کے متمنی تھے ۔ اسی عقیدے کی نہج پر وہ اپنے تلامذہ کی تربیت کر رہے تھے لیکن یہ اسلامی قانون جس کی تعلیم اس شد و مد کے ساتھ ابو حنیفہ دے رہے تھے محض قانون ہی تو نہ تھا بلکہ وہ تو مسلمانوں کا دین و مذہب بھی تھا ، جس کے معنی یہ ہوئے کہ دین کے راستے سے ان کے شاگردوں پر دنیا کے دروازے بھی از خود کھل رہے تھے ، وہی مردار دنیا جس کی آلائشوں میں پھنس جانے کے بعد دین کی حرمت قائم رکھنا ہر فردِ بشر کے بس کی بات نہیں ، اس کے لئے تو حد درجہ اخلاص اور انتہائی درجہ کے تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے ۔

امام صاحب نے اپنے فہم و فراست سے اس کا پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا ، اسی لئے دورانِ درس وہ شاگردوں کو اس قسم کی تنبیہ کرنے کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے کہ :

" خبردار ! اس علم کو حکومت کے محکمۂ عدلیہ میں داخل ہونے کا ذریعہ نہ بنایا جائے ۔"

دراصل اس طرح وہ اس جذبہ کی بیخ کنی کرتے رہتے تھے کہ دین کے ذریعہ سے دنیا کمائی جائے اور یوں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کفر کا ارتکاب کیا جائے ، قانونِ شریعت کا سہارا لیکر کارِ شیطنت انجام دیا جائے اور اس طرح بدترین خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا کو جہنم زار بنایا جائے ۔ اسی لئے وہ ہدایت کرتے رہتے تھے کہ :

" علم کو جس نے دنیا کے لئے سیکھا وہ علم کی برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے ، ایسے آدمی کے دل میں علم جاگزیں

نہیں ہوتا اور اس کے علم سے لوگوں کو فائدہ بھی نہیں پہنچتا لیکن جس نے دین کے لئے علم حاصل کیا، اس کے علم میں برکت دی جاتی ہے اور اس کے دل میں علم راسخ ہو جاتا ہے اور لوگ اس کے علم سے زیادہ نفع اٹھاتے ہیں۔" (مناقب موفق، ج ۲، ص ۹۰)

امام صاحب کی یہ سب کوششیں مسلمانوں کے لئے صحیح قاضیوں کو پیدا کرنے کے لئے تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ جن ہاتھوں میں یہ قانون دیا جائے وہ ہر دباؤ سے آزاد ہو کر صحیح معنوں میں نظامِ مصطفےٰ کا نفاذ کر سکیں، یہی مطمعِ نظر، امام کا مقصدِ حیات بن چکا تھا۔ اب یہی مقصدِ حیات امام کی زندگی کا آخری امتحان ثابت ہوا، چنانچہ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ امام پر زور دیا جانے لگا کہ آپ سارے قاضیوں کے قاضی بننے کا عہدہ قبول کر لیں یعنی "قاضی القضاۃ" بن جائیں، اور مزید لبھانے کے لئے کہا گیا کہ:

" (عدلیہ) قضاء کے کل اختیارات بھی دئے جاتے ہیں اور یہ کہ سارے اسلامی صوبوں میں قاضی، امام ہی کے ہاتھ سے نکل سکیں گے۔" (مناقبِ موفق، ج ۲، ص ۱۷۲)

دراصل حسین الفاظ کا یہ نہایت بچھا ہوا جال تھا جس میں پرانا گھاگ شکاری منصور امام کو پھانسنا چاہتا تھا، یہ اس کا سب سے آخری حربہ تھا، ورنہ اس سے پہلے امام کو زیر کرنے کے لئے وہ کئی اوچھے وار کر چکا تھا۔ ایک بار امام کی خداداد شہرت و مقبولیت سے خوف کھا کر ان کی مخالفت میں کھڑا کرنے کے لئے ایک اور عالم کو میدان میں لے آیا یعنی حجاج بن ارطاۃ کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور آخر انہیں حضرتِ امام کے مقابلے میں آگے بڑھایا، مگر وہ خود کو امام کے جوڑ کا ثابت نہ کر سکے۔

ان سے مایوس ہونے کے بعد عالمِ اسلام کے دوسرے سب سے بڑے عالمِ دین امام مالک پر پچکارا پھرتا رہا اور بہت چاہا کہ وہ امام ابو حنیفہ کی مخالفت میں آ کر درباداری قبول کر لیں مگر وہ اس پائے کے بزرگ تھے کہ منصور کی چھچھوری باتوں پر کسی طرح کان نہ دھرتے تھے، پھر وہ صاحبِ صدق و صفا بھلا اس غلاظت میں لتھڑنے کو کس طرح پسند فرما سکتے تھے جس میں سے آدمی متعفن ہو کر ہی نکلتا تھا۔ وہ تو ایسے عاشقِ رسول تھے کہ مدینہ طیبہ سے جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اور اپنی تمام شاطرانہ چالوں میں ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد منصور کھسیانا سا ہو گیا اور آخر کار جب اسے کچھ نہ سوجھا تو جھلا کر براہِ راست امامِ اعظم سے ٹکرا گیا اور غصے میں امام کے تقوی کی سنگلاخ چٹانوں سے اپنی حرص و ہوا کا سر پھوڑنے لگا اور بڑی رعونت سے یہ حکم نافذ کر دیا کہ:

"امام کو یہ عہدہ قبول کرنا ہی ہوگا۔"

ایک سطحی نظر رکھنے والے کو بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ یہ تو بڑا سنہری موقع تھا، اس طرح حکومت کی اس پیشکش کو قبول کر کے ابو حنیفہ اپنے تمام شاگردوں سمیت "عدلیہ" کے تمام عہدوں پر چھا سکتے تھے۔

یقیناً وہ ایسا کر سکتے تھے اور منصور کے وزیرِ عدالت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہو کر گراں قدر تنخواہ اور رہنے بسانے اور ہر طرح کی دنیاوی شان و شوکت حاصل کر کے وہ اپنی آمدنی میں بے پناہ اضافہ بھی کر سکتے تھے جبکہ مال و جاہ کے لالچ میں اس قسم کے عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے اُس دور کے لوگ سبھی کچھ جتن کر رہے تھے۔ اس راہ میں نہ خود مرنے سے ڈرتے تھے اور نہ دوسروں کی زندگی کی پرواہ کرتے تھے۔ بے دریغ مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہاتے تھے حتیٰ کہ اپنے قریب ترین عزیزوں اور رشتہ داروں کو اپنی راہ میں حائل دیکھ کر بیدردی کے ساتھ انہیں ختم کرا دیتے تھے۔

الغرض جس طرح ہمیشہ جاہ و مال کے لئے دنیا سب کچھ کرتی رہی ہے وہ بھی سبھی کچھ کر رہے تھے۔ خدانخواستہ! خدانخواستہ! اگر نیک نیتی سے بھی امام اس منصبِ خاص کو قبول کر لیتے تو اور کچھ نہ بگڑتا، خود امام صاحب کے حسین خواب بکھر کر رہ جاتے۔ وہ جو نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے بارے میں عمر بھر دیکھتے رہے تھے، حکومت پر قانون کی بالادستی پھر شائد کبھی قائم نہ ہونے پاتی اور اس سلسلے میں شاگردوں کو دی ہوئی امام کی ساری تعلیم و تربیت اکارت جاتی، شاگرد اپنے قابلِ تعظیم استاد کے زریں اقوال سے قطع نظر جب ان کا یہ سپاٹ دیکھتے تو شاید خود اور بھی زیادہ بہکنے پر مائل ہو جاتے، اس طرح تو امام ابو حنیفہ کی سیرت سازی کا سارا کارخانہ ہی فیل ہو کر رہ جاتا، اور منصور تو اسی پر تلا ہوا تھا اور اسی تگ و دو میں لگا ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کے اس شہباز کو "مساداتِ محمدی" کی دستوں سے سمیٹ کر قاضی القضاۃ کے دام میں لے آئے تاکہ اس کو اور اس کی سات پشتوں کو من مانی حکومت کرنے کا حسین جواز پیدا ہو جائے۔

یہ اس لئے اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ منصور بچشم خود امام کی ذات سے حق گوئی و بے باکی اور آزادیٔ رائے کے چشمے اُبلتے ہوئے دیکھ رہا تھا، یہ امام ہی تو تھے جنہوں نے اپنے دور میں ہر اس دینی حریت پسند تحریک کو اپنی عملی زندگی سے آگے بڑھایا تھا، جو نظامِ مصطفےٰ کو نافذ کرنے کی داعی بن کر اٹھی تھی۔ جس کا نعرہ "قانونِ شریعت کا نفاذ" تھا اور جس کے کردار میں امام نے پاکیزگی اور خلوص کا مشاہدہ فرمایا تھا۔۔۔ چنانچہ عباسیوں کی طرف سے امام پر یہ الزام بھی تھا کہ امام ابو حنیفہ نے عباسیوں کے جبر و تشدد کے خلاف "اہلبیتِ اطہار" کی طرف اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا تھا (اموی خلیفہ ہشام کے زمانہ میں حضرت زید بن علی نے دعوائے خلافت کیا تو ان کے زہد و اتقاء کے سبب امام صاحب نے ان کی تائید کی) اور خود منصور کے خلاف سید محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی یعنی جید عالم سید ابراہیم کی تحریکوں کو پیشتر تقویت بخشی۔ اس لئے منصور تہیہ کر چکا تھا کہ اس کانٹے کو اپنے راستے سے بہر حال نکال کر رہے گا۔ ابو حنیفہ یقیناً منصور کے ناپاک ارادوں کے درمیان ایک سنگین دیوار بن کر حائل تھے جسے

ڈھانے سے پہلے وہ اپنی حرص و ہوس کے پاؤں مزید نہیں پھیلا سکتا تھا ، اسی لئے حق و صداقت اور حریت کے اس کوہِ آتش فشاں کا منہ بند کرنے کے لئے منصور چاہتا تھا کہ یا تو امام کو لالچ سے ، رشوت سے مائل کر کے ، یا ڈرا دھمکا کر، خوفزدہ کر کے بہر حال حکومت کی بے راہ روی میں برابر کا شریک کار بنا لیا جائے ورنہ ان کو موت کی نیند سلا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے ۔
مگر امام اب ایسی آسانی سے ختم ہونیوالی چیز نہ تھے، ان کا وجود ، کائنات کے پیکر میں ڈھل چکا تھا ، ان کی روح ، لامحدود فضاؤں میں نفوذ کر چکی تھی ، اس طرح امام اعظم اب اپنے دَور کی عظیم ترین شخصیت بن چکے تھے بلکہ ان کی عظمت ہر دَور کے لئے مقدر ہو چکی تھی حالانکہ ان کے دوست احباب ، شاگرد اور رشتہ دار ہر طرف سے امام پر زور دیکر منصبِ قضا کے زہر بھرے پیالے کو پی لینے ہی پر مجبور کر رہے تھے ۔

سارا زمانہ ایک طرف ہو گیا تھا اور دوسری طرف حضرتِ ابو حنیفہ "حرمتِ دینِ مصطفٰے" کا دامن پاکیزہ تھامے تنہا رہ گئے تھے ۔ منصور کا وزیر عبد الملک جو امام سے متاثر تھا ، حاضرِ خدمت ہو کر سمجھاتا تھا کہ :

"امیر المؤمنین (منصور) تو صرف حیلے کی تلاش میں ہے ، اگر اس کے عطیہ کو آپ قبول نہ کریں گے تو ہم جو بدگمانیاں آپ سے متعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق یقین کر لیں گے ۔"

گویا اب امام کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ گئے تھے ، یا تو منصور کے اس لقمۂ تر کو امام مزے سے نگل کر خود بچ جائیں اور اپنی زندگی بھر کی دینی کمائی کو ملیا میٹ کر دیں یا پھر منصور کی بدگمانیوں کو یقین کے درجہ تک پہنچا کر اپنے نصب العین یعنی نظامِ مصطفٰے کو شکستگی سے بچا لیں اور اسے بقائے دوام بخش دیں اور اس کے بدلے میں خود اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیں ، چنانچہ نظامِ مصطفٰے کی حرمت کو بچانے کے لئے امام صاحب سینہ تان کر آگے آئے اور کوہِ استقامت بن کر کھڑے ہو گئے ، انہوں نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ چاہے جان جائے مگر شریعتِ محمدی کی آن نہ جائے ۔

امام ابو حنیفہ اگر چاہتے تو کچھ دن اور اس فانی دنیا میں زندہ رہ لیتے مگر بروقت انہوں نے اپنی جان دیکر نظامِ مصطفٰے کو دائمی موت سے بچا لیا اور ناموسِ دینِ محمدی پر حرف نہ آنے دیا ۔ انہوں نے عزت کی موت مر کر مقصدِ اسلام کو حاصل کر لیا ۔
منصور نے امام صاحب کو اس کارِ خیر سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی اور آخر ان کا ایمان لینے کے لئے نام نہاد عدل و انصاف کا سب سے بڑا منصب یعنی قاضی القضاۃ (Chief Justice) کا اعلیٰ ترین عہدہ تک پیش کر دیا ، گویا اس نے اپنی سیاسی بازی گری کا سب سے آخری پتہ امام صاحب کے سامنے پھینک دیا تھا ـــــ مگر حضرتِ امام نے ـــ موت ـــ کی چال چل کر منصور کو مات دے دی !

منصور تو اپنے تئیں یہ سمجھا ہوا تھا کہ شاید ایسے عظیم الشان منصب پر امام صاحب ضرور ریجھ جائیں گے کیونکہ اب اس کے

بعد اگر کوئی چیز امام کو دی جاسکتی تھی تو خود خلافت تھی، مگر امام صاحب عزت نفس رکھتے تھے اور اپنی اہمیت سے خوب واقف تھے۔ وہ اپنی ذات والاصفات کو جو اس رفیع الشان منصب سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع تھی، ایک شخصی اقتدار کے حصول کا آلہ کار رہنا کس طرح گوارا کرسکتے تھے! کم از کم حرف گیروں کو تو کہنے کا موقع مل ہی جاتا کہ امام اپنے قول کے مطابق خود عمل نہ کرسکے اور پھر ان کے درخشاں کردار کا جگمگاتا ہوا سورج جس کی تابناک روشنی میں ہم آج بھی جاگ رہے ہیں طلوع ہوتے ہی غروب ہو جاتا، کیونکہ سرکاری ملازمت قبول کرلینے کی صورت میں دنیاوی آلائشوں میں لتھڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہی ہے۔ امام ایسے ناعاقبت اندیش نہ تھے کہ یہ خطرہ مول لے کر اپنے عمر بھر کے زہد و اتقاء کو داؤ پر لگا دیتے۔ اس لئے امام کے تقویٰ نے گوارا نہ کیا کہ دنیا کی آلودگیوں میں پھنس کر دامنِ حسنِ عمل کو متعفن کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے بے داغ کردار میں کسی قسم کی بدعملی کا دھبہ نہیں لگانا چاہتے تھے۔

خود امام بخاری کے مشہور استاد اسحٰق بن راہویہ نے تصدیق فرمائی کہ:

"اپنی تعلیم میں بھی اور مسلمانوں کی راہنمائی میں بھی امام ابوحنیفہ کے سامنے اللہ تعالےٰ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔" (مناقب موفق، ج ۲، ص ۵۸)

اور جیسا کہ مکی بن ابراہیم سے روایت ہے کہ:

"ان کی ساری کدوکاوش کا رُخ قبر ہی کی جانب تھا" (معجم ص ۱۶۵)

اس لئے اپنا دامن چھڑانے کے لئے امام صاحب نے بار بار بڑے شائستہ الفاظ میں خلیفہ کے سامنے اپنا مافی الضمیر اس طرح پیش کیا کہ ــــ جب تک اس بات کی پوری پوری ضمانت نہ ہو کہ حکومت کی مطلق العنان مرضی نہ چلے گی اور نہ ہی بے لگام سرکاری احکامات نافذ ہوں گے بلکہ حکومت خود آئین و قوانین کے جوتے تلے دبی رہے گی ــــ بھلا کسی قاضی کو کس طرح جرأت ہوگی کہ وہ خلیفہ یا خلیفہ کے خاندان یا دوسرے اعلیٰ سرکاری حکام کے خلاف فیصلہ دے سکے؟ بلکہ وہ تو معمولی چپراسی یا لونڈی غلام کے خلاف بھی کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ خواہ کتنے کو اسے قاضی یا قاضی القضاۃ یا پھر مسلک القضاۃ ہی کے بلند بانگ القاب ہی سے کیوں نہ پکارا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود امام صاحب اس قسم کی جھوٹی عزت اور عامیانہ قدر و منزلت سے خوش ہونے والوں میں سے نہ تھے، وہ خود فرماتے تھے کہ:

"حکومت کے سامنے تو ہر وقت اپنے حکام کے وقار کا مسئلہ رہتا ہے اس لئے قاضی القضاۃ کے فرائض سے تو صحیح طور پر وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر خود حکمران، حکمران کے شاہی خانوادے اور دیگر حکام اور سپہ سالاروں کے خلاف فیصلہ کرنے کا صحیح معنی میں اقتدار بھی رکھتا ہو۔"

ن اس سے قطع نظر جب قاضی بننے والی شخصیت کی بے اطمینانی کا یہ عالم ہو جیسی کہ امام ابوحنیفہ نے بڑی صاف گوئی سے خود اپنی کیفیت بیان کی کہ :

" شاہی دربار میں آنے کے بعد مجھے اس بات کا بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ میں زندہ واپس جاؤں گا یا وہاں سے میری لاش اُٹھے گی "

ایسی قابلِ رحم شخصیت کو اگر ایسے دگرگوں حالات میں قاضی القضاۃ بنا بھی دیا جائے تو قاضی القضاۃ کے فرائض کی بجاآوری تو دُور کی بات ہے، اس سے کسی معمولی قاضی کی ذمہ داری کا بھی حق صحیح طور سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے تمام نشیب و فراز کو سامنے رکھتے ہوئے آخر امام صاحب منصور کو یہ صاف صاف جواب دینے پر مجبور ہو گئے کہ (ان حالات میں) :

" مجھ میں عہدۂ قضا کی بجاآوری کی صلاحیت نہیں " (مناقبِ موفق ج ۲، ص ۲۱۵)

اس کھرے جواب پر منصور بھڑک اٹھا اور امام پر غلط بیانی کا الزام لگا کہ :

" تم جھوٹ بولتے ہو! " (مناقبِ موفق ج ۲ ص ۱۷۰)

یہ سنکر امام صاحب بھی کب چوکنے والے تھے۔ مشہور ہے کہ جواب دینے میں امام صاحب کا جواب نہ تھا، لہذا امام صاحب نے اپنی خداداد ذہانت کا فوراً مظاہرہ کرتے ہوئے جوابی الزام لگایا کہ :

" لیجئے! اپنے خلاف آپ نے خود ہی جواب دے دیا، اب آپ کے لئے کیا یہ جائز ہے کہ اس شخص کو قاضی بنائیں جو جھوٹا اور کذّاب ہو؟ "

منصور تو امام صاحب کے پہلے ہی جواب سے بھپر چکا تھا، اس جواب الجواب سے تو اس کی عقلمندی کی رسوائی اور ذہنی شکست کا اعلان ہو رہا تھا لہذا مشتعل ہو کر بولا :

" منصور قسم کھا بیٹھا ہے کہ اب تو تمہیں قضا کا عہدہ قبول کرنا ہی پڑیگا " (تاریخ بغداد بحوالہ بشر بن الولید الکندی)

اور پھر مطلق العنان حکمران کے منہ پر مجبور و ناتواں امام نے جوابی قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ :

" خدا کی قسم میں یہ (عہدہ) ہرگز ہرگز قبول نہیں کروں گا "

واللہ! شوکتِ اسلام کے کیا تیور ہیں؟ غیرتِ ایمانی کا کیسا مظاہرہ ہے! حریت پسند فطرت کی یہ جرأت مندی دیکھ کر لوگ حیران تھے! آخر بر سرِ دربار امام کی یہ جسارت دیکھ کر منصور کے حاجب ربیع سے خاموش نہ رہا گیا ——— جھلا کر بولا :

" ابوحنیفہ! یہ کیا کر رہے ہو؟ امیر المومنین کی قسم کے مقابلے میں قسم کھا رہے ہو! "

لیکن ابوحنیفہ اب ابوحنیفہ کب رہے تھے، وہ تو محبوبِ خیرالانام بننے جا رہے تھے۔ چنانچہ اسی طمطراق کے ساتھ ایسے کو مروڑتے ہوئے ایک اور کچوکا لگایا :

"امیرالمؤمنین تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنے میں مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔"

یعنی قسم تو ہم دونوں ہی نے کھائی ہے پھر اپنی قسم بھلا میں کیوں توڑوں ؟ منصور ہی کیوں نہ توڑ دیں، وہ تو امیر آدمی ہیں قسم کے کفارے پر مجھ سے زیادہ قادر ہیں !

اب تو منصور قطعی آپے سے باہر ہو چکا تھا اس کے بعد وہی ہوا جس کا خطرہ بہت پہلے سے لاحق ہو چکا تھا۔ غصہ سے پھنکارتے ہوئے پہلے تو منصور نے اقتدار کے نشے میں امام صاحب کو خوب برا بھلا کہا۔ جب اس سے دل کی بھڑاس پورے طور پر نہ نکلی تو کوڑا طلب کیا اور امام صاحب کے نحیف و نزار جسم پر اپنے مضبوط ہاتھوں سے کوڑے برسانے لگا۔ آخر تھک گیا۔ مگر امام صاحب نے اف کی رسی اس مضبوطی سے تھامی تھی کہ اُف تک نہ کی —— امام جیسی مقدس ہستی اور وہ بھی عمر کے اس حصہ میں جبکہ امام کی عمر ستر سال کے قریب پہنچ چکی تھی، خلیفہ منصور کا یہ انتہائی ناروا سلوک اس کی ظالمانہ فطرت کا ثبوت دے رہا ہے اور اس کی بے رحم طبیعت کا صاف صاف اعلان کر رہا ہے۔

اس کے بعد دیکھنے والوں نے مشرق و مغرب کے امام کو منصور کے دربار سے اس حال میں نکلتے دیکھا کہ پشت مبارک ننگی تھی، بدن پر صرف پاجامہ تھا اور ایڑیوں پر خون بہہ رہا تھا۔

(عبدالعزیز بن عصام کی چشم دید شہادت، بحوالہ حضرت برہان الدین مرغینانی۔ موفق)

ہائے علم کی یہ توہین اور جنید عالم پر یہ تشدد ! اے دنیا تجھ پر تُف ہے ——— یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اے آسمان! تو ٹوٹ کیوں نہ پڑا ؟ —— اے زمین ! تو پھٹ کیوں نہ گئی ؟ ——— لیکن چشم گردوں کو ابھی تو بہت کچھ دیکھنا تھا ...

اس حال میں منصور نے امام کو جیل بھیج دینے کے بعد جیلر (داروغہ) کو یہ حکم دیا کہ :

"امام پر سختی کی جائے اور خوب تنگ کیا جائے" (مناقبِ موفق ص ۱۷۳)

چنانچہ : "امام کے کھانے پینے پر تنگی کی گئی اور قید و بند میں بھی سختی اختیار کی گئی۔" (موفق ج ۲ ص ۱۷۴)

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ وہ کوئی عادی مجرم، چور، ڈاکو، غنڈے تو نہ تھے، امام صاحب کی زندگی تو علمی زندگی تھی اور پھر ضعیفی بھی ستر سال کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس پر منصور کا یہ ظلم و ستم توڑنا کہ غصے کے عالم میں، ایک دو نہیں، لگاتار تیس تیس کوڑے امام کے نحیف و نزار جسم پر برسائے اور پھر ستم بالائے ستم یہ قید و بند کی صعوبتیں اور کھانے پینے کی اذیتیں بھی حتی المقدور پہنچائی گئیں، ان خستہ و خراب حالات میں اگر زہر نہ بھی دیا گیا ہوتا تو ان سختیوں ہی سے امام کی زندگی کا خاتمہ ہو جانا یقینی معلوم

ہوتا ہے ــــــ قطعی یقینی !

کہتے ہیں منصور کے مسلسل تشدد سے بیزار ہو کر امام صاحب آخر میں رو رو کر اپنے رب کے حضور ،

"بہت زیادہ دعا کرنے لگے تھے ۔" (موفق ، ج ۲ ، ص ۱۸۲)

ہائے ! خدا معلوم کس قسم کی دعا کرتے ہوں گے ؟ ہاں وہی دعا جو آخر میں امام بخاری کے لبوں پر تھی ، یعنی بخارا کے حاکم نے امام بخاری پر جب شدید ظلم و ستم ڈھایا تو آخر بخارا سے فرار ہو کر آپ چھپتے چھپاتے سمرقند کے ایک قصبہ "خرتنگ" میں پہنچے ، وہاں عشاء کی نماز کے بعد دیکھا گیا کہ ان پر ایک حال طاری ہے ، ہاتھ اٹھا کر گڑگڑا رہے ہیں کہ :

" پروردگار ! زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی ہے ، بس اے پروردگار مجھے اپنے پاس بلا لیجئے ۔"

کہتے ہیں کہ مہینہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اسی قریہ میں امام بخاری کی وفات ہو گئی ــــ اسی طرح امام اعظم کی نجات کے لئے بھی قدرت نے موت ہی کو ذریعہ بنایا چنانچہ :

" پس نہ ٹھہرے اس کے بعد (جیل میں) چند روز تا اینکہ وفات پا گئے ۔" (مناقب موفق ، ج ۲ ، ص ۱۸۲)

لکھا ہے کہ امام اعظم کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو سجدے میں چلے گئے اور اسی نیازمندی کے عالم میں اپنی جان کی امانت جان آفریں کے سپرد کر دی ، انا للہ و انا الیہ راجعون ۰ ــــ اور جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی ، سارا بغداد گھر سے باہر نکل آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا ــــ ایک بغداد ہی کیا بلکہ سارا عالم اسلام رونے لگا ، چنانچہ ابو رجاء الہروی کا بیان ہے کہ :

" اتنے زیادہ آدمیوں کو میں نے روتے کبھی نہیں دیکھا ۔" (مناقب موفق ج ۲ ، ص ۱۷۲)

امام احمد حنبل جو خود راہ استقامت کے کوہ گران تھے ، جب کبھی امام ابوحنیفہ کے ان شدائد کا تذکرہ فرماتے تو رو پڑتے ۔

خیر ! امام اعظم اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے لیکن دنیا سے رخصت ہوتے وقت کونین کی سب سے بڑی دولت اپنے گھر میں چھوڑ گئے یعنی ان کی ذاتی ملکیت میں سے "نہ پایا لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے گھر میں کچھ سوائے قرآن پاک کے ایک نسخہ کے" (موفق ج ۲ ص ۱۸۱)

حاصل یہ کہ امام اعظم کا علم فقہ جس پایہ کا تھا اسی رتبہ کا ان کا تقویٰ بھی تھا ، اور یہی تقویٰ ہی تو تھا جو قاضی القضاۃ جیسے اعلیٰ ترین عہدے کی قبولیت سے نہیں روک رہا تھا جس کو زبردستی بنوک شمشیر منوانے کی ذلیل کوشش کی گئی ، نتیجۃً ظالم فرمانروا خود دنیا ہی کی نظر میں نہیں بلکہ خود اپنی نظر میں بھی ذلیل ہو گیا جس کا وہ خود اقرار کرتا ہے ــ جی ہاں ! وہ اسطرح کہ حضرت امام اعظم کو لوگوں نے اس عام قبرستان میں دفن نہیں کیا جس میں بغداد کے لوگ دفن تھے ــــ کہتے ہیں کہ قبر پر فاتحہ پڑھنے خود منصور بھی آیا ، اس نے پوچھا کہ یہاں کیوں دفن کئے گئے ؟ لوگوں کی طرف سے جواب ملا کہ امام اعظم کی یہی وصیت تھی ، کیونکہ وہ زمین جس پر بغداد آباد کیا گیا ہے امام اسکو "ارض مغصوبہ" (مالکوں سے

بردستی چھینی ہوئی زمین قرار دیتے تھے اس لئے انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے اس زمین میں دفن نہ کیا جائے جو ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہے (یہ تھا ان کا تقویٰ) — خیر، یہ سب کچھ سننے کے بعد منصور چیخ پڑا کہ: "زندگی، اور زندگی کے بعد بھی اس شخص کے حملوں سے مجھے کون بچا سکتا ہے!"

آہ! ذرا دیکھو تو یہ کیا ہو گیا! اس وقت معلوم دنیا کا سب سے طاقتور فرمانروا نظامِ مصطفٰے کے محافظ اور دینِ محمدی کے پاسبان کے مقابلہ میں کس قدر بے بس نظر آ رہا ہے!! ایسا مجبور کہ اسے شریعتِ محمدی کے نگران کی مار سے کوئی نہیں بچا سکتا — ہاں کوئی نہیں، کبھی نہیں، کہیں نہیں!

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے عہدۂ قضا کی قبولیت سے انکار کر کے "عدلیہ" کی آزادی کا دروازہ کھول دیا۔ عدلیہ کی آزادی کے حق میں ان کا پرزور احتجاج وقت کی آواز بن گیا اور جب اس مبارک جدوجہد میں انہوں نے اپنی جان تک دیدی تو عوام و خواص کے قلوب ہل گئے۔ حکومت کا قصرِ استبداد لرز کر رہ گیا، آخر کار حکومت کی دھاندلیاں دم توڑنے لگیں کیونکہ امام صاحب کے بے شمار شاگرد امام کی پختہ سیرت اور مضبوط کردار کی دو دھاری تلواریں لیکر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکے تھے، اسوۂ نعمان کی لازوال برکت سے حکمرانوں کا بے جا دباؤ اب ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ ابوحنیفہ کے کردار کی روشنی میں حکومت کے غلط فیصلے ان پر مسلط نہیں کئے جا سکتے تھے — آخر کار حکومت کی طرف سے عدلیہ کو قطعی طور پر آزاد کر کے قاضیوں کے حوالے کر دینا پڑا جس پر قاضیوں کا اقتدار و اختیار روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس طرح ابوحنیفہ کے منضبط کردہ قانون کی گرفت حکمرانوں پر سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ آخر حنفی فقہ کو حکومت کے باضابطہ "آئین" کی حیثیت حاصل ہو گئی — اس طرح امام ابوحنیفہ نے کوفہ میں بیٹھ کر قانونِ شریعت کی شیرازہ بندی کر کے، نظامِ مصطفٰے کے قیام کے لئے جو مسلسل جدوجہد کی تھی وہ مشرق سے لیکر مغرب تک تمام اسلامی دنیا کے رہنے والوں کی زندگی کے دستورالعمل کی حیثیت سے نافذ ہو گیا — امام اعظم کی قربانیوں ہی کی برکت سے امیروں، وزیروں اور حکمرانوں کی نفسانی خواہشات اور شیطانی جذبات کی زنجیروں سے آزاد ہو کر عوام کو نظامِ مصطفٰے کی ٹھنڈی چھاؤں میں آئینِ زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا سنہرا موقع فراہم ہوا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ قاضی القضاۃ کے اختیارات و تصرفات روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ بڑے بڑے سلطان اور فرمانروا، قاضیوں کے سامنے خود کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے

حقیقت یہ ہے کہ قاضیوں کی یہ فوقیت اور بالادستی، ابوحنیفہ کے "قبولِ عہدۂ قضا سے انکار" کر دینے کا ہی ثمر آور نتیجہ تھی — نظامِ مصطفٰے کی بحالی اور نفاذ بھی امام اعظم کی خونچکاں قربانیوں ہی کی درخشاں برکت تھی جو اپنی زبانِ بے زبانی سے آج بھی ہمیں دعوتِ عمل کے لئے للکار رہے ہیں — شریعتِ محمدی کے دعویدارو! آگے بڑھو — اور — نظامِ مصطفٰے کا نورانی پرچم لے کر سارے زمانہ پر چھا جاؤ — !

سیدنا ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) — زندہ باد — فقہِ حنفیہ — پائندہ باد

— — — — — — — — — —

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات

علامہ غلام رسول سعیدی
صدر مدرس جامعہ نعیمیہ
گڑھی شاہو لاہور

امام الائمہ، سراج الامہ، سید الفقہاء، سند الاتقیاء، محدث کبیر حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اللہ عزوجل نے علم و عمل کی تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں، وہ میدان علم میں تحقیق و تدقیق کے شاہسوار، اخلاق و عادات میں لائق تقلید اور عبادت و ریاضت میں یگانۂ روزگار تھے، مسائل فقہیہ میں ان کی سطوت اور اجتہاد میں ان کا سکہ تو ہر ایک نے مانا ہے، البتہ بعض اہل ہوا، کوتاہ بین اور متعصب حضرات فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کچھ بے لگام لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اس لئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ علم حدیث کے فن روایت اور درایت میں امام اعظم کا رتبہ اور مقام محسوس دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ ناواقف لوگ متعصبین کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے محفوظ رہ سکیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اسلامی علوم و فنون کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے۔ جس طرح وہ آسمان فقہ کے درخشندہ آفتاب تھے اسی طرح عقائد و کلام کے افق پر بھی انہیں کا سورج طلوع ہوتا تھا اور روایت و درایت کے میدان میں سابقیت کا علم بھی انہی کا نصب کردہ ہے۔ فقہ میں یہ آب و رنگ انہی کے دم سے ہے اور فن حدیث میں یہ بہار انہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، شافعی اور مالک فقہ میں ان کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ ان کے فیضیافتہ وہ نہ ہوتے تو نہ فقہاء کو یہ عروج ہوتا اور نہ بخاری و مسلم کو یہ جوبن نصیب ہوتا۔

فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر

امام اعظم نے اگرچہ بنیادی طور پر علم فقہ کی خدمت کی ہے اور اپنی عمر کا تمام حصہ اسی میں صرف کیا ہے تاہم علم حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ انہوں نے افاضل صحابہ اور اکابر تابعین سے احادیث کا سماع کیا پھر ان روایات کو کامل حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ تک پہنچایا۔ امام اعظم چونکہ علم حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے اس لئے محض نقل روایت پر ہی اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں روایات کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ راویوں کے احوال اور ان کی صفات پر بھی زبردست تنقیدی نظر رکھتے تھے اور کسی حدیث پر اعتماد کرنے سے پہلے

اس کی سند اور متن کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔

جو لوگ بے سوچے سمجھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو علم حدیث میں دسترس نہیں تھی وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ امام اعظم نے عبادات و معاملات، معاشیات و عمرانیات اور قضایا و عقوبات کے ان گنت احکام بیان کئے ہیں، حیات انسانی کا کوئی گوشہ امام اعظم کے بیان کردہ احکام سے خالی نہیں ہے لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ امام اعظم کا بیان کردہ فلاں حکم حدیث کے خلاف تھا۔ امام اعظم کی مہارتِ حدیث پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنتِ رسول کے مطابق ہے۔

بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں متعدد اور متعارض روایات ہوتی ہیں مثلاً نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص رکعات کی تعداد بھول جائے تو بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ از سر نو نماز پڑھے، بعض روایات میں ہے کہ وہ رکعات کو کم سے کم تعداد پر محمول کرے اور بعض میں ہے کہ وہ غور و فکر کر کے راجح جانب پر عمل کرے، اسی طرح سفر میں روزہ کے بارے میں بھی مختلف احادیث ہیں بعض میں اثناءِ سفر میں روزہ کو نیکی کے منافی قرار دیا ہے اور بعض میں عین ثواب، ایسی صورت میں امام اعظم منشاءِ رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت و ضعف اور دوسرے اصولِ درایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو منشاءِ وحی اور مزاجِ رسالت کو پہچانتا ہو، روایات کے تمام طرق پر حاوی، درایت کے کل اصولوں پر محیط اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

شرفِ تابعیت

حدیث پاک کے ایک راوی ہونے کی حیثیت سے رجالِ حدیث میں امام اعظم کا مقام معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ امام اعظم کے معاصرین میں سے امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی تابعیت کا وہ عظیم شرف حاصل نہیں ہے جو امام کی خصوصیت ہے۔

تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس بات پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور حضرتِ انس رضی اللہ عنہ اس کے بعد بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے، نیز علامہ ابن حجر مکی[1] نے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو بھی دیکھا ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے سات سال بعد ۸۷ھ[2] میں ہوا ہے۔ اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ان دو صحابہ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کا انتقال امام اعظم کی ولادت

[1] الخیرات الحسان، ص ۵۳
[2] تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۱۵۲

کے بعد ہوا ہے اور امامِ اعظم کی ان سے ملاقات کئی طرق سے ثابت ہے۔

امامِ اعظم کی صحابہ سے روایت

حضرت انس کے سنِ وصال میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے وہب بن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور مشہور ۹۳ھ ہے اور حضرت انس کی زندگی میں امامِ اعظم بارہا بصرہ گئے تھے اس لئے اس بات کو کوئی نہیں مان سکتا کہ امامِ اعظم نے پندرہ سال کی عمر تک حضرتِ انس سے ملاقات کی ہو اور ان سے روایت حدیث کا شرف حاصل نہ کیا ہو۔ محققین علماء کرام اور محدثین عظام نے امامِ اعظم کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور دلائل سے انہیں تقویت دی ہے۔

امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امامِ اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور اس میں روایات کو مع اسناد کے ذکر کیا ہے اور ان کی تحسین و تقویت کی ہے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے ان روایات کو اپنے رسالہ تبییض الصحیفہ میں نقل کیا ہے، ہم اسی رسالہ سے چند احادیث کا انتخاب پیش کر رہے ہیں:۔

۱۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔	امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرتِ انس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔
۲۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الدال علی الخیر کفاعلہ۔	امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرتِ انس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ خیر کا راہنما اس کے فاعل کے مثل ہے۔
۳۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب	امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرتِ انس سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پریشان حال

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۳۴۸

اغاثۃ اللہفان۔	کی مدد کو پسند کرتا ہے۔
۴۔ عن یحیی بن قاسم عن ابی حنیفۃ سمعت عبداللہ بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ (تبییض الصحیفۃ ص ۷، ۹)	یحیی بن قاسم امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی خاطر سنگ خوار کے گھونسلے جتنی بھی مسجد بنائی اللہ تعالےٰ اس کا جنت میں گھر بنائے گا۔

امام اعظم کے سماع صحابہ پر بلحاظ روایت بحث و نظر

صحابہ کرام سے احادیث کا سماع اور ان کی روایت امام اعظم کا ایک جلیل القدر وصف اور عظیم خصوصیت ہے۔ احناف تو خیر کمالات امام کے مداح ہیں ہی، شوافع سے بھی امام اعظم کے اس کمال کا انکار نہ ہو سکا بلکہ بعض شافعیوں نے بڑی فراخدلی سے امام اعظم کی روایت صحابہ پر خصوصی رسائل لکھے ہیں تاہم بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے چنانچہ زمانہ قریب کے مشہور مورخ جناب شبلی نعمانی صاحب بھی اسی انکار میں پیش پیش ہیں، لکھتے ہیں:

• بعض لوگوں نے رویت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند کے نقل کیا ہے جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں پھر اصول حدیث سے ان کی جانچ پڑتال کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں، صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اس کو شہرت دیتے لیکن قاضی ابویوسف، امام محمد، حافظ عبدالرزاق بن ہمام، عبداللہ بن مبارک، ابونعیم، فضل بن دکین، مکی بن ابراہیم، ابوعاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور باخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہی لوگوں نے ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں، ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔"

(سیرۃ النعمان، ص ۴۴)

مقام صد حیرت ہے کہ شبلی جیسے تاریخ دان پر بھی یہ امر مخفی رہا کہ صحابہ سے امام اعظم کی روایت کو نقل اور ثابت کرنے والے اولین حضرات ان کے ارشد تلامذہ ہی تھے۔ ہم نے جو چار منتخب روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے تین قاضی ابویوسف سے مروی ہیں اور وہ امام اعظم کے مشہور اور قابل صد فخر شاگرد ہیں اور شبلی صاحب کی دی ہوئی تلامذہ کی فہرست میں بھی موجود ہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ قول

ناقابلِ فہم ہے کہ" تلامذہ سے ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں ہے"۔

نیز متعدد محققین علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اوائل میں صحابہ سے روایت امام کو ثابت کرنے والوں میں ان کے تلامذہ ہی تھے چنانچہ ملا علی قاری امام کردری کے حوالے سے لکھتے ہیں :

قال الکردری جماعة من المحدثین انکروا ملاقاته مع الصحابة واصحابه اثبتوه بالاسانید الصحاح الحسان وهم اعرف باحواله منهم والمثبت العدل اولی من النافی (شرح مسند الامام للقاری ص ۲۰۵)	امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور ان کے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے ۔

اور مشہور محدث شیخ محمد طاہر ہندی کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

واصحابه یقولون انه لقی جماعة من الصحابة وروی عنهم (المغنی ص ۸۰)	امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ امام نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے۔ ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

اور حافظ بدرالدین عینی عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :

هو احد من رآه ابوحنیفة من الصحابة وروی عنه ولا یلتفت الی قول المنکر المتعصب وکان عمر ابی حنیفة حینئذ سبع سنین وهو سن التمییز هذا علی الصحیح ان مولد ابی حنیفة سنة ثمانین وعلی قول من قال سنة سبعین یکون عمره حینئذ سبعة عشرة سنة ویستبعد جدا ان یکون صحابی مقیما ببلدة وفی اهلها من لا رآه واصحابه اخبر بحاله وهم ثقات فی انفسهم۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۹۸)	عبداللہ بن ابی اوفیٰ ان صحابہ سے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت کی اور ان سے روایت کی ہے (قطع نظر کرتے ہوئے منکر متعصب کے قول سے) امام اعظم کی عمر اس وقت سات سال کی تھی کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ۔ اور بعض اقوال کی بنا پر اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی بہرحال سات سال عمر بھی فہم وشعور کا سن ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صحابی کسی شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے رہنے والوں میں ایسا شخص ہو جس نے اس صحابی کو نہ دیکھا ہو (اس بحث میں امام اعظم کے تلامذہ کی بات ہی معتبر ہے ، کیونکہ وہ ان کے احوال سے زیادہ واقف

ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کو نقل کرنے والے اور ابتدا میں اس کو شہرت دینے والے ان کے لائق تلامذہ ہی تھے۔ شبلی صاحب نے کہا ہے کہ ان کے شاگردوں نے اس بات کو نہیں بیان کیا لیکن چونکہ انہوں نے اس پر کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا اس لئے اس موضوع پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

امام اعظم کی روایت صحابہ پر بلحاظ درایت فکر و نظر

شبلی نعمانی کے انکار کی دوسری بنیاد اس امر پر ہے کہ حافظ ابوالمحاسن نے ان روایات کی اسناد پر جرح کی ہے لیکن بے شمار محدثین نے ان اسناد کی تعدیل بھی کی ہے۔ امام ابومعشر طبری اور حافظ سیوطی کا نام پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ محدث دارقطنی کے استاذ حافظ ابوحامد حضرمی، حافظ ابوالحسین بنیقی اور حافظ ابوبکر سرخسی یہ سب حفاظ حدیث اور جلیل القدر ائمہ فن ہیں جنہوں نے امام اعظم کی صحابہ سے مرویات پر باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ان روایات کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

نیز امام سخاوی لکھتے ہیں،

والثنائیات فی الموطا للامام مالک والوحدان فی حدیث الامام ابی حنیفۃ (فتح المغیث ص ۴۲۴)	امام مالک کی احادیث میں ثنائیات ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کی روایات میں وحدان ہیں۔

ثنائیات ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور راوی کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اور وحدان ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور راوی کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو۔ محدث سخاوی کا مطلب یہ ہے امام اعظم کی ایسی روایات بھی ہیں جن میں ان کے اور حضور کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور یہ واسطہ صحابہ کرام کا ہے پس ثابت ہوا کہ محدث سخاوی کے نزدیک امام اعظم کی صحابہ سے روایت ثابت ہے۔

اور صاحب بزازیہ ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:

لاینکر سماع الامام من ابن اوفی۔ (مناقب ابی حنیفۃ للکردری ج ۱ ص ۱۷)	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے امام اعظم کے سماع کا انکار نہیں ہو سکتا۔

حافظ بدرالدین عینی، امام کردری، ابومعشر شافعی، حافظ سیوطی، ابوبکر حضرمی، سرخسی، سخاوی اور ابن حجر ہیتمی مکی جیسے حفاظ اور ائمہ حدیث اور ماہرین فن کے اثبات کے بعد شبلی صاحب کے انکار کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ نیز اس سلسلہ میں بحث کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ امام اعظم کے بارے میں شوافع نے بھی کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں کچھ حضرات انصاف پسند

تھے لیکن بعض متعصب بھی تھے نیز امام اعظم کی صحابہ سے روایات جن سے اسناد ثابت ہیں، ان میں بعض راویوں پر اگرچہ جرح کی گئی ہے تاہم ان میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس کو باطل یا وضاع قرار دیا گیا ہو چنانچہ علامہ سیوطی اس باب میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

وحاصل ما ذکرہ هو وغیرہ الحکم علی اسانید ذالک بالضعف وعدم الصحۃ لا بالبطلان و حینئذ فسهل الامر فی ایرادها لان الضعیف یجوز روایته ویطلق علیه انه وارد	حافظ عسقلانی اور دوسرے ناقدین نے ان اسانید پر ضعف کا حکم کیا ہے بطلان یا وضع کا نہیں اور اب بات آسان ہے کیونکہ حدیث ضعیف کی روایت جائز ہے اور اس پر روایت کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔

(تبییض الصحیفہ (ص ۶)

اور قوت وضعف ایک اضافی وصف ہے جو شخص بعض کے نزدیک ضعیف ہے دوسرے اس کو قوی خیال کرتے ہیں کیونکہ رجال سے بحث کرنے والے حضرات بھی مختلف آرا رکھتے ہیں مشکل سے ہی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی جرح یا تعدیل پر سب کا اتفاق ہو۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ چھ سو پچیس راوی ایسے ہیں جو امام مسلم کے نزدیک لائق استدلال ہیں اور امام بخاری ان سے روایت نہیں لیتے۔ جابر جعفی کوفہ کا ایک مشہور راوی تھا جسے دعوی تھا کہ اسے پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں، اس کے بارے میں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے جابر سے زیادہ کسی کو حدیث میں محتاط نہیں دیکھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ جب جابر اَخْبَرَنَا وَحَدَّثَنَا کہے تو وہ سب سے زیادہ معتمد ہے۔ وکیع کا قول ہے کہ جابر کی ثقاہت میں شک نہیں، اس کے برخلاف ابن معین کہتے ہیں کہ جابر کذاب ہے۔ نسائی نے کہا وہ متروک ہے، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جابر کی باتیں سنکر مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر جائے۔

الغرض جرح وتعدیل ایک ظنی چیز ہے اور محض بعض لوگوں کی تضعیف کی بنا پر امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایات کو ساقط الاعتبار قرار دینا زیادتی ہے خصوصاً جبکہ ان سندوں کا کوئی راوی عسقلانی اور سیوطی کی تصریح کے مطابق باطل اور وضاع نہیں ہے۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایات قرائن عقلیہ کی روشنی میں

شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کی ہیں، لکھتے ہیں :۔

" میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے۔ محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لئے کم از کم کتنی عمر مشروط ہے؟ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی

تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۷ تا ۴۹

درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنیٰ روایت کی گئی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے، غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابو حنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔"

اس سلسلہ میں اولاً تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہلِ کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماعِ حدیث کے لئے کم از کم بیس سال عمر درکار ہے کونسی یقینی روایت سے ثابت ہے؟ امام صاحب کی مرویات صحابہ کے لئے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہلِ کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایت کے کیسے مان لیا گیا، ثانیاً یہ قاعدہ خود خلافِ حدیث ہے کیونکہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے متیٰ یصح سماع الصغیر کا باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال کی عمر میں سُنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر حضور کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے، پس روایتِ حدیث کے لئے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقۂ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے اربابِ علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالثاً بر تقدیرِ تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہلِ کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا، اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ملتی، اغلب اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ جب علمِ حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہو گیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہو گئیں اور وسیع پیمانے پر آثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی، اس وقت اہلِ کوفہ نے اس قید کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا تاکہ ہر کس وناکس حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کر دے یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہدِ صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں بن گئیں اور ان میں داخلہ کے لئے قوانین اور عمر کا تعین بھی ہو گیا تھا۔

رابعاً اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں قائم ہو گئی تھیں اور ان کے ضوابط اور قوانین بھی وضع کئے جاچکے تھے تو ان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماعِ حدیث کے لئے تو بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرتِ انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تو مقرر تھے نہیں کہ ان سے سماعِ حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامساً بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لئے، لیکن اگر کوفہ کا کوئی رہنے والا بصرہ جاکر صحابہ سے سماعِ حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثر انداز ہو گی؟ حضرت انس بصرہ میں رہتے تھے اور امام اعظم ان کی زندگی میں بارہا بصرہ گئے اور

ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایت حدیث کی ہوگی!

سادساً اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کر لیا جائے تو بھی یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجود مسعود نوادر روزگار اور مغتنمات عصر میں سے تھا، ان سے ازراہ تبرک و تشرف احادیث کے سماع کے لئے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میری عمر بیس سال کو پہنچے تو میں ان سے جا کر ملاقات اور استماع حدیث کروں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اور امام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اور حضرت انس سے مل کر ان سے سماع حدیث کر کے نہ آئے ہوں، راوی اور مروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہو جائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے، یہاں معاصرت کی بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جا رہا ہے۔

الحمد للہ العزیز! کہ ہم نے اصول روایت و درایت اور قرائن عقلیہ کی روشنی میں اس امر کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام سے روایت حدیث کا شرف حاصل تھا اور اس سلسلے میں جتنے اعتراضات کئے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کر لی ہے، اس کے باوجود بھی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے، ہم اسے منوانے کے لئے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔

تنبیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تبرکاً چند احادیث کی روایت کے علاوہ امام اعظم نے اپنے زمانے کے مشاہیر اساتذہ اور افاضل شیوخ سے احادیث کا سماع کیا اور ان سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام اعظم کے شیوخ میں عطاء بن ابی رباح، علقمہ بن مرثد، حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتیبہ، سعید بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری، ابو سفیان بصری، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور دیگر مشاہیر محدثین کا ذکر کیا ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے امام مالک سے بھی سماع حدیث کیا ہے اور ان کی شاگردی اختیار کی ہے۔ تعجب ہے کہ شبلی نعمانی بھی اس غلطی کا شکار ہو گئے چنانچہ لکھتے ہیں:

"امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک ان سے عمر میں تیرہ برس کم تھے ان کے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔" (سیرۃ النعمان ص ۵۶)

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۴۷۸، [2] مناقب ابی حنیفہ، ج ۱، ص ۶

پھر حافظ ذہبی سے نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

" امام مالک کے سامنے ابو حنیفہ اس طرح مؤدب ہو کر بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ امام مالک خود امام اعظم کے شاگرد تھے اور ان کی تصانیف سے علمی استفادہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی اور دارقطنی نے صرف دو روایتیں ایسی پیش کی ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امام اعظم نے امام مالک سے روایت کی ہیں لیکن خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایتیں صحیح سند سے مروی نہیں ہیں اور امام اعظم کی امام مالک سے روایت قطعاً ثابت نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

لم تثبت روایۃ ابی حنیفۃ عن مالک و انما اوردھا الدارقطنی ثم الخطیب روایتین وقعتا لہما باسنادین فیہما مقال. (النکت علی ابن الصلاح)	امام ابو حنیفہ کی امام مالک سے روایت ثابت نہیں ہے۔ دارقطنی اور خطیب نے اس بات کا دعویٰ دو روایتوں کی وجہ سے کیا ہے جن کی اسناد میں خلل ہے۔

اور اس خلل کا بیان حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کیا ہے کہ ان سندوں میں عمران بن عبدالرحیم نامی ایک شخص ہے اور یہ وضاع تھا چنانچہ لکھتے ہیں:

ھو الذی وضع حدیث ابی حنیفۃ عن مالک (میزان الاعتدال، ج۲، ص ۲۷۸)	یہی وہ شخص ہے جس نے امام ابو حنیفہ کی امام مالک سے روایت وضع کی ہے۔

دراصل حماد بن ابی حنیفہ جو امام اعظم کے صاحبزادے تھے انہوں نے امام مالک سے روایتِ حدیث کی ہے، بعض سندوں سے حماد کا لفظ رہ گیا ہو گا جس سے یہ غلط فہمی ہوئی اور اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا ہو گئے۔

مرویاتِ امامِ اعظم کی تعداد

چونکہ بعض اہلِ ہوا یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اس لئے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا کتنا وافر ذخیرہ تھا

حضرت ملا علی قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا و سبعین الف حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث (مناقب علی القاری بذیل الجواہر، ج۲، ص۴۷۳)	امام ابو حنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے

اور صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں :

و انتخب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)	امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظمؒ کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث میں امام اعظم کا مقام

ممکن ہے کہ کوئی شخص کہدے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ ایک ہی متن حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں اسے سو حدیثیں کہا جاتا ہے حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہوگا۔ منکرین حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضورؐ کی پوری رسالت کی زندگی کے شب و روز پر ان کو تقسیم کیا جائے تو یہ احادیث حضورؐ کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قابل تسلیم ہوگی لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں :

ان جملۃ الاحادیث المسندۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکرار اربعۃ الاف و اربع مائۃ	بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

(توضیح الافکار ص ۳۰)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل وقفہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں بکثرت احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم نہ تھا نہیں۔ اس لئے امام اعظم اور بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے نفس روایات کا نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث

کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسناد کے ساتھ مل سکتی تھیں، امام اعظم نے ان تمام طرق واسانید کے ساتھ ان احادیث کو حاصل کر لیا تھا اور حدیث واثر کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے تمام محدثین پر ادراکِ حدیث میں فائق اور غالب تھے چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں:

طلبنا مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنا و اخذنا فی الزھد فبرع علینا و طلبنا معہ الفقہ فجاء منہ ما ترون۔ (مناقب ابی حنیفۃ للذھبی ص ۲۷)	میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم سب پر غالب رہے۔ اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسیٰ اپنے استاد امام ابو عبد الرحمٰن مقری سے روایت کرتے ہیں:

وکان اذا حدث عن ابی حنیفۃ قال حدثنا شاھنشاہ۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۵)	امام مقری جب امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فنِ حدیث میں تمام پر فائق اور غالب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اصطلاحِ حدیث میں حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور کی تمام مرویات پر متناً و سنداً دسترس رکھتا ہو۔ مراتبِ محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

امام اعظم کے مقام حدیث پر ایک شبہ کا ازالہ

گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا تکرار احادیثِ مرویہ کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔ اور امام حسن[1] بن زیاد کے بیان کے مطابق امام اعظم نے جو احادیث بلا تکرار بیان فرمائی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ پس امام اعظم کے بارے میں حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعویٰ کیسے صحیح ہوگا! اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار احادیث

---

[1] مناقب موفق، ج ۱، ص ۹۶

کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امام اعظم کو علم بھی نہ ہو کیونکہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

خیال رہے کہ امام اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جن سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے عمل کا ایک راستہ متعین فرمایا ہے جنہیں عرف عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حدیث کا مفہوم سنت سے عام ہے کیونکہ احادیث کے مفہوم میں وہ روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک آپ کی قلبی واردات، خصوصیات، گذشتہ امتوں کے قصص اور مستقبل کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام و مسائل کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امام اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیل سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں جو احکام سے متعلق نہیں ہیں لیکن یہاں بیان کی نفی ہے، علم کی نہیں۔

فن حدیث میں امام اعظم کا فیضان

امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقہ درس میں سماع حدیث کے لئے حاضر ہوتا، علامہ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ امام اعظم سے حدیث کا سماع کرنے والے مشہور حضرات میں حماد بن نعمان، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب، زفر بن ہذیل، قاضی ابو یوسف، عیسیٰ بن یونس، وکیع، یزید بن زریع، اسد بن عمرو، خارجہ بن مصعب، محمد بن بشر، عبدالرزاق، محمد بن حسن شیبانی، مصعب بن مقدام، ابو عبدالرحمن مقری، ابو نعیم، ابو عاصم اور دیگر یگانہ روزگار افراد شامل تھے۔

حافظ ابن عبدالبر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وکان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفۃ حدیثا کثیرا۔	وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔ امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

لہ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۴۴۹

ف لزم اباحنیفۃ رحمہ اللہ وسمع منہ الحدیث — انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لئے ابوحنیفہ کے درس کو لازم کرلیا تھا۔

(مناقب موفق، ج ۱، ص ۲۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔ اور یہ صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ ان حوالوں سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے۔ ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

علم حدیث میں امام اعظم کی تصنیف

متقدمین میں تصنیف و تالیف کے لئے آج کل کا مروجہ طریقہ معمول نہیں تھا بلکہ ان کی تصانیف املائی تصانیف کی صورت میں ہوتی تھیں جن کو ان کے لائق اور قابل فخر تلامذہ شیوخ کی تعلیم اور تدریس کے وقت تحریر میں لے آتے تھے اور پھر وہ تصانیف ان شیوخ کی طرف ہی منسوب کی جاتی تھیں چنانچہ احکام الاحکام جو ابن دقیق العید کی تصنیف قرار دی جاتی ہے، اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کو اپنے تلمیذ رشید قاضی اسمٰعیل سے املا کرایا ہے۔ اسی طرح امام اعظم درس حدیث کے وقت جو احادیث بیان کرتے ان کے لائق اور قابل صد افتخار تلامذہ قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیادہ ان روایات کو حدثنا اور اخبرنا کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لے آتے تھے۔

امام اعظم نے اپنی بیان کردہ احادیث کو املا کرانے کے بعد اس مجموعہ کا نام کتاب الآثار رکھا، امام اعظم کے تلامذہ چونکہ کثیر التعداد تھے اس لئے کتاب الآثار کے نسخے بھی بہت زیادہ ہو گئے لیکن مشہور نسخے چار ہیں: (۱) کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف (۲) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۳) کتاب الآثار بروایت امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایت حسن بن زیاد۔ لیکن ان تمام نسخوں میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے۔

تاریخ کے مستند اساتذہ، محققین اہل نظر اور علماء ربانیین امام اعظم کی تصنیف حدیث کو سب ہی مانتے ہیں لیکن شبلی صاحب امام اعظم کی تصنیف کا صاف انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہی مفصلہ بالا کتابوں (جن میں کتاب الآثار بھی ہے) کو شہادت پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔"
>
> (سیرۃ النعمان ص ۱۲۲)

عقائد، حدیث اور فقہ، ان تمام موضوعات پر امام اعظم کی تصانیف موجود ہیں، سردست ان تمام موضوعات سے بحث ہمارے عنوان سے خارج ہے اس لئے ہم صرف حدیث کے موضوع پر امام اعظم کی شہرۂ آفاق تصنیف "کتاب الآثار" کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں

شبلی صاحب نے اس بارے میں صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ اس کا انتساب امام اعظم کی طرف کرنا مشکل ہے لیکن اس انکار یا اشکال پر نہ تو انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی عقلی دلیل پیش کی ہے لہذا ہمارے لئے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ ہم "کتاب الآثار" کے ثبوت پر تاریخی شہادتیں جمع کر دیں۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

روی الآثار عن نبل ثقات غزار العلم مشیخۃ حصیفہ

(ترجمہ) امام اعظم نے "الآثار" کو ثقہ اور معتبر لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

(مناقب موفق ج ۲ ص ۱۹۱)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفردا انما هو کتاب الآثار التی رواہ محمد بن الحسن (تعجیل المنفعۃ برجال الائمۃ الاربعۃ ص ۴)

اور اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے "کتاب الآثار" موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔

اور امام عبدالقادر حنفی امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ وهو مجلد ضخم (الجواهر ج ۲، ص ۳۲۵)

امام یوسف نے (اپنے والد ابو یوسف کے واسطے سے) امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے جو کہ ایک ضخیم جلد ہے۔

مسانید امام اعظم

کتاب الآثار میں امام اعظم نے اپنے جن شیوخ سے احادیث کو روایت کیا ہے اور ہیں لوگوں نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کر کے مسانید کو ترتیب دیا۔ اس طرح امام اعظم کے ہر شیخ کی مرویات الگ الگ کتاب کی صورت میں جمع ہو گئیں اور بعد میں وہ مسند ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

قاضی ابو یوسف، امام محمد، ابو بکر احمد بن محمد، حافظ عمر بن حسن، حافظ ابو نعیم اصبہانی، حافظ ابو الحسن، حافظ ابو محمد عبداللہ اور امام ابو القاسم وغیرہم حضرات نے امام اعظم کی مسانید کو ترتیب دیا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی مسانید امام اعظم کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

وقد من اللہ علی بمطالعۃ مسانید الامام ابی حنیفۃ الثلاثۃ فرأیتہ لا یروی حدیثا

اللہ تعالے نے مجھ پر احسان کیا کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کیا، پس میں نے دیکھا کہ امام اعظم

الا عن اخبار التابعین العدول الثقات الذین	ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں
ھم من خیر القرون بشہادۃ رسول اللہ صلی	کرتے جن کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون
اللہ علیہ وسلم کالاسود وعلقمۃ وعطاء	ہونے کی شہادت دی جیسے اسود، علقمہ، عطاء،
وعکرمۃ ومجاھد ومکحول والحسن البصری	عکرمہ، مجاہد، مکحول، اور حسن بصری وغیرہم
وامثالھم رضی اللہ عنھم اجمعین فکل الرواۃ	پس امام اعظم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
الذین ھم بینہ وبین رسول اللہ صلی اللہ	کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ اور مشہور
علیہ وسلم عدول ثقات اعلام اخیار لیس	اخیار میں سے ہیں جن کی طرف کذب کی نسبت بھی
فیھم کذاب ولا متھم بکذب	نہیں کی جا سکتی اور نہ وہ کذاب ہیں۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱، ص ۶۸)

قبولِ حدیث میں امام اعظم کی شرائط

روایتِ حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بہت زیادہ محتاط تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات سے بہت کم حدیثیں روایت کی گئی ہیں اور قبولِ حدیث کے معاملہ میں بھی یہ حضرات بہت سخت تھے، جب تک کسی حدیث پر اچھی طرح اطمینان نہ ہو جاتا اس وقت تک یہ لوگ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے امام اعظم بھی اسی مکتبِ فکر سے متاثر اور اسی کے پیرو کار تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوسرے محدثین کی طرح بے تحاشا روایت نہیں کی۔

امام اعظم نے احادیث کو قبول کرنے کے لئے بڑی کڑی شرطیں عائد کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مقرر فرمائے ہیں وہ آپ کی دور رس نگاہ اور تفقہ پر مبنی ہیں۔ یہ شروط اور قواعد باقاعدہ منضبط نہیں ہیں، علمائے احناف نے ان میں سے اکثر کو آپ کے بیان کردہ مسائل سے مستنبط کیا ہے۔ ہمیں مختلف کتابوں کے تتبع سے جس قدر قواعد حاصل ہو سکے انہیں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ امام اعظم ضبطِ کتاب کی بجائے ضبطِ صدر کے قائل تھے اور صرف اسی راوی سے حدیث لیتے تھے جو اس روایت کا حافظ ہو (مقدمہ ابن صلاح)

۲۔ صحابہ اور فقہاء تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت بالمعنی کو قبول نہیں کرتے تھے (شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری)

۳۔ امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں بلکہ اتقیاء کی ایک جماعت نے صحابہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

۴۔ معمولاتِ زندگی سے متعلق عام احکام میں امام ابوحنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔ (الخیرات الحسان)

۵۔ جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو (یعنی اس سے اسلام کے کسی مسلّم اصول کی مخالفت لازم آتی ہو) وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

۶۔ جو حدیث خبرِ واحد ہو اور وہ قرآنِ کریم پر زیادتی یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو امام صاحب کے نزدیک وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

۷۔ جو خبرِ واحد صریح قرآن کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

۸۔ جو خبرِ واحد سنتِ مشہورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (احکام القرآن)

۹۔ اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مقبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ مخالفت یا تو راوی میں طعن کا موجب ہوگی یا نسخ کے سبب سے ہوگی۔ (نبراس)

۱۰۔ جب ایک مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم محرم کے مقابلہ میں مبیح کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

۱۱۔ ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات تو اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ نفی کرنے والا واقعہ کو اصل حال پر محمول کرکے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا اپنے مشاہدہ سے امر زائد کی خبر دے رہا ہے۔ (حسامی)

۱۲۔ اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امام اعظم حکم عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

۱۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول یا فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے صحابی کے خلاف کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ (عمدۃ القاری)

۱۴۔ خبرِ واحد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو آثارِ صحابہ پر عمل کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یا وہ منسوخ ہو چکی ورنہ حضور کے صحیح اور صریح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہ کرتی۔ (الخیرات الحسان)

۱۵۔ ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔ (فتح القدیر)

۱۶۔ اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہوں کہ ایک میں قلت وسائط سے ترجیح ہو اور دوسری میں کثرتِ تفقہ تو کثرتِ تفقہ کو قلتِ وسائط پر ترجیح دی جائے گی۔ ([illegible])

۱۷۔ کوئی حد یا کفارے کے بیان میں وارد ہو اور وہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو تو قبول نہیں ہوگی کیونکہ حدود اور کفارات شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ (الخیرات الحسان)

۱۸۔ جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن کیا گیا ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

امام اعظم کے بیان کئے ہوئے بے شمار مسائل میں سے یہ چند اصول و قواعد کا استخراج ہے ورنہ روایات کے قبول و رد میں امام اعظم کی تمام شروط کا احصار کرنا بے حد مشکل ہے۔ بہرحال ان قواعد سے امام اعظم کی جس عمیق نظر، اصابت فکر اور گہری ضیا کا پتہ چلتا ہے وہ اہلِ فہم پر مخفی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعد میں آنے والے محدثین میں سے اکثر نے امام اعظم کی شرطوں کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے۔ اور اگر تعصب کو چھوڑ کر تمام محدثین امام اعظم کی قائم کردہ شروط پر متفق ہو جاتے تو آج ہمارا ذخیرۂ احادیث مطعون اور موضوع روایات سے اصلاً بے غبار ہوتا۔

مخالفتِ حدیث کا الزام اور اس کی حقیقت

بعض انتہا پسند حضرات امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بالکلیہ احادیث کی مخالفت کا الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کے علی الرغم اپنی رائے اور قیاس پر عمل کرتے تھے۔ ایسے ہی لوگ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام اہل الرائی کہتے ہیں۔ یہ بات تو ہم انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر بتائیں گے کہ اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو کون ترک کرتا ہے۔ سرِدست یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ حدیثِ ضعیف کے مقابلہ میں بھی صریح قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ اعلام الموقعین میں ابن قیم، ابن حزم ظاہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ حدیثِ ضعیف کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور الخیرات الحسان میں ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام اعظم مراسیل کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

عام مخالفین یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم نے بعض حدیثوں کی مخالفت کی ہے اور صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کیا ہے ایسی تمام احادیث پر گفتگو تو اس مختصر مقالہ میں بے حد مشکل ہے ہم چند اُن احادیث کو بحث میں لا رہے ہیں جن پر مخالفین زیادہ زور دیتے ہیں۔

حدیث بیع مصراۃ

عرب میں رواج تھا کہ اونٹنیوں کا دودھ کئی دن تک نہ دوہا کرتے تاکہ اس کے تھنوں میں دودھ جمع ہوتا رہے اور بوقت فروخت زیادہ دودھ نکل سکے۔ ایسے جانور کو وہ لوگ "مصراۃ" کہتے تھے خریدار زیادہ دودھ دیکھ کر اس جانور کو بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر لے جاتا لیکن بعد میں اس سے اتنا دودھ حاصل نہ ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لے صحیح بخاری، ج۱، ص ۲۸۸

"بکریوں اور اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ جس شخص نے ایسی بکری یا اونٹنی کو خریدا تو وہ دودھ دوہنے کے بعد مختار ہے یا اسے اسی قیمت پر رکھ لے یا اس کو واپس کر دے اور استعمال شدہ دودھ کے عوض ایک صاع[1] کھجوریں بھی دے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خریدار اس جانور کو واپس نہیں کر سکتا البتہ دودھ کے سلسلہ میں اس سے جو دھوکہ کیا گیا ہے اس وجہ سے اس جانور کی قیمت بازار کے نرخ کے مطابق کم کی جائیگی اور باقی رقم وہ فروخت کنندہ سے واپس لے گا۔

امام اعظم کے اس حدیث پر عمل نہ کرنے کے متعدد وجوہ ہیں۔ اولین وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور صریح قرآن کے مخالف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم جس کا مفاد یہ ہے کہ کسی شی کے بدلہ میں تجاوز کرنا ناجائز ہے اور صورتِ مذکورہ میں اگر ایک صاع کھجوریں مستعمل دودھ سے زیادہ ہوں تو فروخت کنندہ کی طرف سے تجاوز ہے اور اگر کم ہوں تو خریدار کی طرف سے۔

ثانیاً یہ حدیث سنتِ مشہورہ کے خلاف ہے۔ ترمذی میں ہے الخراج بالضمان جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاوان بقدرِ ذمہ لیا جائے گا اور اس شکل میں جو تاوان لیا جا رہا ہے وہ بقدرِ ذمہ نہیں بلکہ اصل ذمہ سے کم یا زیادہ ہے۔ ثالثاً ابن التین نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ بعض روایات میں ایک صاع کھجوروں کا ذکر ہے، بعض میں ایک صاع طعام کا، بعض میں دودھ کی مثل دودھ کا اور بعض میں دودھ کے بدلے میں دگنے دودھ کا ذکر ہے۔ رابعاً عیسیٰ بن ابان نے کہا ہے کہ دودھ کے بدلہ میں کھجوریں بمنزلہ بدلِ قرض ہیں۔ ابتداءِ اسلام میں بدلِ قرض میں زیادتی جائز تھی بعد میں جب قرآن نے اباحتِ سود کو منسوخ کر دیا تو اس حدیث کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

بہرحال بیعِ مصراۃ کے سلسلہ میں امام اعظم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ قرآنِ کریم اور احادیثِ مشہورہ کے مطابق ہے اور حضرت ابوہریرہ کی روایت یا منسوخ ہے اور یا مضطرب اور معلول ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔

تازہ کھجوروں کی بیع چھواروں کے عوض

امام اعظم تازہ کھجوروں اور چھواروں کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا جائز قرار دیتے تھے لیکن حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اہلِ بغداد امام اعظم سے اس حدیث کی مخالفت کے سبب شاکی رہتے تھے۔ جب آپ بغداد گئے تو ان لوگوں نے اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی آپ نے فرمایا بتاؤ تازہ کھجوریں چھواروں کی جنس سے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ چھواروں کی جنس سے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] صاع چار سیر۔

[2] فتح القدیر ج ۵، ص ۲۹۲

حدیث مشہور التمر بالتمر (چھواروں کی بیع چھواروں کے عوض ہا رہے) کے تحت اسے جائز ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ چھواروں کی جنس سے نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم (جب جنس بدل جائے تو جسطرح چاہو فروخت کرو) کے تحت اس بیع کو جائز ہونا چاہیئے! اہل بغداد نے عاجز آ کر وہ حدیث پیش کی جسمیں تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے! امام اعظم نے فرمایا یہ حدیث زید بن عیاش پر موقوف ہے اور اس کی روایت نامقبول ہے۔

چار سے زیادہ ازدواج کا مسئلہ

اگر کسی کی چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا پہلی چار بیویوں سے نکاح صحیح ہے اور ان کے بعد جن عورتوں سے نکاح کیا ہے وہ باطل ہے، لیکن امام ترمذی کی روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں اور وہ سب اُن کے ساتھ مسلمان ہو گئیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ اُن میں سے جن چار کو چاہو اختیار کر لو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کا مسلک حدیث کے خلاف ہے۔

امام صاحب کی اس حدیث کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع، پس از روئے قرآن پہلی چار عورتوں سے نکاح جائز ہوا اور بعد کی عورتوں سے ناجائز، لہٰذا کوئی شخص پانچویں یا چھٹے درجہ کی بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، اور حدیث شریف اس آیت کے نزول سے پہلے کے زمانہ پر محمول ہے اور یا یہ اس شخص کی خصوصیت تھی اور یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمومی اختیار سے غیلان بن سلمہ کو اس عام حکم سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔

امام اعظم پر جن احادیث کی مخالفت کا حکم لگایا جاتا ہے ان سب کی یہی حقیقت ہے کیونکہ جن احادیث پر امام اعظم عمل نہیں کرتے وہ یا تو کسی فنی عیب کی بنا پر نامقبول ہوتی ہیں یا منسوخ ہوتی ہیں اور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر مبنی ہوتی ہیں۔

روایات میں تطبیق

فنِ حدیث میں امام اعظم کے کمالات میں سے ایک عظیم کمال یہ ہے کہ آپ مختلف اور متعارض روایات میں بکثرت تطبیق دیتے تھے اور مختلف و متناقض روایتوں کا محل اسطرح الگ الگ بیان کر دیتے تھے کہ منشاء رسالت نکھر کر سامنے آ جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا، اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی، میں سے ہر ایک کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے، اور ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ان متعارض حدیثوں کو جمع کیا اور فرمایا، مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر تھے، عورتوں میں سے حضرت خدیجہ اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

سفر میں روزہ کے بارے میں بھی احادیث مختلف ہیں۔ بعض میں مسافر کے لئے روزہ کو نیکی قرار دیا ہے اور بعض میں نیکی کے منافی اور بعض میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے۔ امام اعظم نے ان تمام روایات میں تطبیق دی ہے اور فرمایا اگر سفر آرام دہ ہو تو روزہ رکھنا یقیناً بہتر ہے اور اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور اگر سفر معتدل ہو تو مسافر کو اختیار ہے، روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

کُتّے کے جھوٹے برتن میں بھی حضرت ابوہریرہ سے مختلف روائتیں آئی ہیں بعض میں حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کُتّے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے اور بعض میں کہتے ہیں کہ حضور نے تین بار دھونے کا حکم فرمایا ہے۔ امام اعظم دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تین بار دھونے کا حکم وجوب پر اور سات بار کا حکم استحباب پر محمول ہے۔

روایات میں فرقِ مراتب امام اعظم ابوحنیفہ وہ واحد اور منفرد شخص ہیں جنہوں نے قرآنِ کریم اور احادیث طیبہ میں فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھا، چنانچہ قرآن اور حدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور باہم روایات میں بھی متواتر، مشہور اور فرد کے فرق کو قائم رکھتے ہیں پس تعارض کے وقت پہلے متواتر پھر مشہور اور پھر اس کے بعد فرد کو درجہ دیتے ہیں، اور حدیث فرد اگرچہ ضعیف بھی ہو پھر بھی اس کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

حرفِ آخر

امام اعظم نے حدیث کی تمام انواع و اقسام پر اجتہادی نوعیت سے کام کیا ہے، بصیرت افروز راہنما اصول قائم کئے ہیں اور محض روایتی انداز سے سماعِ حدیث کرنے والوں کو عقل و آگہی کی روشنی دی ہے، ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر نہ جانے کتنے افراد دنیائے علم و فضل میں اَمَر ہو گئے۔ ان کے تلامذہ کی عظمت کا بھی یہ عالم تھا کہ انہوں نے ذرّوں کو اٹھایا تو رشکِ ماہتاب بنا دیا، یہ حنفی سلسلہ کی کڑیاں تھیں جو احادیثِ رسول سے قرناً فقرناً ائمہ و مشائخ کے سینوں کو منوّر کرتی چلی گئیں، سلام ہو اس امام پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں، آفریں ہو اس کی فکرِ صائب پر جس نے اسلامی علوم کو رعنائیاں دیں آج دینی علوم کے تمام شعبوں میں انہیں کے فیض کے دھارے بہ رہے ہیں، جب تک علم کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا جب تک درس گاہوں میں فقہ و حدیث کا چرچا رہے گا زمانہ ابوحنیفہ کو سلام کرتا رہے گا۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

لہ حواشی صواعقِ محرقہ، ص ۷۶

امامِ اعظم اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم

مولانا عبد الحکیم شرف قادری
صدر مدرس دار العلوم جامعہ نظامیہ لاہور

ملتِ اسلامیہ کی کامیابی کا راز کتاب وسنت کی پیروی میں مضمر ہے لیکن احکامِ شریعت کا استنباط ہر کس و ناکس کا کام نہیں ورنہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (الآیۃ) سے اہلِ علم کی طرف رجوع کا حکم نہ دیا جاتا، ائمہ مجتہدین کی پیروی اور تقلید کا باعث یہی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے اسرار و غوامض سے باخبر تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتِ اجتہادی سے کام لیکر مسائل واحکام کی وضاحت کی اور اہلِ اسلام کے لیے اتباعِ شریعت کا راستہ آسان کر دیا، کوئی مسلمان بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ہم جن کی تقلید کرتے ہیں انہوں نے کچھ احکام قرآن وحدیث کے مقابل اختراع کیے اور امتِ مسلمہ نے انہیں خوش دلی سے قبول کیا۔ غیر مقلدین اس مسلّمہ حقیقت سے اغماض کر کے آئے دن مقلدین پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے رہتے ہیں حالانکہ اگر وہ نظرِ انصاف سے دیکھیں تو انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ علماء مقلدین سے انحراف کر کے وہ امورِ دینیہ اور مسائلِ علمیہ میں دو قدم بھی نہیں چل سکتے۔

یوں تو قرونِ سابقہ میں کثیر التعداد مجتہد ہوئے مثلاً ائمہ اربعہ کے علاوہ سفیان ثوری، امام ابو اللیث، امام اعمش، امام شعبی، امام عبد الرحمٰن اوزاعی، امام سفیان بن عیینہ اور امام اسحٰق وغیرہم (قدست اسرارہم) لیکن یہ شرف صرف ائمہ اربعہ کے حصہ میں آیا کہ ان کے مذاہب مدوّن طور پر اب تک موجود ہیں[1] اور ان کے متبعین اکنافِ عالم میں کسی نہ کسی جگہ پائے جاتے ہیں اسی لئے اہلِ علم نے فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت کو اس دور میں مذاہبِ اربعہ میں منحصر قرار دیا ہے۔ علامہ احمد طحطاوی فرماتے ہیں:

ھذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی	اہلِ سنت کا ناجی گروہ اس وقت چار مذہبوں
مذاھب اربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون	میں مجتمع ہے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اللہ

---

[1] عبد الوہاب شعرانی، امام: المیزان الکبریٰ (مطبوعہ مصر، طبع اول) جلد ۱، ص ۵۴

والحنبليين رحمهم الله تعالیٰ ومن کان خارجاً عن هذه الاربعة في هذا الزمان فهو من اهل النار والبدعة [1]

تعالیٰ ان مذہب والوں پر رحمت فرمائے، اس زمانے میں جو شخص ان چار مذہبوں سے باہر ہو وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں :

اعلم ان الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة [2]

مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم فائدہ ہے اور ان کے ترک کر دینے میں بہت بڑا فساد ہے۔

اس سے ائمہ اربعہ کی جلالت شان کا پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف وہ خود حق پر تھے بلکہ ان کا پیرو ہونا اہل حق کی علامت قرار دیا ہے تاہم امام الائمہ، سراج الامہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت تمام ائمہ میں ارفع و اعلیٰ مقام رکھتی ہے، انصاف پسند حضرات نے شرح صدر کے ساتھ آپ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا ہے مثلاً :

- بخدا ! میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا، اگر وہ دعویٰ کرنے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو عقلی دلیل سے اسے ثابت کر دکھاتے۔ (امام مالک)
- تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں۔ (امام شافعی)
- امام ابو حنیفہ زہد و تقویٰ اور اختیار آخرت میں ایسے مقام پر فائز تھے جسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کر سکتا۔ (امام احمد)
- امام ابو حنیفہ وہ روشن ستارا ہیں جس سے رات کا راہرو ہدایت پاتا ہے اور ایسا علم ہیں جسے ایمانداروں کے دل قبول کرتے ہیں۔ (امام داؤد طائی) [3]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدد وجوہ سے دیگر ائمہ مجتہدین پر فضیلت و شرافت رکھتے ہیں، ذیل میں بعض وجوہ پیش کی جاتی ہیں :

(۱) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں آپ کی بشارت دی اور فرمایا :

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام : الفضل الموہبی (طبع حزب الاحناف لاہور) ص ۲۳ (بحوالہ حاشیہ در مختار للعلامۃ الطحطاوی)

[2] ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ : عقد الجید (مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۴۴ھ)، ص ۳۱

[3] ابن حجر مکی شافعی، امام : الخیرات الحسان، عربی (مطبوعہ رضوی کتب خانہ، لاہور)، ص ۴۲، ۴۸

لو كان العلم عند الثريا لذهب به رجل من فارس ۱

اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو (ملک) فارس کا ایک مرد اسے حاصل کر لیتا۔

امام جلال الدین سیوطی یہ روایت الفاظِ مختلفہ سے بیان کرکے فرماتے ہیں:

فهذا اصل صحيح يعتمد عليه في البشارة و الفضيلة نظير الحديثين الذين في الامامين و يستغنى به عن الخبر الموضوع ۲

بشارت وفضیلت کے سلسلے میں یہ حدیث معتمد علیہ ہے ان دو حدیثوں کی طرح جو امام مالک اور امام شافعی کے بارے میں ہیں، اس کے ہوتے ہوئے کسی موضوع روایت کی ضرورت نہیں۔

علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی (صاحب سیرت) فرماتے ہیں کہ شیخ کا یہ فرمانا بلاشک وشبہ صحیح ہے کہ اس حدیث کا اشارہ امام اعظم کی طرف ہے کیونکہ اہلِ فارس میں سے کوئی بھی ان کے مبلغ علم کو نہیں پہنچ سکا۔ ۳

ایک دوسری حدیث میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ترفع زينة الدنيا سنة خمسين و مائة۔

۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت اٹھالی جائے گی۔

امام شمس الائمہ الکردری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محمول ہے کیونکہ آپ کی وفات اسی سن میں ہوئی۔ ۴

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بشارت ہے:

يوشك ان يضرب الناس اكباد الابل يطلبون العلم فلا يجدون احدا اعلم من عالم المدينة۔ ۵

قریب ہے کہ لوگ طلبِ علم میں اونٹوں کو مشقت میں مبتلا کریں گے تو انہیں "عالم مدینہ" سے بڑا عالم کوئی نہ ملے گا۔

---

۱ مسلم بن الحجاج القشیری، امام : صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۳۱۲

۲ جلال الدین السیوطی، امام : تبییض الصحیفہ (مطبوعہ حیدر آباد دکن)، ص ۳

۳ ابن عابدین الشامی، علامہ : رد المحتار، جلد ۱، ص ۴۹

۴ ابن حجر مکی شافعی، امام : الخیرات الحسان، عربی، ص ۲۱

۵ جلال الدین السیوطی، امام : تبییض الصحیفہ، ص ۳

اسی طرح امام شافعی قدس سرہ کے بارے میں یہ بشارت وارد ہے :

لاتسبوا قریشا فان عالمها یملأ الارض علما ۔ [1]	قریش کو گالی نہ دو کیونکہ ان کا ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا ۔

امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رفعتِ شان سے کوئی باہوش انکار نہیں کر سکتا اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ حدیثیں ان حضرات پر محمول ہو سکتی ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حدیثیں کسی اور پر محمول نہیں ہو سکتیں کیونکہ مدینہ طیبہ میں بڑے بڑے یگانۂ روزگار فضلا ہوئے ہیں۔ پہلی حدیث ان پر بھی محمول ہو سکتی ہے اسی طرح دوسری حدیث کا مصداق سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہ عالم امت اور ترجمانِ قرآن ہیں برعکس ان احادیث کے جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں ان کا محمل سوائے امام اعظم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ بے شک یہ امام اعظم کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

۲ - امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدد صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے اس لئے آپ زمرۂ تابعین میں شمار ہوتے ہیں، یہ فضیلت آپ کے معاصرین میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ حدیث شریف کے حکم کے مطابق نہ صرف آپ کے لئے بلکہ آپ کی زیارت کرنے والے مسلمانوں کے لئے بھی بشارت ہے اور آپ کو خیر القرون (بہترین زمانے) میں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن بسر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس نے میری زیارت کی اور مجھ پر ایمان لایا، خوشخبری ہے، میرے صحابہ اور تابعین کی زیارت کرنے والے ایمانداروں کے لئے۔ ان سب کے لئے بشارت اور حسنِ انجام ہے۔" [2]

ایک دوسری روایت میں ہے :

خیر امتی القرن الذی بعثت فیه ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم	میری امت کے سب سے بہتر افراد وہ ہیں جو میرے زمانۂ بعثت میں ہیں (یعنی صحابۂ کرام) پھر ان کے بعد والے (تابعین) پھر ان کے بعد والے (تبع تابعین) [3]

---

[1] جلال الدین السیوطی ، امام : تبییض الصحیفہ ، ص ۳

[2] ابن حجر مکی ، امام : الصواعق المحرقہ ، ص ٦ (بحوالہ طبرانی وحاکم)

[3] ایضاً : ص ٦ (بحوالہ مسلم شریف)

۳۔ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اساتذہ کی تعداد صرف تابعین میں سے چار ہزار تک پہنچتی ہے جبکہ فن حدیث کے مشہور ائمہ میں سے کسی کے اساتذہ اتنے نہیں ہوئے۔ اس سے حضرت امام کے وفورِ علم اور احادیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے والہانہ محبت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے امام جلیل الشان کے بارے میں یہ بات کبھی بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ ان کا ذخیرۂ معلومات صرف سترہ احادیث میں منحصر تھا۔ علامہ ذہبی نے حفاظِ حدیث میں آپ کا ذکر کر کے ایسے شبہات کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ [1]

۴۔ امام ابو حنیفہ کے دریائے علم سے سیراب ہو کر ان گنت علماء دین کے مقتدا بنے۔ ائمہ اسلام میں سے کسی کے شاگرد آپ کے برابر نہیں ہوئے۔[2] ائمہ اربعہ میں سے باقی تین امام آپ کے فیض یافتہ ہیں۔ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ براہِ راست آپ کے شاگرد ہیں۔[3] اسی لئے امام مالک آپ کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے، امامِ اعظم تشریف لاتے تو انہیں بلند جگہ بٹھاتے[4] اکثر اوقات ان کی جستجو میں رہتے اور انہیں اختیار کرتے تھے[5] اسی لئے حضرت امام کا مذہب حنفی مذہب سے زیادہ قریب ہے۔

امام شافعی، امام محمد کے واسطے سے امام اعظم کے فیض یافتہ ہیں، اسی لئے فرماتے ہیں:

"جو شخص فقہ کا طالب ہو اسے امام ابو حنیفہ کے تلامذہ سے وابستہ ہو جانا چاہیے کیونکہ ان کے لئے معانی آسان کر دئے گئے ہیں، بخدا! میں امام محمد بن حسن کی کتابوں سے ہی فقیہ بنا ہوں۔" [6]

نیز یہ بھی فرمایا:

"اگر یہود و نصاریٰ امام محمد بن حسن شیبانی کی تصانیف کو دیکھ لیتے تو بے اختیار ایمان لے آتے۔" [7]

---

[1] الذہبی، علامہ : تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۶۸ (مطبوعہ بیروت)

[2] ابن حجر مکی شافعی، امام : الخیرات الحسان، عربی (طبع لاہور)، ص ۳۴

[3] ایضاً : ص ۸

[4] ایضاً : ص ۲۴

[5] فقیر محمد جہلمی، مولانا : السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم، ص ۱۸ (بحوالہ کتاب المناقب للعلامہ موفق بن احمد مکی، ج ۲، ص ۳۳)

[6] محمد علاؤ الدین الحصکفی، علامہ : درمختار بر ہامش ردالمحتار، ج ۱، ص ۴۸

[7] عبدالعزیز پرہاروی، علامہ : کوثر النبی، ج ۱، ص ۵۴ (طبع ملتان)

امام احمد بن حنبل تو امام شافعی کے شاگرد ہیں اس لحاظ سے وہ بھی امام اعظم کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہیں۔ اسی طرح اجلہ محدثین یہاں تک کہ مصنفین صحاح ستہ بھی آپ کے سلسلۂ تلامذہ کی صف میں شامل ہیں۔

۵۔ مذہبِ حنفی روایت و درایت کے اعتبار سے مستحکم ہونے کی وجہ سے اکنافِ عالم میں تمام مذاہب سے زیادہ مقبول ہے بلکہ بعض علاقوں میں تو آپ کے مذہب کے علاوہ اور کوئی مذہب معروف نہیں ہے مثلاً بلادِ روم، پاک و ہند، ماوراء النہر اور سمرقند وغیرہ۔ [1] ان شاء اللہ العزیز قیامت تک آپ کے متبعین باقی رہیں گے اور بڑھتے رہیں گے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں :۔

"وہ امام اعظم ہیں، تمام مذاہب کے اختتام تک ان کی پیروی کی جائے گی جیسا کہ بعض میرے کشف والے بزرگوں نے مجھے بتایا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے متبعین میں اضافہ ہوتا جائے گا۔" [3]

ملا علی قاری رحمہ الباری فرماتے ہیں :

"امام اعظم کے اتباع تمام ائمہ سے زیادہ ہیں جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبعین تمام انبیاء سے زیادہ ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت اہلِ جنت میں دو تہائی ہوگی اور حنفی اہلِ ایمان میں دو تہائی ہوں گے۔" [4]

۶۔ آپ کا مذہب تنہا آپ کے اجتہاد کا اور غور و فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ حدیث، تفسیر، لسانِ عربی، فقہ، تصوف اور قیاس و اجتہاد کے نادر روزگار ماہرین کی مشترکہ کاوشوں کا نچوڑ ہے۔ دوسرے مذاہب ائمہ مجتہدین کی انفرادی کوششوں کا حاصل ہیں۔ علامہ شعرانی فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں :

"امام ابوحنیفہ کے برابر کسی اور کے تلامذہ نہیں ہوئے، آپ نے اپنے مذہب کی بنا اجتماعی مشورے پر رکھی آپ نے انفرادی طور پر مسائل حل نہیں کئے بلکہ ایک ایک مسئلہ اپنے اصحاب پر پیش فرماتے اور اس پر ان سے گفتگو فرماتے۔ یہاں تک کہ کوئی ایک قول طے پا جاتا تو اسے امام ابو یوسف لکھ لیتے۔ آپ نے خدادا

---

[1] ملا علی قاری، علامہ : مرقات شرح مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۲

[2] ابن عابدین الشامی، علامہ : ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۲

[3] عبدالوہاب الشعرانی، علامہ : المیزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۴۷

[4] ملا علی القاری، علامہ : مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۷

فہم سے ایسے مسائل حل کئے جن سے اذکیاء عاجز تھے" [1]

ایسے ہی تاثرات کا اظہار حضرت شفیق بلخی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کیا۔[2] حضرت وکیع بن جراح کے سامنے کسی نے کہا کہ ابوحنیفہ نے خطا کی، انہوں نے فرمایا، وہ کیسے خطا کر سکتے ہیں جب کہ ان کے حلقہ میں امام ابویوسف، زفر اور محمد جیسے مجتہد، امام عیسیٰ بن زکریا، حفص، حبان اور مندل ایسے حفاظِ حدیث، امام قاسم ایسے لغتِ عربی کے ماہر اور حضرت داؤد طائی اور فضیل عیاض ایسے اتقیاء موجود ہوں، ایسا شخص غلطی نہیں کرے گا، اور اگر کہیں غلطی ہوئی بھی تو یہ حضرات انہیں راہِ حق کی طرف پھیر دیں گے۔[3]

۷- امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سب سے پہلے مسائلِ شریعت کو ابواب و کتب کی صورت میں مرتب کیا۔ اس سے پہلے صحابۂ کرام اپنے حفظ پر اعتماد فرماتے تھے اس لئے انہیں ابواب و کتب مرتب کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ امام اعظم نے محسوس کیا کہ اگر مسائلِ شریعت کی تدوین نہ کی گئی تو علم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لئے آپ نے اس اہم کام پر پوری توجہ صرف کی۔ امام مالک نے مؤطا کی ترتیب میں آپ ہی کی پیروی کی ہے۔[4] علامہ شعرانی فرماتے ہیں:

ومذھبہ اول المذاھب تدوینا و	آپ کا مذہب تدوین میں سب سے پہلے اور اختتام
آخرھا انقراضا کما قالہ بعض اھل	میں سب سے بعد ہے، جیسا کہ بعض اہلِ کشف
الکشف۔[5]	نے فرمایا۔

۸- مذہبِ حنفی کے اصول اجتہاد و استنباط کتاب و سنت کے بہت زیادہ مطابق اور اصولِ درایت سے حد درجہ ہم آہنگ ہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ امامِ اعظم پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خاص نگاہِ عنایت تھی، حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ پُرانوار کے قریب خواب میں سرورِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں کہ حضور ایک معمر بزرگ کو بچوں کی طرح پہلو میں اٹھائے ہوئے ہیں، حضرت داتا گنج بخش کو تعجب ہوا کہ یہ کون بزرگ ہیں جنہیں بارگاہِ رسالت میں اتنا قرب حاصل ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

[1] عبدالوہاب الشعرانی، امام : المیزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۵۹

[2] ایضاً : ص ۷۱

[3] فضل رسول قادری، مولانا شاہ : سیف الجبار (طبع مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۵۲

[4] جلال الدین السیوطی، امام : تبییض الصحیفہ، ص ۳۶

[5] عبدالوہاب الشعرانی، امام : المیزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۶۳

نورِ نبوت سے جان کر فرمایا :

" یہ تیرا اور تیرے شہر والوں کا امام (ابوحنیفہ) ہے۔" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ مجھے اس خواب سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ امامِ اعظم فانی الصفات اور فنافی الرسول ہیں اور چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطا نہیں ہو سکتی لہٰذا جسے آپ کی ذاتِ اقدس میں فنا کا مقام حاصل ہو گا وہ بھی خطا سے محفوظ ہو گا، اگر امامِ اعظم خود چلتے تو خطا کا احتمال ہوتا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دقتِ نظر سے حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ ماءِ مستعمل کے بارے میں آپ کے تین قول ہیں (۱) نجس غلیظ (۲) نجس خفیف (۳) طاہر غیر مُطَہِّر۔ حضرت علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اقوال کا محمل یوں بیان کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ وضو کے پانی میں زائل ہونے والے گناہوں کو دیکھ لیتے تھے لہٰذا اگر وضو کرنے والے نے گناہ کبیرہ کیا ہے تو پانی نجس غلیظ اور اگر گناہ صغیرہ کا ارتکاب کیا ہے تو پانی نجس خفیف، اور اگر مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کیا ہے تو پانی طاہر غیر مطہر ہو گا۔

حضرت علی خواص فرماتے ہیں :

مدارک الامام ابی حنیفۃ دقیقۃ لا یکاد یطلع	امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے دقیق ہیں کہ جنہیں اکابر
علیھا الا اھل الکشف من اکابر الاولیاء [2]	اہلِ کشف اولیاء ہی جان سکتے ہیں۔

امامِ اعظم کے اصول و قواعد دیگر ائمہ کی نسبت عقل و نقل کے زیادہ موافق ہیں، ذیل میں چند مثالوں سے اس مدعا کی وضاحت کی جاتی ہے :

اصولِ فقہ کی اصطلاح میں "خاص" وہ لفظ ہے جو ذاتِ معلوم اور وصفِ معلوم کے لئے افراد کا اعتبار کئے بغیر معین کیا گیا ہو، جیسے رَجُلٌ۔ مخاطب اگر عربی زبان سے واقف ہے تو وہ سمجھ لے گا کہ اس کا معنی "مرد" ہے جس میں تعدد کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح لفظِ "ثلاثہ" خاص ہے جس کی وضع عددِ معین کے لئے کی گئی ہے، احناف کا قاعدہ ہے کہ خاص اپنے مدلول کو شامل ہونے میں قطعی ہے، اس میں غیر کا احتمال باقی نہیں رہتا، مثلاً زَیْدٌ عَالِمٌ میں زید لفظِ خاص ہے، اس میں غیر کا احتمال نہیں ہو سکتا اور اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ خالد عالم ہے۔

---

[1] علی الہجویری، داتا گنج بخش، سید : کشف المحجوب (اردو ترجمہ از مولانا ابوالحسنات، طبع لاہور) ص ۲۱۶

[2] عبدالوہاب الشعرانی، امام : المیزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۶۳

حضرات شافعیہ فرماتے ہیں کہ لفظِ خاص کا اپنے مدلول کو شامل ہونا قطعی نہیں ظنی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لفظِ خاص کا معنی حقیقی (جس کے لیے لفظ معین کیا گیا ہے) مراد نہ ہو بلکہ معنی مجازی مراد ہو، احناف نے جواب دیا کہ اگر دلیل سے ثابت ہو جائے کہ لفظ خاص کا معنی حقیقی مراد نہیں ہے تو بے شک معنی مجازی مراد ہوگا۔ اور اگر ایسی دلیل نہ پائی جائے تو معنی حقیقی کے قطعی طور پر متعین اور مراد ہونے سے نہیں روک سکتا، اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص جھکی ہوئی دیوار کے پاس کھڑا ہو تو اسے کہا جاسکتا ہے۔ یہاں سے ہٹ جاؤ، ہوسکتا ہے دیوار گر جائے۔ دیوار کا جھکاؤ اس احتمال کی دلیل ہے لیکن بالکل صحیح سالم اور سیدھی دیوار کے پاس کھڑا ہونے والے کو یہی بات کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ اس وقت دیوار کے گرنے کا احتمال بلا دلیل ہے۔ اس طرح لفظ خاص سے معنی مجازی مراد ہونے کا احتمال بلا دلیل ہے لہذا قابلِ قبول نہ ہوگا اور معنی حقیقی یقیناً متعین ہوگا۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ لفظِ خاص اپنے معنی کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے تو اگر قیاس یا خبرِ واحد، کتاب اللہ کے خاص کے مقابلے میں آجائے تو دو ہی صورتیں ہیں (۱) خاص میں تغیر و تبدل کئے بغیر دونوں میں تطبیق ہو سکے تو دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ (۲) ان میں باہم طور پر تطبیق نہ ہو سکے تو صرف کتاب اللہ کے خاص پر عمل کیا جائے گا

ارشادِ ربانی ہے والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء (الایۃ) قروء جمع قرء کی اور قرء حیض اور طُہر (حیض سے پاک ہونا)، دونوں معنوں کے لئے آتا ہے۔ احناف کے نزدیک اس سے مراد حیض ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (کسی دوسرے نکاح کرنے سے) روکے رکھیں۔ شافعیہ کے نزدیک اس سے مراد طہر ہے کیونکہ اگر قرء سے مراد حیض ہو تو چونکہ حیض کلامِ عرب میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اور قواعدِ عربیہ کے مطابق مؤنث کے لیے تین سے دس تک کے اعداد تا کے بغیر آتے ہیں اس لئے ثلاث قروء کہنا چاہیے تھا۔ ثلاثۃ قروء تا کے ساتھ اس امر کی دلیل ہے کہ قروء سے مراد طہر ہیں اس لئے کہ طہر مذکر ہے اور مذکر کے لئے تین سے دس تک کے اعداد تا کے ساتھ لائے جاتے ہیں۔

احناف کا کہنا ہے کہ ثلاثہ کا لفظ خاص ہے جو اپنے معنی کو قطعی طور پر شامل ہے لہذا اگر قروء سے مراد حیض ہوں تو ثلاثہ کا مدلول بلا شبہ ثابت ہو جائے گا کیونکہ طلاق کے بعد پورے تین حیض گزرنے سے عورت کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اور اگر قروء سے مراد طہر ہوں تو ثلاثہ کا مدلول ثابت نہیں ہو سکے گا کیونکہ شرعی طور پر طلاق طہر میں دی جاتی ہے۔ اس طہر کے بعد دو اور طہر گزریں گے تو عدت ختم ہو جائے گی حالانکہ طلاق کے بعد پورے تین طہر نہیں گزرے بلکہ دو طہر کامل اور ایک طہر نامکمل جس میں طلاق دی گئی اور اس کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا تھا، کے گزرنے سے عدت ختم ہو گئی۔ اس صورت میں ثلاثہ ایسے لفظ خاص کا مدلول برقرار نہیں رہتا اس لئے قروء سے مراد حیض ہیں نہ کہ طہر۔

اس تقریر سے حضرات شافعیہ کے استدلال کا جواب آگیا کیونکہ انہوں نے کتاب اللہ کے خاص کے مقابل قیاس لغوی پیش کیا ہے اور ان کے درمیان تطبیق نہیں ہوسکتی لہٰذا یہ قیاس غیر مقبول ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ قرء، مذکر ہے اگرچہ اس سے مراد حیض ہی ہو کیونکہ لفظ حیض کے مؤنث ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس معنی کے لئے جو لفظ بھی استعمال کیا جائے وہ مؤنث ہی ہو اور جب قرء بمعنی حیض مذکر ہوا تو اس کے لئے ثلاثہ تاء کے ساتھ لانا درست ہوگا۔ دیکھئے لفظ بُرٌّ بمعنے حنطۃٌ (گندم) ہے۔ اب حنطۃ کے مؤنث ہونے سے بُرٌّ کا مؤنث ہونا لازم نہیں آتا بلکہ وہ مذکر ہی ہے۔ [۱]

قرء سے حیض مراد لینا اس اعتبار سے بھی راجح ہے کہ عدت اس لئے مقرر کی جاتی ہے کہ رحم کا حمل سے خالی ہوجانا معلوم ہوجائے اور اس کے لئے حیض علامت ہے نہ کہ طہر، کیونکہ حمل کی صورت میں حیض نہیں آتا۔ نیز احناف کی یہ رائے حدیث پاک کے بھی موافق ہے۔ امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

طلاق الامۃ تطلیقتان وقرءھا حیضتان۔ [۲] — کنیز کی طلاقیں دو ہیں اور قرء (عدت) دو حیض ہیں۔

ظاہر ہے کہ کنیز ہونے کی وجہ سے آزاد عورت کی نسبت کنیز کی عدت کی تنصیف ہوگی، اس طرح نہیں ہوگا کہ آزاد کی عدت طہر سے ہو اور کنیز کی حیض سے، اس حدیث سے کتاب اللہ کے مشترک لفظ قرء کا ایک معنیٰ (حیض) متعین ہوجاتا ہے۔

اس بیان سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فقہ حنفی میں قیاس کو کتاب وسنت پر ہرگز ترجیح نہیں دی جاتی۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی حکم کتاب وسنت اور اجماع امت میں صراحۃً نہ مل سکے۔ اصولِ فقہ کی کتب میں تصریح موجود ہے کہ قیاس اس وقت صحیح ہے جب نص کے مقابل نہ ہو، نص کے کسی حکم کو تبدیل نہ کرے اور فرع (وہ جزئی جس میں قیاس سے حکم معلوم کیا گیا ہے) میں نص کا حکم موجود نہ ہو، ایسی صورت میں قیاس کرنے کو بارگاہِ رسالت سے سندِ تائید مل چکی ہے چنانچہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا "اے معاذ! تم کس چیز سے فیصلہ کروگے؟ عرض کیا کتاب اللہ سے، فرمایا، اگر تمہیں کتاب اللہ میں حکم نہ ملے؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ سے، فرمایا، اگر تمہیں اس میں بھی نہ مل سکے؟ عرض کیا، پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ تو حضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] نعم الحواشی لاصول الشاشی ، مطبوعہ افغانستان ، ص ۱۳، ۲۱

[۲] حواشی ہدایہ ، ج ۲ ، مطبوعہ مطبع مجیدی، کانپور ، ص ۳۳۰

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو پسندیدہ چیز کی توفیق بخشی"۔ [1]

بعض لوگ ناواقفی کی بنا پر یا بغض و عناد کے سبب کہہ دیا کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے کتاب و سنت کے مقابل اور مخالف قیاس سے کام لیا ہے، یہ ایسا اعتراض ہے جسے حق و صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس شبہے کا جواب خود حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دے دیا تھا مگر بُرا ہو تعصب کا جو پھر بھی قبولِ حق پر رضامند ہونے نہیں دیتا۔ ہُوا یوں کہ مدینہ طیبہ میں حضرت محمد بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دورانِ ملاقات امامِ اعظم سے پوچھا کہ آپ وہ ہیں جو میرے جدِ امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کے خلاف قیاس کرتے ہیں۔ امامِ اعظم نے فرمایا، پناہ بخدا! ایسی بات نہیں ہے۔ آپ نے انہیں بڑے ادب سے بٹھایا اور خود دوزانو اُن کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر پوچھا کہ مرد کمزور ہے یا عورت؟ انہوں نے فرمایا عورت کمزور ہے۔ پھر فرمایا کہ وراثت میں عورت کا حصہ کتنا ہے؟ انہوں نے فرمایا مرد سے نصف۔ امامِ اعظم نے فرمایا اگر میں قیاس کرتا تو عورت کو مرد سے دوگنا حصہ دینے کا حکم کرتا کیونکہ عورت کمزور اور زیادہ ضرورت مند ہے۔ پھر پوچھا کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ انہوں نے فرمایا، روزہ افضل ہے۔ امامِ اعظم نے کہا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو حیض والی عورت کو روزے کی بجائے نماز کی قضا کا حکم دیتا کیونکہ نماز زیادہ اہم ہے۔ پھر پوچھا پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ انہوں نے فرمایا، پیشاب۔ امامِ اعظم نے کہا اگر میں قیاس کرتا تو حکم کرتا کہ خروجِ منی کی بجائے پیشاب سے غسل لازم ہے کیونکہ پیشاب زیادہ غلیظ ہے۔ خدا کی پناہ! کہ میں حدیث کے خلاف حکم کروں۔ میں تو حدیث کا خادم ہوں۔ یہ گفتگو سُن کر حضرت محمد بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرطِ مسرت سے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر بوسہ دیا اور رخصت ہو گئے۔ [2]

علامہ شعرانی فرماتے ہیں:

ومن فتش مذهبه رضی الله تعالیٰ عنه وجده من اكثر المذاهب احتياطا فی الدين ومن قال غير ذلك فهو من جملة الجاهلين المتعصبين المنكرين علی ائمة الهدیٰ بفهمه السقيم۔ [3]	جس نے آپ کے مذہب کا تتبع کیا ہے وہ جانتا ہے کہ آپ کا مذہب ان مذاہب میں سے ہے جن میں دینی احتیاط بہت زیادہ ہے جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ جاہل متعصب ہے اور کج فہمی کی بنا پر ائمۂ ہدیٰ پر انکار کرتا ہے۔

---

[1] اصول الشاشی ۔ بحث قیاس

[2] ابن حجر مکی، امام : الخیرات الحسان، عربی ۔ (طبع لاہور) ص ۲۶، ۲۷

[3] عبدالوہاب الشعرانی، امام : المیزان الکبریٰ، ص ۲۷

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

وقد تتبعت بحمد اللہ اقوالہ واقوال اصحابہ لما الفت کتاب ادلۃ المذاھب فلم اجد قولا من اقوالہ او اقوال اتباعہ الا وھو مستند الی آیۃ او حدیث او اثر او الی مفھوم ذلک او حدیث ضعیف کثرت طرقہا او الی قیاس صحیح علی اصل صحیح فمن اراد الوقوف علی ذلک فلیطالع کتابی المذکور ۔ سلہ	میں نے بحمد اللہ تعالیٰ کتاب " ادلۃ المذاہب " تالیف کرتے وقت آپ کے اور آپ کے صحابہ کے اقوال کا تتبع کیا تو آپ کا اور آپ کے تلامذہ کا ہر قول آیت، حدیث، اقوالِ صحابہ یا اس کے مفہوم یا کثیر الطرق حدیث ضعیف (یعنی حدیث حسن) یا اصل صحیح پر مبنی قیاس سے مستند پایا ، جو شخص اسکی واقفیت چاہتا ہے اسے میری کتاب مذکور کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

احناف کے نزدیک چونکہ لفظ خاص اپنے مدلول کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے اور مراد کے معلوم ہونے کی وجہ سے محتاج بیان نہیں ہوتا اس لئے کتاب اللہ کے خاص پر اخبارِ آحاد سے اضافہ نہیں کیا جا سکتا جبکہ ائمۂ ثلاثہ اس کے قائل نہیں لہذا خبرِ واحد سے کتاب اللہ پر اضافہ کر دیتے ہیں ۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اعضاءِ وضو کا پے در پے دھونا فرض ہے اس طرح کہ ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرا عضو دھو لیا جائے ۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائمی معمول کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں ۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو میں بسم اللہ شریف پڑھنے کو لازم قرار دیتے ہیں اور حدیث شریف لا وضوء لمن لم یسم سے استدلال کرتے ہیں ۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعضاءِ وضو کے باترتیب دھونے کو فرض قرار دیتے ہیں اور حدیثِ پاک لا یقبل اللہ صلوٰۃ امرءٍ حتی یضع الطہور فی مواضعہ فیغسل وجہہ ثم یدیہ (الحدیث) " اللہ تعالیٰ بندے کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وہ وضو کو اس کی جگہ پر نہ رکھے اس طرح کہ چہرہ دھوئے پھر ہاتھ دھوئے " سے دلیل پیش کرتے ہیں ۔

لیکن احناف کے نزدیک جب آیتِ وضو میں تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کا الفاظِ خاصہ سے ذکر آ چکا ہے تو اس میں بیان اور اضافے کی گنجائش نہیں ہے ، پس نہیں ہو سکتا کہ آیتِ وضو سے چار چیزوں کی فرضیت ثابت ہو اور اخبارِ آحاد سے مزید اشیاء کی فرضیت ثابت کر دی جائے ، البتہ تطبیق کی یہ صورت ہے کہ آیتِ مبارکہ سے جن امور کا لزوم ثابت ہے وہ فرض ہوں اور پے در پے ادائیگی ، بسم اللہ شریف ، اور ترتیب وغیرہ امور جو اخبارِ آحاد سے ثابت ہیں سنت ہوں ، یہی احناف کا مسلک ہے ۔

پھر بانداز دیگر ائمہ ثلاثہ کے دلائل پر نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ مفیدِ مدعا نہیں ہیں کیونکہ امام مالک حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواظبت کو فرضیت کی دلیل ٹھہراتے ہیں حالانکہ محض مواظبت دلیلِ فرضیت نہیں ، دلیلِ سنیت ہے ۔

سلہ عبد الوہاب الشعرانی ، امام ، المیزان الکبریٰ ، ج ۱ ، ص ۶۴

مثلاً اعتکاف سنت مؤکدہ ہے باوجودیکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی، البتہ مداومت کے ساتھ ترک کی ممانعت بھی ہو تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

لا وضوء لمن لم یسم سے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بقول محقق علی الاطلاق ابن ہمام صاحب فتح القدیر اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں بلکہ امام ترمذی خود امام احمد سے راوی ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی حدیث جید الاسناد نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے معارض ایک حدیث دار قطنی نے حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے اور بسم اللہ شریف پڑھ لے تو اس کا پورا جسم پاک ہو جائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر وضو کرے اس کے صرف اعضاء وضو پاک ہوں گے،

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ بسم اللہ شریف کے بغیر وضو ہو تو جاتا ہے لیکن کامل نہیں ہوتا، لا وضوء لمن لم یسم کا یہی مطلب ہے اور حنفیہ کا یہی مختار ہے۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش کردہ حدیث لا یقبل اللہ صلوٰۃ امرء (الحدیث) کو امام نووی نے ضعیف کہا، امام دارمی نے کہا کہ صحیح نہیں ہے، ابن حجر نے کہا لا اصل لہ، ظاہر ہے ایسی حدیث سے ترتیب کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی، امام ابوداؤد راوی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ وسلم سے وضو میں سر کا مسح رہ گیا تو آپ نے وضو کے بعد سر کا مسح فرمایا اگر ترتیب فرض ہوتی تو از سر نو وضو فرماتے۔ [۱]

دنیائے انسانیت کے عظیم محسن، عالم اسلام کے مسلم راہنما جنہیں بارگاہ رسالت سے نوید بشارت ملی من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین سے مشرف فرمایا، ائمہ اسلام نے انہیں اپنا مقتدا مانا، امام مالک جن کے مداح ہیں، امام شافعی جن کے مرقد انور سے برکت حاصل کرتے ہیں، قاضی ابو یوسف، زفر اور امام محمد جن کے خوشہ چین ہیں، غزالی جن کے ثنا خواں ہیں، رازی جن کے سامنے طفل مکتب ہیں، دنیائے اسلام کی اکثریت جن کی پیرو ہے ابن ہمام، برہان الدین مرغینانی اور احمد رضا بریلوی جن کے مقلد ہیں، اس امام جلیل کی بارگاہ میں جس قدر ہدیۂ تبریک پیش کیا جائے، کم ہے مولائے کریم ان کے مزار پر انوار پر گلہائے رحمت کی بارش فرمائے اور ان کا گلستان علم روز افزوں ترقی کرتا رہے، آمین ثم آمین۔

— — — — — — — — —

---

[۱] شیخ احمد المعروف بملا جیون، علامہ : نور الانوار (طبع لکھنؤ) ص ۱۶
عبد الحلیم، مولانا : قمر الاقمار ، ص ۱۶

مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: میاں منظم بشیر گورنمنٹ ہائی سکول لنگامنڈی

امامِ فقہ و طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیفِ لطیف کشف المحجوب شریف میں ائمہ تبع تابعین[1] رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باب میں حضرت سیدنا امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بدیں الفاظ تذکرہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ انہیں ائمہ میں سے "امامِ اماماں، مقتدائے سُنّیاں، شرفِ فقہاء اور عزِ علماء امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ مجاہدات و عبادات میں نہایت ثابت قدم اور طریقت کے اصول میں بڑے جلیل القدر، رفیع الشان عالم تسلیم کئے گئے ہیں۔ آپ نے ابتداء میں گوشہ گیری اور عزلت نشینی اختیار کر لی تھی اور مخلوق سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے اس عمل سے آپ کی خواہش یہ تھی کہ دل کو ریاست و جاہِ مخلوق سے پاک و منزہ کر لیں اور خالصۃً اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی اطاعت و بندگی میں مستغرق رہیں لیکن ایک رات آپ نے دیکھا کہ حضور سیدِ عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استخوانہائے مبارکہ مرقدِ منور سے جمع کر کے ان میں سے بعض کو پسند کر رہے ہیں۔ آپ پر اس خواب سے ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ شدتِ پریشانی کے عالم میں بیدار ہو گئے۔ آخر صبح کے وقت آپ نے حضرت محمد بن سیرین کی خدمت میں جا کر خواب بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ خواب بہت مبارک ہے۔ آپ علمِ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کر کے حفاظتِ سنت میں اعلیٰ درجہ پائیں گے بلکہ روایاتِ سنت میں نقد و تنقیح کر کے تصرف کرنے میں بھی ممتاز ہوں گے اور صحیح کو سقیم سے علیحدہ کریں گے۔

آپ نے دوسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: "اے ابوحنیفہ! تجھے اللہ تعالیٰ نے میری سنت زندہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، گوشہ نشینی ترک کر دو" چنانچہ آپ نے اس کے بعد خدمتِ دینِ متین شروع کر دی اور بڑے بڑے مشائخ مثلاً حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت داؤد الطائی اور حضرت بشر حافی رحمہم اللہ کے استاد ہوئے۔ علاوہ ازیں علماء میں آپ کے تورع اور پرہیزگاری کے بہت سے واقعات مشہور ہیں، چنانچہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد کا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے چار اشخاص کو اپنی حکومت کے منصبِ قضاء کے لئے منتخب کیا اور فیصلہ کیا کہ ان میں سے ایک کو قاضی القضاۃ بنا دیا جائے، ان حضرات میں حضرت سیدنا ابوحنیفہ حضرت سفیان ثوری، حضرت مسعر بن کدام اور حضرتِ شریح کے نام شامل تھے، چونکہ یہ چاروں حضرات حقیقۃً زبردست علماء میں سے تھے، ابوجعفر منصور نے اپنے ملازمین میں سے کسی کو حکم دیا کہ چاروں حضرات کو بلا لائے، پیغامبر پہنچا تو چاروں حضرات اس کے ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ میں آپ حضرات سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں جو فراستہً میرے ذہن میں آئی ہیں، انہوں نے کہا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں تو حیلے سے اپنے آپ کو عہدۂ قضاء سے بچا لوں گا، مسعر بن کدام دیوانہ بن کر بچ جائیں گے، سفیان ثوری دربار سے بھاگ جائیں گے اور شریح قاضی بنیں گے چنانچہ

---

[1] سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں کیونکہ آپ نے کافی صحابہ کرام کی زیارت کی اور ان کا زمانہ پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے لوگوں سے کشف المحجوب کی ترتیب کے وقت سہو ہو گیا ہے ورنہ حضرت امام صاحب لازماً تابعی ہیں (ادارہ)

ایسا ہی ہوا حضرت سفیان ثوری تو راستہ ہی سے بھاگ گئے اور کشتی میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ مجھے چھپا لو، حکومت مجھے قتل کرنا چاہتی ہے اور یہ حدیث شریف کا جملہ بھی برزبان تھا" جو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا" ملاحوں نے آپ کو چھپا لیا اور باقی تینوں حضرات دربار میں پہنچے۔

ابوجعفر منصور نے خصوصاً حضرت امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو منصبِ قضا پر متمکن ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا اے امیر المومنین میں عربی النسل نہیں ہوں، میں تو سادات سے محبت رکھتا ہوں، ساداتِ عرب میرے حکم سے کیسے خوش ہوں گے؟ ابوجعفر نے کہا، حضرت اس عہدہ کو نسب سے تعلق نہیں ہوتا، یہ عہدہ تو اہلِ علم کے لئے ہوتا ہے؛ آپ نے فرمایا، پھر سچ پوچھو تو میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں، پھر اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں اور اگر دروغ گوئی سے کام لے رہا ہوں تو جھوٹا، عہدۂ قضاء کا اہل نہیں ہو سکتا پھر تم تو خلیفہ ہو جو کسی صورت میں روا نہیں رکھ سکتا کہ وہ دروغگو کو اپنا نائب بنائے، اور مسلمانوں کے خون، عزت و مال اور روپے پیسے کا اس پر بھروسہ کرے۔ آپ نے یہ کہا اور اپنی پیشنگوئی کے مطابق چھٹکارا پا گئے، اب حضرت مسعر کے کلام کی باری تھی، آپ آگے بڑھے اور ابوجعفر منصور کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے" کہو ابوجعفر اچھے ہو؟ تمہارے اہل و عیال بھی اچھے ہوں گے؛ منصور نے یہ ربطِ کلام سنکر حضرت کو دربار سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ بعد ازیں شریح کو منصبِ قضا سنبھالنے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے فرمایا میں تو سودائی ہوں، میرا دماغ کمزور ہے! منصور نے کہا علاج کرالیں، عصارہ ہائے موافق اور نبیذ ہائے مثلث استعمال میں لائیں تو آپ کی عقل کامل ہو جائے گی، آخر کار منصبِ قضاء حضرتِ شریح کو سونپ دیا گیا۔ حضور سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت حضرۃ شریح کو چھوڑ دیا اور پھر کبھی ان سے ہمکلام نہ ہوتے، اور یہ آپکے کمالِ حال کی خاص نشانی تھی جس میں دو علیحدہ علیحدہ شانیں نظر آتی ہیں، ایک تو آپ کی پیشگوئی سچی ہوئی، دوسرے اپنے آپ کو صحت و سلامتی پر اتنا قائم رکھا کہ جاہ و اعزازِ خلقت کی پروا نہ کی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! روزِ محشر میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپنے فرمایا ابوحنیفہ کے جھنڈے کے پاس"۔ الغرض آپکے ورع و تقویٰ میں متعدد مناقب و محامد ہیں کہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

میں علی بن عثمان جلابی ایک دفعہ ملکِ شام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذنِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد کے سرہانے سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں پایا اور دیکھا کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور سن رسیدہ شخصیت کو اپنے پہلو میں اس طرح پکڑے ہوئے ہیں جیسے شفقت سے بچوں کو پکڑتے ہیں، میں جوشِ محبت سے دوڑا اور حضور کے دست و پا کو بوسہ دیا، میں تعجب میں تھا کہ یہ معمر بزرگ کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے خطرۂ دل کو نورِ اعجاز سے جان لیا اور آپنے فرمایا" یہ تیرا اور تیرے شہر کے لوگوں کا امام یعنی ابوحنیفہ ہے" مجھے اس خواب کے بعد اپنے شہر والوں سے امید قوی وابستہ ہو گئی اور اس خواب سے میرا یہ خیال بھی صحیح ہو گیا کہ حضرت ابوحنیفہ انہیں پاک ہستیوں میں سے ہیں جو اوصافِ طبع سے فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی ہیں اس سبب سے کہ ان کے چلانے والے (قائد) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر آپ خود چلتے تو باقی الصفۃ ہوتے اور باقی الصفۃ مخطی[1] ہوتا ہے یا مصیب۔ جب آپ کے قائد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ فانی الصفۃ ہیں اور آپ کی صفت بقاء کے ساتھ باقی ہیں اور چونکہ پیغمبر علیہ السلام سے خطا ناممکن ہے اس لئے آپ بھی اسی صفت کے ساتھ قائم ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] مخطی اسے کہتے ہیں کہ جس سے نیک نیتی سے اجتہادی خطا سرزد ہو اور وہ اس خطا پر بھی ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

فقہ حنفی اکسیرِ اعظم اور کبریتِ احمر ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
ترجمہ: بشیر حسین ناظم بی اے

میں نے جناب محمد کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے ایک روحانی سوال کیا جیسا کہ میں کئی بار اس سے متعلق مطلع کر چکا ہوں کہ تحریر کے لئے تسبب بہتر ہے یا ترکِ تسبب! "اس پر میری جانب ایسے نفحاتِ روح پرور بڑھے جن سے میرا دل مال و اولاد سے ٹھنڈا پڑ گیا (یعنی میرے دل سے حبِ مال و اولاد زائل ہو گئی) اس کے بعد میں نے کشفی طور پر مشاہدہ کیا کہ میری طبیعت مائل بہ اسباب ہے اور ان سے استلذاذ کرتی ہے لیکن جب میں نے اپنی روح کا مشاہدہ کیا تو وہ مائل بہ تخویص تھی، اور اسی سے ہی استلذاذ کرتی تھی اور اس کی طلب میں تھی۔ میں نے طبیعت و روح کو آپس میں جھگڑتے ہوئے بھی دیکھا اور مرضی کیا ہوتی ہے؟ اس سے مراد روح کی طرف لوٹنا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کے لطائف خفیہ بھی ہیں جو عنقریب ظاہر ہوں گے۔ اس کے بعد ایک خوشبو کا جھونکا آیا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ مجھ میں ان چیزوں کو جمع کر دے جو امتِ مرحومہ سے چھٹ گئی ہیں اور خبردار اس قول سے بچتے رہنا کہ آدمی اس وقت تک صدیق نہیں ہوتا تاوقتیکہ ہزار صدیق اُسے زندیق نہ کہہ دیں، اور فروع میں قوم کی مخالفت نہ کرنا اس لئے کہ یہ چیز مرادِ حق کی مناقض ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک اور راہ کھلی جس کے ذریعہ مجھ پر فقہ حنفیہ یعنی امام اعظم رضی اللہ عنہ اور صاحبین رضی اللہ عنہما کے اقوال میں سے کسی کے قول کی تخصیص اور اس کے مقاصد پر وقوف اور لفظ حدیث کے معنی پر اکتفاء کرنے میں حدیث کی مطابقت اور کیفیت ظاہر ہوئی اور وجہ بیان کے عمومات کی تخصیص اور ان مقاصد کا وقوف منکشف ہوا اور الفاظِ سنت کے مفہوم پر اکتفاء کرنا اور فقہ حنفی ہیں نہ تو تاویلِ بعید ہے اور نہ ہی بعض احادیث پر بعض کی تضریب ہے اور نہ ہی امت میں سے کسی کے قول سے کسی صحیح حدیث کا رفض ہے اس طریقہ کو اگر اللہ تعالیٰ اتمام بخشے اور کاملیت عطا فرمائے تو یہ کبریتِ احمر اور اکسیر اعظم کی حیثیت رکھتی ہے۔

فقہ حنفی بہترین طریقہ ہے

حضور سید عالم و عالمیان نے مجھے اس کی معرفت عطا فرمائی کہ مذہبِ حنفی ایک بہترین طریقہ ہے جو سنتِ معروفہ جس کی تنقیح امام بخاری اور ان کے ساتھیوں کے زمانے میں کی گئی، کی موافقت میں سب سے اچھا طریقہ ہے، یا اسلئے کہ مسئلہ میں اقوالِ ثلاثہ یعنی حضرت امام اعظم اور صاحبین (حضرت ابو یوسف اور حضرت امام محمد شیبانی) میں جو قول سنت سے زیادہ قریب ہو اسے اختیار کیا جائے، بعد ازاں ان عالی مرتبت حنفی فقہاء کی اتباع کی جائے جو علمائے حدیث میں سے ہیں کیونکہ بعض ایسی چیزیں ہیں جنکے بارے میں اصول وضع کرنے میں حضرت سیدنا امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ عنہم نے سکوت فرمایا اور نہ ہی ان کی نفی فرمائی ہے اور یہ احادیث انہیں پر دلالت کرتی ہیں لہذا ان کا اثبات ضروری ہے اور یہی کلیتہ مذہب حنفی ہے۔

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

فقہ حنفی کا اجمالی تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فقہی مذاہب کا ذکر کرتے ہوئے دورِ حاضر کے ممتاز قانون دان ڈاکٹر صبحی محمصانی فقہ حنفی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"حنفی مذہب تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس لئے سب سے زیادہ پھیلا کہ خلفائے عباسیہ نے محکمۂ عدل و قضاء کے لئے یہی مذہب منتخب کیا تھا اور ماہلِ عراق عموماً اسی مذہب کے مقلد تھے۔ اس کے علاوہ سلطنتِ عثمانیہ کا سرکاری مذہب بھی یہی تھا اور اسی مذہب کی روشنی میں مجلۃ الاحکام العدلیہ کی تدوین ہوئی۔" [1]

مذہبِ حنفی کی مقبولیت اور عالمی اشاعت کے ضمن میں مصنف موصوف رقمطراز ہیں :۔

" جو ملک سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ حکومت رہے ہیں جیسے مصر، سوریا اور لبنان، ان کا مذہب بھی محکمۂ عدل و قضاء میں حنفی چلا آتا ہے، حکومتِ تیونس کا مذہب بھی یہی ہے۔ ترکی اور اس کے زیرِ اثر ممالک مثلاً شام والبانیہ کے باشندوں کا مذہب بھی مسائلِ عبادات میں یہی ہے اور مسلمانانِ بلقان و قفقاز بھی مسائلِ عبادات میں اسی مذہب کے مقلد ہیں۔ اسی طرح افغانستان و ترکستان اور (پاک و) ہند و چین کے ہاں بھی یہی مذہب غالب ہے، اور اس مذہب کے پیرو دوسرے ملکوں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا دو تہائی ہیں" [2]

دورِ حاضر میں فقہ حنفی کے عروج اور عالمی فروغ کی کیفیت ایک مستشرق کی زبانی ملاحظہ کیجئے :

Even now a days the Hanafi school prevails in the former Ottoman countries; Tunisia for

---

[1] صبحی محمصانی : فلسفۃ التشریع فی الاسلام ، اردو ترجمہ فلسفہ شریعتِ اسلام از محمد احمد رضوی، لاہور ۱۹۶۲ء ص : ۴۸

[2] ایضاً

instance it is equal to the Maliki rite and also in Egypt it is the officially recognized law-school. Further it is predominant in Central Asia (Afghanistan, Turkestan, Bukhara, Samarkand) and in (Pakistan and) India. [۲]

ترجمہ: "آج بھی حنفی مکتبِ فکر کو سابق عثمانی ممالک میں فوقیت حاصل ہے۔ تیونس میں اسے مالکی مکتبِ فکر کے مساوی حیثیت حاصل ہے۔ مصر میں اسے سرکاری قانون کے ایک مکتبِ فکر کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے علاوہ ازیں حنفی مکتبِ فکر وسطِ ایشیا (افغانستان، ترکستان، بخارا، سمرقند) اور (پاک و) ہند میں بھی غالب و فائق ہے۔"

یہ تو ہے دورِ حاضر میں مذہبِ حنفی کی مقبولیت کا کچھ اندازہ، آج سے چھ سو برس پہلے ابنِ خلدون لکھتا ہے:-

"امام ابو حنیفہ کے مقلدین آج عراق، ہند، چین، ماوراء النہر اور بلادِ عجم میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔" [۳]

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مذہبِ حنفی دنیا میں سب سے زیادہ پھیلا۔ بادی النظر میں اس کی اشاعت کا سبب حنفی فقہاء کا قضاء و عدل کے اونچے مناصب پر فائز ہونا اور سرکاری مذہب کی حیثیت سے رائج ہونا نظر آتا ہے لیکن اگر فقہِ اسلامی کی پوری تاریخ کا بہ نظرِ تعمق جائزہ لیا جائے اور مختلف فقہی مکاتیبِ فکر کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو علیٰ وجہ البصیرت یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ فقہ حنفی کے مسائل میں، اس کے طریقِ استنباط میں، مناہجِ استدلال اور اصول و قواعد میں بنیادی طور پر وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اسے نہ صرف یہ کہ دوسرے فقہی مکاتیبِ فکر سے ممتاز کرتی ہیں بلکہ انہی خصوصیات کی بنا پر اسے وہ عالمی مقبولیت حاصل ہوئی کہ آج روئے زمین کے دو تہائی مسلمان فقہ حنفی کے پیرو ہیں۔

ایک عام مسلمان کے ذہن میں، جو فقہِ اسلامی کی تاریخ پر گہری نظر نہیں رکھتا، یہ خیال آسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد صحابہ کرام میں اور بعد ازاں ائمہ کرام میں فقہی اختلافات کیوں رونما ہوئے! شاہ ولی اللہ محدث

---

[۲] شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، مطبوعہ لائیڈن ۱۹۶۱ء، ص: ۱۳۱

[۳] ابن خلدون، مقدمہ اردو ترجمہ، ص ۲۶۹

دہلوی نے " فروعات میں صحابہ اور تابعین کے اندر اختلاف کے اسباب " پر ایک پورا باب باندھا ہے اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" غرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس زمانہ اسی نہج پر ختم ہوا۔ صحابہ کرام کا بھی یہی دستور اور معمول اور طریقہ رہا۔ اس کے بعد جب صحابہ کرام مختلف بلاد و ممالک میں پھیل گئے تو ہر صحابی ملک کے مختلف گوشوں میں اپنی اپنی جگہ مقتدا اور پیشوا ہو گیا۔ دفتاً فوقتاً مختلف قسم کے حوادثات، واقعات اور مسائل پیش آنے لگے۔ لوگ ان سے فتوے پوچھتے، مسائل دریافت کرتے۔ ہر صحابی اپنے اپنے حفظ اور یاد اور اپنے اپنے اجتہاد، اخذ و استنباط کے بموجب جواب دیتا، جب ان کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روایات سے جواب نہ ملتا تو وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتے اور اس علت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے جس کو خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی منصوصات میں حکم کی علت اور حکم کا مدار علیہ گردانا تھا اور پھر اس حکم کو علت کے مطابق، جہاں جہاں یہ علت پائی جاتی، جاری کرتے اور پوری قوت اور کامل توجہ کے ساتھ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غرض مطلوب کی موافقت میں کوشاں رہتے۔ ان حالات اور اس طریق کار کی وجہ سے صحابہ کرام میں مختلف قسم کا اختلاف رونما ہو گیا۔"[۵۵]

ابن خلدون نے اسی ضمن میں ایک بنیادی بات کی نشاندہی کی ہے، وہ لکھتا ہے :-

" اور اختلاف کا پیدا ہونا ضروری تھا کیونکہ احکام شرعیہ کے اصول و ادلہ جو قرآن میں ہیں وہ بہر حال لغتِ عرب میں ہیں جو کئی کئی معانی کے محتمل ہیں اور اس اختلافِ معانی کے سبب ائمہ میں اختلاف پیدا ہو گیا، یہی حال سنت کا ہے کہ وہ مختلف الطرق ہے اور اکثر متعارض فی الاحکام، اس لئے لامحالہ ترجیح کی ضرورت پڑتی ہے اور یہیں سے اختلاف کی بنیاد پڑتی ہے، قطع نظر ان باتوں کے دنیا کے واقعات نئے نئے رونما ہوتے رہتے ہیں جن میں نصوص سے بظاہر کوئی راہنمائی نہیں ملتی، مجبوراً کسی مشابہت سے ان کو منصوص کے زمرہ میں شمار کرنا پڑتا ہے۔ بس یہیں سے اختلاف کے راستے پھوٹتے ہیں اور یونہی سلف آپس میں مختلف الرائے رہے اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین بھی۔"[۵۶]

اس اختلاف کی بنا پر جو فقہی مکاتیبِ فکر وجود میں آئے، ان پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن خلدون رقمطراز ہیں :-

" اب دو ہی مذہب رواج پذیر رہے، یا تو اہل الرائے کا مذہب عراق میں یا اہلِ حدیث کا مذہب حجاز میں۔

۵۵۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، اردو ترجمہ برہان الٰہی از محمد اسمٰعیل گودھروی، لاہور، حصہ اول، ص : ۳۰۵

۵۶۔ ابن خلدون : مقدمہ اردو ترجمہ، ص : ۴۶۷

اہلِ عراق کے امام اور مذہبی پیشوا امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت ہیں جن کا مقام فقہ میں اتنا اعلیٰ و ارفع ہے کہ کوئی اس تک نہ پہنچ سکا، یہاں تک کہ ان کے ہم مشرب حضرات بھی خصوصاً امام مالک و شافعی کھلے الفاظ میں کہہ گئے کہ فقہ میں امام ابوحنیفہ کا کوئی مثیل و نظیر نہیں۔" ۸ے

فقہ حنفی کی ابتداء اور "اہل الرائے" کی توجیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں :-

• مذہبِ حنفی بھی کوفہ میں پیدا ہوا جس کے بانی امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں جو امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی علمی زندگی کی ابتداء علمِ کلام کے مطالعے سے ہوئی، پھر آپ نے اہلِ کوفہ کی فقہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان (متوفی سنہ ۱۲۰ھ) سے پڑھی۔ عملی زندگی کے لحاظ سے آپ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے۔ علمِ کلام اور پیشۂ تجارت نے آپ میں عقل و رائے سے استصواب کرنے، احکام شرعیہ کو عملی زندگی میں جاری کرنے اور مسائل جدیدہ میں قیاس و استحسان سے کام لینے کی صلاحیت تامہ پیدا کر دی تھی، اسی لئے آپ کے مذہب کا نام، مذہب اہل الرائے مشہور ہو گیا۔" ۸ے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مذہبِ حنفی کے فروغ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے :-

" امام ابوحنیفہ کے اصحاب اور شاگردوں نے امام محمد کی تصانیف کی طرف خاص اور کامل توجہ کی، ان کی کتابوں کی تلخیص کی اور ان کو زود فہم کرنے کی کوشش کی، ان کی شرح و توضیح اور تخریج کی تاسیس و تعمیر کی بنیادیں قائم کر دیں اور دلائل و براہین بھی فراہم کئے۔ اس کے بعد یہ علماء خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ میں پھیل گئے اور ان کے ذریعے یہ مسائل ان ممالک میں بھی عام ہو گئے اور اسی کا نام امام ابوحنیفہ کا مذہب ہو گیا۔" ۹ے

پیشتر اس کے کہ مذہب حنفی کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چار عظیم الشان اور جلیل القدر ہستیوں کا مختصر تعارف پیش کیا جائے، جنہیں بجا طور پر فقہ حنفی کی عمارت کے ستونِ اربعہ کہا جا سکتا ہے اور جنہوں نے فقہ حنفی کو پروان چڑھایا، ان میں سب سے پہلی شخصیت امام اعظم ابوحنیفہ کی ہے جو فقہ حنفی کے بانی، قائد اور رہنما ہیں اور باقی تین آپ کے سب سے مشہور تلامذہ امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر ہیں۔ اب ہم ان کے حالات مختصراً بیان کرتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ آپ کا اصل نام نعمان بن ثابت ہے۔ آپ سنہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات

۷ے ابن خلدون، مقدمہ، اردو ترجمہ، ص ۴۶۸۔

۸ے صبحی محمصانی، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، اردو ترجمہ از محمد احمد رضوی، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۳۷، ۳۸

۹ے شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، اردو ترجمہ از محمد اسمٰعیل گودھروی، لاہور، حصہ اول، ص ۳۸۷

پائی۔ کوفہ میں ہی آپ نے پرورش پائی [۱۰]۔ آپ کی پرورش ایک خالص اسلامی گھرانے میں ہوئی [۱۱]۔ خطیب بغدادی کے حسب ذیل بیان سے جہاں آپ کے خاندان کے متمول اور خوشحال ہونے کا اندازہ ہوتا ہے وہاں اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد اور دادا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شرف ملاقات حاصل ہوا تھا :-

وذهب ثابت الى علي بن ابي طالب وهو صغير فدعا له بالبركة فيه وفي ذريته ...... والنعمان بن المرزبان ابو ثابت هو الذي اهدى لعلي بن ابي طالب الفالوذج في يوم النيروز فقال نوروزنا كل يوم ۔[۱۲]

اور (امام ابوحنیفہ کے والد) ثابت حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ ابھی کمسن تھے تو آپ نے اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی ...... اور نعمان بن مرزبان جو ثابت کے والد (اور امام اعظم کے دادا) ہیں، وہی ہیں جنہوں نے یوم نوروز پر حضرت علی بن ابی طالب کو فالودہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا ہمارا ہر دن ہی نوروز ہے ۔

ایک متمول اور خوشحال خاندان کے چشم و چراغ ہونے کی حیثیت سے آپ نے عملی زندگی کا آغاز تجارت سے کیا اور زندگی بھر تجارت سے وابستہ رہے۔ تاہم آپ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں مختلف النوع عقائد کے لوگ آباد تھے۔ ان میں شیعہ تھے تو ان کے مقابل خارجی تھے، معتزلہ تھے تو ان کے مقابل علم صحابہ کے حامل تابعی تھے اور ان میں مناظروں کی گرم بازاری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہانت و فطانت کا بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا لہٰذا آغاز شباب ہی میں آپ نے بھی ان مناظروں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ بعد میں پوری سنجیدگی سے علم فقہ کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ میلان کیسے پیدا ہوا؟ اس بارے میں متعدد روایات ہیں، ایک دلچسپ روایت خود ان سے مذکور ہے :

"ابو یوسف فرماتے ہیں ایک مرتبہ امام سے سوال کیا گیا کہ آپ کو فقہ کی توفیق کیسے نصیب ہوئی؟ امام نے فرمایا: سنئے! جہاں تک توفیق کا تعلق ہے وہ تو بارگاہ لم یزل سے تھی، فلہ الحمد! میں جب طلب علم کے لئے کمربستہ ہوا تو میں نے تمام علوم پر ایک ایک کر کے نظر دوڑائی، ان کے نفع اور نتیجے پر غور کیا، میرے جی میں آیا علم کلام پڑھوں، غور

---

[۱۰] خیر الدین الزرکلی : الاعلام ، الجزء التاسع ، ص ۴

[۱۱] ابو زہرہ : ابو حنیفہ حیاتہ و عصرہ آراءہ و فقہہ ، اردو ترجمہ ، حیات حضرت امام ابو حنیفہ از غلام احمد حریری ، مکتبہ سلفیہ ، لاہور ، ص : ۴۶

[۱۲] خطیب بغدادی ، تاریخ بغداد ، مطبوعہ مصر ۱۹۳۱ء ، جلد ۱۳ ، ص ۳۲۶

کرنے پر معلوم ہوا اس کا انجام اچھا نہیں اور اس میں فائدہ بھی کم ہے، آدمی اس میں ماہر بھی ہو جائے تو اپنا عندیہ بر سرِ عام بیان نہیں کر سکتا، اس پر طرح طرح کے الزام عائد کئے جاتے ہیں اور اسے صاحب بدعت و ضلالت کا لقب دیا جاتا ہے۔

پھر ادب و نحو پر غور کیا، اس نتیجے پر پہنچا کہ آخر اس کا مقصد اس کے ماسوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بیٹھ کر بچوں کو نحو و ادب کا سبق دوں۔ پھر شعر و شاعری کے پہلو پر غور کیا تو اس کا مقصد مدح و ہجو، دروغ گوئی اور تخریب دین کے سوا کچھ نہ پایا۔ پھر قرارت و تجوید کے معاملے پر غور کیا۔ میں نے سوچا کہ اس میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد آخر یہی ہوگا کہ چند نوعمر جمع ہو کر میرے پاس تلاوتِ قرآن کریں، باقی رہا قرآن کے مفہوم و معنی تو وہ بدستور ایک دشوار گزار گھاٹی رہے گی۔

پھر خیال آیا طلبِ حدیث میں لگ جاؤں، پھر سوچا کہ ذخیرۂ احادیث جمع کرنے کے بعد مجھے طویل عمر کی ضرورت ہو گی تاکہ علمی استفادہ کے لئے لوگ میرے محتاج ہوں، اور ظاہر ہے کہ طلبِ حدیث کے لئے احتیاج نوخیز لوگوں کو ہی ہو سکتا ہے، پھر ممکن کہ مجھے کذب اور سوءِ حفظ سے متہم کرنے لگیں، اور روزِ حشر تک یہ الزام میرے گلے کا ہار ہو جائے بعد ازاں میں نے فقہ کی ورق گردانی شروع کی، جوں جوں تکرار و اعادہ ہوا اس کا رعب بڑھتا ہی گیا اور اس میں مجھے کوئی عیب دکھائی نہ دیا۔ میں نے سوچا کہ تحصیلِ فقہ میں علماء و مشائخ کی مجالست و مصاحبت اور ان کے اخلاقِ جلیلہ سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے مواقع میسر آئیں گے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ادائے فرائض، اقامتِ دینِ مبین، اظہارِ عبودیت اور دنیا و آخرت کا حصول فقہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص فقہ کے ذریعے دنیا کمانا چاہے تو وہ بڑے بلند مناصب پر فائز ہو سکتا ہے اور اگر تخلیہ و عبادت کا آرزومند ہو تو کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ حصولِ علم کے بغیر مشغولِ عبادت ہے بلکہ کہا یہ جائے گا کہ وہ صاحبِ علم فقیہ اور علم کی راہ پر گامزن ہے۔" [۱۳]

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد ابوزہرہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"روایتِ بالا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رائج الوقت علوم و فنون پر تنقیدی نگاہ

---

[۱۳] ابوزہرہ: حیات حضرت امام ابوحنیفہ، ص: ۵۰، ۵۱۔ نیز دیکھئے سیوطی: تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ بحوالہ حاشیہ طحطاوی، مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۵۴ھ، جز اول، ص ۲۶۔ نیز نور بخش توکلی، الاقوال الصحیحہ، ص ۲۹، ۳۰۔

ڈالی تاکہ ان میں سے اپنے لئے کسی مناسب علم کا انتخاب کر کے اس میں امتیاز و تخصص پیدا کر سکیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ نے تمام عصری علوم میں واجبی حد تک واقفیت حاصل کر لی تھی۔ اگرچہ بعد میں صرف علمِ فقہ ہی آپ کا جولانگاہِ فکر و نظر بنا۔" [۱۴]

علمِ فقہ سے آپ کی وابستگی کا عالم یہ تھا کہ آپ اپنی تمام تر ذہانت و فطانت، استعداد، مہارت کے باوجود کامل اٹھارہ برس اپنے استاد حماد کے دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ خطیبِ بغدادی نے تاریخِ بغداد میں آپ کا یہ قول نقل کیا ہے:

فجعلت علی نفسی ان لا فارق حماداً حتی یموت فصحبته ثمانی عشرة سنة [۱۵]	پس میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ (اپنے استاد) حماد سے تاحینِ حیات الگ نہ ہوں گا چنانچہ میں پورے اٹھارہ برس ان کی صحبت میں رہا۔

---

[۱۴] ابو زہرہ، حیاتِ امام ابو حنیفہ، ص: ۵۱۔ ابو زہرہ کا یہ تبصرہ دراصل بعض ناقدین کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ امام اعظم کو سوائے فقہ کے دوسرے علوم میں دسترس حاصل نہ تھی۔ شیخ ابن حجر مکی نے اس قسم کے اعتراضات کی وجہ حسد بتائی ہے، وہ لکھتے ہیں: احذران تتوهم من ذلك ان ابا حنیفة لم یکن له خبرة تامة بغیر الفقه حاشا لله كان فی العلوم الشرعیة من التفسیر والحدیث و الآلة من العلوم الادبیة والمقاییس الحکمیة بحرا لا یجاری و اماما لا یماری وقول بعض اعدائه فیه خلاف ذلك منشوءُ الحسد (یہ وہم نہ کر بیٹھنا کہ امام ابو حنیفہ کو سوائے فقہ کے کسی علم سے پوری واقفیت نہ تھی حاشا للہ! وہ علومِ شرعیہ تفسیر و حدیث اور علومِ آلیہ یعنی علومِ ادبیہ و مقاییسِ حکمیہ میں سمندر تھے جن کی ہمسری نہیں کی جا سکتی، اور امام تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور آپ کے بعض مخالفین کا جو قول اس ضمن میں آپ کے خلاف بیان ہوا ہے اس کی وجہ حسد ہے۔ (الخیرات الحسان، مصر، ص ۲۷، ۲۸)

علامہ نور بخش توکلی نے سعد بنارسی کی الجرح علی ابی حنیفہ اور حامد حسن کی انتقصار الامام میں کئے گئے اسی قسم کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے،

"حضرت امام الائمہ، سراج الامہ قدس اللہ تعالیٰ شان میں کہ جن کے مجاہد کی توصیف میں حنفیہ کے علاوہ مذاہبِ ثلاثہ کے ائمہ و فقہاء و محدثین بھی رطب اللسان ہیں ....

اتمام حجت کے لئے یہاں نمونے کے طور پر مذاہبِ ثلاثہ ہی کے چند علماء کے اسمائے گرامی مع تصنیفات درج کئے جاتے ہیں۔" (تفصیل کیلئے دیکھئے الاقوال الصحیحۃ ص ۹ تا ۱۰)

ڈاکٹر صبحی محمصانی نے بھی اسی قسم کی غلط فہمی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"ابن خلدون نے بعض لوگوں کے حوالے سے جو یہ بیان کیا ہے کہ ابو حنیفہ سے صرف تقریباً سترہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ ہم اسے قرینِ صحت اور اور قابلِ پذیرائی نہیں سمجھتے۔" فلسفہ شریعت اسلام، ص ۴۰۔ نیز دیکھئے امام اعظم کے علمِ حدیث پر محمد علی کاندھلوی کی مستقل کتاب "امام اعظم اور علمِ حدیث"

[۱۵] خطیب بغدادی: تاریخِ بغداد، جلد ۱۳، ص: ۳۳۳

حماد کی صحبت نے آپ کی استعداد کو اور زیادہ نکھار بخشا اور آپ نے اس علم میں وہ مہارت حاصل کرلی کہ اس فن کے بڑے بڑے اکابر نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں :-

"تبحرِ علمی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا لقب امامِ اعظم ہوگیا۔ آپ کے بارے میں امام شافعی نے فرمایا کہ علمِ فقہ سیکھنے والا ابوحنیفہ کا محتاج ہے۔ امام ابویوسف نے فرمایا کہ جب کسی مسئلے میں ہمارا باہمی اختلاف ہوتا تھا تو ہم اسے امام ابوحنیفہ کے سامنے پیش کرتے تھے، آپ اتنی جلدی جواب دیتے تھے جیسے اپنی آستین سے نکالا ہو۔" [۱۶]

خیرالدین الزرکلی نے "الاعلام" میں امام شافعی کے اس قول کو نقل کیا ہے :

وعن الامام الشافعی الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ۔ [۱۷] — امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

خطیب بغدادی نے امام شافعی کے اسی مفہوم کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں :-

ما رأیت احداً افقہ من ابی حنیفۃ ، الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ۔

من اراد ان یتبحر فی الفقہ فھو عیال علی ابی حنیفۃ۔ [۱۸]

خطیب نے امام مالک اور امام شافعی کے علاوہ خلف بن ایوب، ابن عیینہ، ابوبکر بن عیاش، سہل بن مزاحم، قاسم بن معن، ابن جریج، عبداللہ بن مبارک، مسعر بن کدام، ابوجعفر الرازی، الاعمش، فضیل بن عیاض، سفیان ثوری اور ایسی ہی دیگر متعدد اور صاحبِ علم و فضل شخصیتوں کے درجنوں اقوال درج کئے ہیں جس میں آپ کے مختلف کمالات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ [۱۹] ان میں سے صرف ابن المبارک کا ایک قول پیش کیا جاتا ہے :

"رأیت مسعراً فی حلقۃ ابی حنیفۃ جالساً بین یدیہ یسألہ و یستفید منہ وما رأیت احداً قط تکلم فی الفقہ احسن من ابی حنیفۃ [۲۰]

---

[۱۶] صبحی محمصانی : فلسفۂ شریعتِ اسلام، ص : ۳۸۔۳۹۔

[۱۷] الزرکلی، الاعلام، الجزء التاسع، ص ۵۔ الزرکلی نے ابوحنیفہ کے ترجمے میں امام مالک کا یہ قول بھی نقل کیا ہے قال الامام مالک یصفہ رأیت رجلاً لو کلمتہ فی ھذہ الساریۃ ان یجعلھا ذھباً لقام بحجتہ۔

[۱۸] خطیب بغدادی، تاریخِ بغداد، جلد ۱۳، ص ۳۴۶۔

[۱۹] ایضاً، ص ۳۳۵ تا ۳۴۷، نیز دیکھئے ملا علی بن سلطان محمد الہروی مخطوطہ [۲۰] ایضاً، ص ۸۰۷

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آپ کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے

The leading fiqh scholar and theologian in Iraq ...... [1]

ترجمہ : "عراق کا فقیہ اعظم اور متکلم"

یوں تو آپ کے مناظرات، مکالمے کثرت سے قلمبند کئے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک آپ کی فراست و بصیرت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے تاہم یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے آپ کی ذہانت و فطانت کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے :

ابن الاثیر الجزری نے اپنی مشہور تاریخ "الکامل" میں لکھا ہے کہ اہل موصل حضرت علیؓ کے حامی تھے منصور نے موصل پر لشکر کشی اور شب خون مارنے کا ارادہ کیا لیکن اس سے قبل اس نے مشہور فقہاء کرام سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔

ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں :

فاحضر ابا حنیفة وابن ابی لیلی وابن شبرمة وقال لهم ان اهل الموصل شرطوا لی انهم لا یخرجون علی فان فعلوا حلت دماؤهم واموالهم وقد خرجوا فسکت ابو حنیفة وتکلم الرجلان وقالا رعیتك فان عفوت فاهل ذلك انت وان عاقبت فبما یستحقون!

فقال لابی حنیفة اراك سکت یا شیخ! فقال یا امیر المؤمنین! اباحوك ما لا یملکون ارأیت لو ان امرأة اباحت فرجها بغیر عقد نکاح وملك یمین

پس منصور نے ابو حنیفہ، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کو بلوایا اور کہا : اہل موصل نے میرے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ وہ میرے خلاف بغاوت نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے اس کا ارتکاب کیا تو ان کا مال و جان مباح ہو جائے گا اور اب وہ بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ تو خاموش رہے، دوسرے دو حضرات بولے "اہل موصل آپ کی رعیت ہیں اگر آپ معاف کر دیں تو آپ اس کے اہل ہیں اور اگر سزا دیں تو وہ اس کے مستحق ہیں"۔ منصور نے ابو حنیفہ کو مخاطب ہو کر کہا "حضرت! آپ کیوں خاموش ہیں؟" آپ نے فرمایا : امیر المؤمنین! جس چیز کو ان لوگوں نے آپ کے لئے مباح قرار دیا ہے انہیں اس کا حق حاصل نہیں کیونکہ مومن صرف تین صورتوں میں مباح الدم

---

[1] شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مطبوعہ لائیڈن ١٩٦١ء، ص ٩۔

اكان يجوز ان توطأ؟ قال لا، و
كف عن اهل الموصل وامر اباحنيفة
وصاحبيه بالعود الى الكوفة۔ ۴۲

ہوتا ہے اور یہاں ان میں سے کوئی ایک صورت بھی نہیں)
بھلا فرمائیے اگر کوئی عورت منکوحہ یا باندی ہونے کے
بغیر اپنے جسم کو کسی شخص کے لئے مباح کر دے تو کیا اس
سے مقاربت کرنا درست ہوگا؟ (یعنی عورت نے ایسے
طریق سے از خود اپنے جسم کو مباح کیا ہے جسے شریعت روا نہیں رکھتی) منصور بولا نہیں، اور اہل موصل سے ہاتھ روک لیا اور ابو حنیفہ اور ان کے دونوں رفقاء کو کوفہ لوٹ جانے کا حکم دیا۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ابو حنیفہ کے ترجمے میں ایک مستقل فصل "ما ذکر من وفور عقل ابی حنیفۃ وفطنتہ وتلطفہ" قائم کی ہے ۴۳۔ اس میں امام اعظم کی ذہانت و فطانت کے کئی واقعات درج ہیں، ایک میں ابو یوسف کے حوالے سے لکھا ہے:

دعا المنصور اباحنيفة فقال الربيع
حاجب المنصور وكان يعادي اباحنيفة
يا امير المؤمنين هذا ابو حنيفة
يخالف جدك، كان عبد الله بن
عباس يقول اذا حلف على اليمين ثم
استثنى بعد ذلك بيوم او بيومين جاز
الاستثناء وقال ابو حنيفة لا يجوز
الاستثناء الا متصلا باليمين. فقال
ابو حنيفة يا امير المؤمنين! ان
الربيع يزعم انه ليس لك في رقاب
جندك بيعة فقال وكيف؟ قال
يحلفون لك ثم يرجعون الى

ایک دفعہ منصور نے ابو حنیفہ کو بلا بھیجا، منصور کے
حاجب ربیع نے جو آپ کا جانی دشمن تھا، کہا: امیر المؤمنین!
یہ ہیں ابو حنیفہ جو آپ کے دادا کی خلاف ورزی کرتے
ہیں، عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے اگر کوئی شخص
حلف اٹھائے اور اس کے ایک یا دو دن بعد بھی
ان شاء اللہ کہہ دے تو یہ جائز ہے مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ
استثناء یعنی ان شاء اللہ حلف سے متصل ہونا چاہیے
ابو حنیفہ بولے: امیر المؤمنین! ربیع کا گمان ہے
کہ آپ کی فوج کے لوگ آپ کے حلقہ بیعت میں
داخل نہیں ہیں! خلیفہ بولا وہ کیسے؟ آپ نے
فرمایا: وہ یوں کہ آپ کے روبرو حلف اٹھالیں اور
پھر گھر جا کر استثناء کر لیں، اس طرح ان کو قسم باطل

---

۴۲ ابن الاثیر الجزری، التاریخ الکامل، الجزء الخامس، ص: ۲۱۷۔

۴۳ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص: ۳۶۳ تا ۳۷۰

منا زلهم فيستشنون فتبطل ايمانهم	ہو جائے گی۔ منصور ہنس پڑا اور ربیع سے کہا ابوحنیفہ
قال فضحك المنصور وقال ياربيع	سے تعرض نہ کیجئے۔ جب ابوحنیفہ نکلنے لگے تو ربیع نے
لا تعرض لابي حنيفة فلما خرج	ان سے کہا: آپ نے تو میرا خون بہانے کا ارادہ کر لیا
ابوحنيفة قال له الربيع: اردت	تھا! فرمایا یوں نہ کہیئے بلکہ میرا خون بہانے کا ارادہ
ان تشيط بدمي قال لا ولكنك اردت	آپ نے کیا تھا، میں نے تمہاری بھی گلو خلاصی کرادی
ان تشيط بدمي فخلصتك وخلصت	اور خود اپنی بھی رہائی کرالی۔

نفسي - ۲۴

امام اعظم کی شخصیت اتنی بلند و بالا ہے کہ آپ کے مناقب میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں ۲۵

امام اعظم کے بعد دوسری شخصیت جس نے فقہ حنفی کی تدوین میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، وہ قاضی ابو یوسف کی ہے آپ کا اصل نام یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری ہے، ۱۱۳ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، آپ عربی النسل تھے۔

آپ شروع میں بڑے غریب تھے لیکن علم سے وابستگی اور شوق کی بنا پر علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے۔ امام اعظم نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو مالی امداد فرمانے لگے۔ ابو یوسف پہلے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے شاگرد رہ چکے تھے بلعد میں جب امام اعظم کی صحبت اختیار کی تو انہی کے ہو کر رہ گئے۔ علم و فضل کی بنا پر عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے اور اس طرح عباسی خلافت کے اولین قاضی قرار پائے۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے:

ولاه موسى بن المهدي القضاء بها ثم هارون الرشيد من بعده وهو اول من دعي بقاضي القضاة في الاسلام - ۲۶

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ کے مشہور ترین شاگرد امام ابو یوسف ہیں، امام ابو یوسف خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور تھے اور انہی کے ذریعے عراق، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ ممالک میں امام ابوحنیفہ کا

---

۲۴ ایضاً ص: ۳۶۵

۲۵ تفصیل کے لئے دیکھئے الزرکلی، الاعلام، الجزء التاسع، ترجمہ ابوحنیفہ۔

۲۶ ابوزہرہ، حیات حضرت امام ابوحنیفہ، ص ۳۲۱، ۳۲۰، نیز دیکھئے تاریخ بغداد، جلد ۱۴، ترجمہ یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف القاضی

مذہب اور ان کے قضایا شائع ہوئے" [۲۷]

ابوزہرہ نے ابن جریر طبری اور ابن عبدالبر کے ان مدحیہ اقوال کو نقل کیا ہے جو انہوں نے امام ابویوسف کے متعلق کہے ہیں

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"قاضی ابویوسف بڑے فقیہ، عالم اور حافظ تھے، حفظ حدیث میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ محدث کے یہاں حاضر ہوتے اور پچاس یا ساٹھ احادیث تک یاد کر لیتے، پھر کھڑے ہو کر املا کرا دیتے، بڑے کثیر الحدیث تھے۔ آپ تین خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے قاضی رہے۔" [۲۸]

ابن عبدالبر کہتے ہیں:

"ہارون الرشید آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور ابویوسف ان کے ہاں بڑے موقر و مکرم تھے" [۲۹]

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ابویوسف کے ترجمے میں لکھا ہے کہ "اعمش نے ابویوسف سے ایک مسئلے کے متعلق دریافت کیا۔ ابویوسف نے اس کا شافی جواب دیا تو اعمش نے کہا تم نے یہ جواب کس شرعی سند کی بنا پر دیا ہے؟ ابویوسف نے کہا اس حدیث کی بنا پر جسے آپ نے ہمارے سامنے بیان کیا ہے۔ تو اعمش نے کہا بخدا میں نے اس حدیث کو اس وقت حفظ کیا کہ تمہارے باپ کی ابھی شادی بھی نہ ہوئی تھی لیکن اس کے معنی آج معلوم ہوئے۔" (تاریخ بغداد، جلد ۱۴، ترجمہ ابویوسف القاضی)

اس سے آپ کی ذہانت و فطانت اور استنباطِ مسائل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

امام ابویوسف نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں انہوں نے اپنے اور اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے افکار و نظریات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی سب سے مشہور تصنیف کتاب الخراج ہے [۳۰]۔ یہ دراصل ایک خط ہے جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے نام لکھا ہے اس میں وہ حکومت کے مالی وسائل اور ذرائع آمدنی کی تفصیلات ذکر کرتے ہیں۔ بقول ابوزہرہ "یہ کتاب بلاشبہ اپنے موضوع پر بہترین اور قیمتی فقہی سرمایہ ہے۔ جس دور میں یہ لکھی گئی اس میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔" [۳۱]

---

[۲۷] شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، اردو ترجمہ برہان الٰہی، حصہ اول، ص ۳۸۷۔

[۲۸] ابوزہرہ، حیات حضرت امام حنیفہ، ص ۳۲۱

[۲۹] ایضاً

[۳۰] اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں E Fagnan نے کیا ہے جو ۱۹۲۱ء میں پیرس سے شائع ہو چکا ہے (دیکھئے شارٹ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ص ۱۳۶)

[۳۱] ابوزہرہ، ص ۳۲۶۔

امام ابوحنیفہ کی ایک اور کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ ہے جس میں امام موصوف نے وہ مسائل جمع کئے ہیں جو امام اعظم اور قاضی ابن ابی لیلیٰ میں مختلف فیہ تھے، ان تمام مسائل میں امام ابو یوسف نے امام اعظم کا ساتھ دیا ہے۔

امام ابو یوسف کی کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے ابو زہرہ لکھتے ہیں :

"یہ ہیں امام ابو یوسف کی تصانیف، مذکورہ بالا کتب کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر حسین تعبیر، وضوحِ بیان، جزالت و فخامت، دقتِ نظر اور قوتِ فکر پائی جاتی ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو فقہی دلائل ہیں جن سے امام ابوحنیفہ کے منہاجِ فکر کا پتہ چلتا ہے۔" [۳۳]

فقہ حنفی کے تیسرے عظیم ستون امام محمد ہیں۔ آپ کا پورا نام محمد بن الحسن شیبانی اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۲ھ میں اور وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی طور پر امام اعظم سے اکتسابِ فیض کیا، تکمیل امام ابو یوسف کے پاس کی۔ علاوہ ازیں امام ثوری اور امام اوزاعی سے بھی استفادۂ علمی کیا۔ عراقی فقہ (فقہ حنفی) کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے فقہ، حدیث، روایات اور ان کے افکار و آثار اخذ کئے۔ آپ نے تین برس امام مالک کے یہاں قیام کیا۔ ہارون الرشید کے عہد میں قضاء کے منصب پر فائز رہے۔ آپ بالغ نظر ادیب بھی تھے اس لئے لسانی و بیانی خصوصیات سے بہرہ ور تھے، شخصیت بھی بڑی بارعب اور جاذبِ نظر تھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں :-

"آپ فصیح ترین انسان تھے، جب بولتے تو سامع محسوس کرتا کہ قرآن آپ کی زبان پر اترا ہے۔"

خطیب بغدادی نے آپ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ، "ترك ابي ثلاثين الف درهم فانفقت خمسة عشر الفاعلى النحو والشعر وخمسة عشر الفاعلى الحديث والفقه۔" (میرے باپ نے تیس ہزار درہم ترکہ چھوڑا، میں نے پندرہ ہزار درہم نحو و شعر کی تحصیل میں اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ کے اکتساب میں خرچ کئے)

خطیب بغدادی نے آپ کی علمی فضیلت کے ذکر میں امام شافعی کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے فقط دو پیش کئے جاتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں :-

"لو اشاء ان اقول ان القرآن نزل بلغة محمد بن الحسن لقلت لفصاحته"

اور آپ نے فرمایا : "امنّ الناس علیّ فی الفقه محمد بن الحسن"

خطیب بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے ابراہیم الحربی نے پوچھا :-

---

[۳۳] ابو زہرہ، ص : ۴۴۳۔

ھذہ المسائل الدقائق من این لک؟

توامام احمد حنبل نے جواباً فرمایا : من کتب محمد بن الحسن !

ملا علی بن سلطان محمد الہروی القاری نے امام شافعی کے اس قول کو مناقب خوارزمی کے حوالے سے نقل کیا ہے :

عن الشافعی انہ قال محمد بن الحسن یخاطب الناس ویکلمهم علی قدر عقولهم فلو کلمهم علی قدر عقلہ لما فهموا کلامہ " (مخطوطہ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

" امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں تصنیف وتالیف، درس وتدریس کی بہترین خدمات انجام دینے والے محمد بن الحسن ہیں ۔ ان کی حالت یہ بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے فقہ کی تحصیل کی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ گئے اور امام مالک کے سامنے زانوئے شاگردی بچھایا اور ان سے مؤطا پڑھی ..... ۳۴"

ابوزہرہ لکھتے ہیں :-

" محمد بن حسن ان اوصاف کے جامع تھے جو ان کے استاذ امام ابویوسف کے سوا کسی میں جمع نہ ہوسکے۔ آپ نے عراقی فقہ مکمل طور پر حاصل کی، منصب قضا کی ذمہ داریوں نے اس میں مزید جلا پیدا کی۔ استاذ مدینہ امام مالک سے اہل حجاز کی فقہ حاصل کی۔ اہل شام کی فقہ ملک شام کے مشہور شیخ امام اوزاعی سے پڑھی۔ تفریع اور حساب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ زبردست قوت بیانیہ کے مالک تھے۔ جب قضا کی ذمہ داریوں سے دوچار ہوئے تو آپ کے علم وتجربہ کو چار چاند لگ گئے اور آپ کو فقہ کا عملی تجربہ حاصل ہوا .... سچی بات یہ ہے کہ عراقی فقہ کو متاخرین تک نقل کرنے کا سہرا امام محمد کے سر ہے۔" ۳۵

امام محمد نے فقہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ امام محمد کی تصانیف ہی فقہ حنفی کا اولین مرجع سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل تو آئندہ اوراق میں پیش کی جائے گی یہاں ان کی صرف دو تصانیف سے متعلق دو تبصرے پیش کئے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام اوزاعی نے جب آپ کی کتاب "السیر الکبیر" دیکھی تو بولے :

---

۳۳ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لائیڈن ، ص ۱۳۱۔

۳۴ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ، (بربان الہی) حصہ اول، ص ۳۴۸۔

۳۵ ابوزہرہ ، ص ۳۳۶۔

• اللہ تعالٰی نے اصابتِ جواب میں ان کی رائے وسعت و محدود کر دیا ہے ، اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا ہے و فوق کل ذی علم علیم ."

ابوزہرہ آپ کی ایک اور تصنیف " الجامع الکبیر " سے ایک مثال پیش کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" نقل کردہ عبارت سے روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہے کہ یہ کتاب جودتِ تعبیر ، احکامِ فکر ، سلاستِ عبارت اور حسنِ بیان میں اپنی مثال آپ ہے ." ۳۶

خطیب بغدادی نے امام محمد کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے ابوعلی الحسن بن داؤد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بصرہ والوں کا فخر چار کتابیں ہیں . جاحظ کی کتاب " البیان والتبیین " نیز کتاب الحیوان ، سیبویہ کی " الکتاب " ، اور خلیل کی کتاب فی العین " جبکہ ہمارا فخر ان ستائیس ہزار مسائل پر ہے جو کوفہ کے ایک مرد محمد بن حسن نے حلال و حرام کے متعلق بیان کئے ہیں ، وہ ایسے قیاسی اور عقلی ہیں کہ کسی انسان کو ان کا نہ جاننا روا نہیں ....."

فقہ حنفی سے متعلق امام ابو یوسف اور امام محمد کی گرانقدر خدمات کا ذکر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ، ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

These two pupils are more authoritative for the development of the teachings of the school than even Abu Hanifa himself." ۳۷

ترجمہ : " یہ دونوں شاگرد حنفی مکتبِ فکر کی تعلیمات کی نشوونما و ارتقاء کے ضمن میں خود ابوحنیفہ سے بھی سبقت لے گئے ہیں ."

امام اعظم کے دو رشیذ تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد جنہیں عرفِ عام میں " صاحبین " کہا جاتا ہے ، کے علم و فضل کمالات ، مہارت اور فقہی بصیرت کا اندازہ مندرجہ بالا اقوال سے آسانی سے لگایا جا سکتا ہے . حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے استاد کے اقوال و افکار کو متاخرین تک پہنچانے میں عظیم خدمت انجام دی ہے اور فقہ حنفی ہی نہیں فقہ اسلامی میں ان کا ذکر زریں حروف سے مرقوم ہے .

اب فقہ حنفی کے چوتھے ستون امام زفر کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے . آپ کا پورا نام زفر بن ہذیل ہے . یہاں اس مرکز کر

---

۳۶ ابوزہرہ : ص ۲۴۴

۳۷ شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، ص ۱۳۱ .

بے حد ضروری ہے کہ آپ امامِ اعظم کے دونوں ارشد تلامذہ ابو یوسف اور محمد سے صحبت کے اعتبار سے مقدم تھے چنانچہ امام اعظم کی وفات کے صرف آٹھ سال بعد ہی وفات پا گئے۔ گویا آپ کا سنِ وفات ۱۵۸ھ ہے۔ آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ امامِ اعظم کی وفات کے بعد تھوڑا عرصہ زندہ رہے تاہم اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ پوری زندگی آپ امامِ اعظم کے افکار و آراء کی نشر و اشاعت میں سرگرمِ عمل رہے۔ امامِ اعظم کی زندگی ہی میں آپ بصرہ کے قاضی بن گئے تھے تاہم آپ امامِ اعظم کے حلقۂ درس کے جانشین ہوئے اور ان کے بعد ہی مسندِ تدریس امام ابو یوسف کے حصے میں آئی۔

تاریخ بغداد میں ان چاروں بزرگوں کا بڑا عمدہ تقابل بیان کیا گیا ہے، لکھا ہے:

"مروی ہے کہ ایک شخص امام مزنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہلِ عراق کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے امام مزنی سے کہا: "ابو حنیفہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" امام مزنی نے کہا "اہلِ عراق کے سردار"۔ اس نے پوچھا "اور ابو یوسف کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ وہ بولے: "وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں"۔ اس نے پھر کہا اور امام محمد کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟" مزنی بولے، "وہ تفریعات میں سب پر فائق ہیں"۔ وہ بولا "اچھا تو زفر کے متعلق فرمایئے: امام مزنی بولے! "وہ قیاس میں سب سے زیادہ تیز ہیں"۔ ۳۵

فقہ حنفی کی تدوین اور اس کا طریقِ کار

عصرِ صحابہ میں جو مجتہد پائے جاتے تھے وہ اپنے فتاویٰ اور اجتہادات کو جمع نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے حدیثِ نبوی کی جمع و تدوین بھی نہیں کی۔ بعد میں مدینہ کے فقہاء حضرت عبداللہ بن عمر، حضرتِ عائشہ، حضرت ابن عباس اور ان کے بعد تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے۔ ان کو دوسرے مسائل کے لئے مبنیٰ قرار دیتے تھے۔ عراقی فقہاء عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی کے فتاویٰ شریح اور دیگر قضاۃِ کوفہ کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم نخعی نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعے میں جمع کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کے استاد حماد کا بھی ایک مجموعہ تھا۔ تاہم ان کی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی کہ مجتہد عند الضرورت اس کی طرف رجوع کرتا تھا، فقہ کی باقاعدہ تدوین کا سہرا امامِ اعظم کے سر پر ہے۔

بقول علامہ مکی امام ابو حنیفہ اولین شخص ہیں جنہوں نے علمِ شریعت کو مدوّن کیا۔ آپ سے قبل یہ فخر کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔ صحابہ و تابعین نے نہ ابواب مرتب کئے اور نہ کوئی باترتیب تصنیف کی، ان کا تمام تر اعتماد قوتِ فہم پر تھا۔ ان کے دل ہی علم کے

---

۳۵ ابو زہرہ، ص ۳۵۰، نیز تاریخ بغداد ترجمہ ابو یوسف القاضی۔

صندوق تھے۔ امام ابوحنیفہ نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ اوراقِ علم بکھرے پڑے ہیں۔ ان کے جی میں آیا کہ مبادا بعد میں آنے والے ناخلف انہیں ضائع کر دیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امام ابوحنیفہ نے تدوینِ علم کا بیڑا اٹھایا۔" [۳۹]

علی بن سلطان محمد الہروی نے بھی اس امر کی نشاندہی کی ہے ،

" اذ من المعلوم المقرر ان الامام الاعظم هو المجتهد الاقدم وهو الذی اسس الاصول والفروع بادلة المعقول والمشروع حتی اعترف الشافعی حیث قال الخلق کلهم عیال ابی حنیفة فی الفقه۔"

(عکسی نسخہ مکتبہ انورسنتہ استنبول ترکی ... د)

فقہ حنفی کی تدوین میں امام اعظم کی حیثیت بانی وقائد اور رہنما کی ہے تاہم اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ امام اعظم کی براہِ راست فقہ حنفی پر کوئی تصنیف نہیں بلکہ آپ کے تلامذہ نے آپ کی زیر سرپرستی آپ کے اقوال مدون کئے اور حضرت امام نے کبھی کبھی ان پر نظر ثانی فرمائی۔ چنانچہ فقہ حنفی کی کتب کی تدوین میں کچھ حد تک امام ابویوسف ورنہ تقریباً مکمل فقہ حنفی کی تدوین امام محمد نے کی۔ امام اعظم کی کوئی باقاعدہ تصنیف نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ابوزہرہ لکھتے ہیں :۔

" فقہ میں امام ابوحنیفہ نے کوئی مرتب و منظم کتاب تصنیف نہیں کی اگر آپ کے عہد کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات روحِ عصر اور رفتارِ زمانہ کے بالکل مطابق ہے کیونکہ کتابیں تصنیف کرنے کا رواج آپ کی وفات کے بعد یا آپ کی زندگی کے آخری دور میں ہوا جبکہ آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔" [۴۰]

فقہ حنفی کی ایک نمایاں اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تدوین شورائی طریقِ کار پر ہوئی۔ اس طریقِ کار پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ مکی "المناقب" میں لکھتے ہیں :۔

" آپ نے اپنے مسلک کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے ٹھونسنی نہیں چاہی۔ اس سے آپ کا مقصد دینی کاوش اور خدا و رسول سے تعلق خلوص میں امکانی حد تک کوشاں رہنا تھا آپ ایک ایک مسئلہ پیش کر کے تلامذہ کے جوابات سنتے تھے اور پھر اپنا مافی الضمیر بیان فرماتے۔ ضرورت کا تقاضا ہوتا تو ان سے تبادلۂ افکار بھی کرتے۔ جب ایک قول پر آکر بات ٹھہر جاتی تو ابو یوسف اسے اصول میں درج

---

[۳۹] المناقب مکی بحوالہ ابوزہرہ ، ص : ۳۱۰۔

[۴۰] ابوزہرہ ، ص : ۳۰۸۔

کر لیتے۔ اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لئے"۔ ۱۳۱

مجلسِ شوریٰ میں شریک تلامذہ کس پائے کے تھے اور علم و فضل کے کس مقام پر فائز تھے؟ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے وابستہ دامن تلامذہ کے متعلق فرمایا:۔

" اصحابنا ھؤلاء ستۃ وثلاثون رجلا منھم ثمانیۃ وعشرون یصلحون للقضاء ومنھم ستۃ یصلحون للفتوی ومنھما اثنان یصلحان یؤدبان للقضاۃ واصحاب الفتوی واشار الی ابی یوسف وزفر"

" یہ چھتیس آدمی ہیں، ان میں سے اٹھائیس قاضی بننے کے لائق ہیں، اور چھ قاضی بننے کے اور دو قاضیوں اور مفتیوں کی اصلاح و تادیب کی قابلیت رکھتے ہیں، اور آپ نے ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ فرمایا"۔ ۱۳۲

اس میں جہاں باقی تلامذہ کی فضیلتِ علمی کا اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے وہاں ابو یوسف اور زفر کی علمی عظمت کا اندازہ کرنا چنداں دشوار نہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام اعظم نے فقہ حنفی میں کوئی مرتب و منظم تصنیف نہیں فرمائی تھی، آپ کے اصحاب و تلامذہ آپ کی فقہی آراء کو مدوّن کرتے اور ضبطِ تحریر میں لاتے تھے، کبھی آپ انہیں املاء بھی کراتے تاہم یہ تمام کام امام ابو یوسف اور امام محمد کے ہاتھوں تکمیلی مراحل تک پہنچا، چنانچہ ابو زہرہ لکھتے ہیں:

" ابو یوسف نے کتاب الخراج اور فقہ حنفی کی دیگر کتب مدوّن کیں، پھر امام محمد کا دور آیا تو انہوں نے مکمل یا تقریباً مکمل فقہ حنفی کو ترتیب دیا"۔ ۱۳۳

امام محمد نے جن کتابوں کی تدوین کی ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جسے ثقہ راویوں نے امام محمد سے روایت کیا ہے انہیں کتبِ ظاہر الروایہ یا مسائلِ اصول کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو ثقہ راویوں سے روایت نہیں کی گئیں ان کا نام کتب یا مسائل النوادر ہے۔ کتبِ ظاہر الروایہ چھ ہیں: المبسوط، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب

---

۱۳۱ المناقب للمکی بحوالہ ابو زہرہ ص ۳۱۱۔

۱۳۲ خطیب، تاریخ بغداد، جلد ۱۴، ترجمہ یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف القاضی (امام محمد کا شمار ان میں اس لئے نہیں کیا گیا کہ آپ کی عمر اس وقت چھوٹی تھی کیونکہ امام اعظم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف ۱۸ برس تھی۔)

۱۳۳ ابو زہرہ: ص ۳۰۹۔

السیر الصغیر اور زیادات ۔ یہ چھ کتابیں ابو الفضل نے اپنی تصنیف کتاب الکافی میں جمع کر دی ہیں۔ بعد ازاں علامہ سرخسی نے کتاب المبسوط میں جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے کافی کی شرح لکھی ہے [44]

(محمصانی نے کتاب النوادر کی تفصیل کے علاوہ امام اعظم کے دیگر تلامذہ کی تصانیف نیز فقہ حنفی کے مسائل پر مشتمل مشہور کتب فتاوی کی تفصیل بھی اپنی تصنیف فلسفۃ التشریع فی الاسلام میں دی ہے ۔ دیکھئے (اردو ترجمہ) ص : ۳۰ تا ۳۴)

فقہ حنفی کے اصول اور استنباطِ مسائل کا طریق کار

امام اعظم نے اپنی فقہ کی بنیاد کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے اقوال و فتاوی پر رکھی آپ نے فرمایا :

"میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے اصحاب و تلامذہ کی فقہ حاصل کر چکا ہوں " [45]

ابن عبد البر نے "انتقاء" میں آپ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :

"جب کوئی مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے نہ سنت رسول میں تو میں اقوال صحابہ پر غور کرتا ہوں اور اقوال صحابہ کے سامنے کسی کے قول کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا " [46]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :

" اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کی اصل و اساس حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علی کے قضایا اور فتوے اور قاضی شریح کے قضایا ، فیصلے اور دیگر کوفہ کے قاضیوں کے قضایا اور فتوے ہیں۔ انہوں نے انہی سے حسب توفیق الٰہی مسائل فقہ جمع کیے " [47]

شاہ صاحب امام ابو حنیفہ کے طریق اور ان کی فقہی بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" اور حضرت امام ابو حنیفہ عموماً حضرت امام ابراہیم نخعی اور ان کے ہمعصر علماء کو نہایت التزام سے تھامے ہوئے تھے ، اس سے وہ ذرہ برابر متجاوز نہ ہوتے تھے الا ماشاء اللہ۔ حضرت امام ابو حنیفہ ان کے مذہب کی تخریجات

---

[44] محمصانی ، فلسفۃ التشریع فی الاسلام ، اردو ترجمہ فلسفہ شریعت اسلام ص : ۳۰ ۔

[45] ابو زہرہ : ، ص ، ۵۷ ۔

[46] ابن عبد البر ، انتقاء ۱۳۵۰ھ ، ص : ۱۴۳ بحوالہ صبحی محمصانی ، ص ۳۸ ۔

[47] حجۃ اللہ البالغہ ، اردو ترجمہ برہان الٰہی ، ص : ۳۸۱

میں ایک عظیم الشان حیثیت رکھتے تھے۔ تخریجاتِ مسائل کی وجوہات پر نہایت دقیق و عمیق نظر رکھتے تھے، اور فروعات پر پوری پوری نظر اور کامل توجہ تھی۔" ۴۸

اپنے مندرجہ بالا بیان کی تائید و تصدیق کے لئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"اگر تم ہمارے اس بیان کی تصدیق چاہتے ہو تو امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ کا مطالعہ کرو اور ان میں حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے ہمعصر علماء کے اقوال کا تفحص کرو، پھر ان کو امام ابوحنیفہ کے مذہب پر منطبق کرو، ٹھیک ٹھیک تم اپنے اساتذہ کی روش اور طریقہ کا پیرو پاؤگے"۔ ۴۹

امام ابویوسف کی کتاب "الرد علی سیر الاوزاعی" پر تبصرہ کرتے ہوئے ابوزہرہ نے امام اعظم کے طرقِ استنباط اور فقہی مہارت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

"کتاب ہذا میں امام ابوحنیفہ کے دلائل، طرقِ استنباط اور مسالکِ استدلال کی اصلی صورت دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ آپ فقہی قیاسات میں کس قدر مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور نصوصِ کتاب و سنت کی تشریح و توضیح کرتے وقت آپ کی عقل دقیقہ رس ان کے غایات اور دواعیِ علل تک پہنچ جاتی تھی"۔ ۵۰

امام ابویوسف کی دوسری کتاب "اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ" پر تبصرہ کرتے ہوئے ابوزہرہ لکھتے ہیں:-

"یہ کتاب جن مفید مسائل و ادلّہ پر مشتمل ہے وہ امام ابوحنیفہ کی فقہی بصیرت و فراست کی جیتی جاگتی تصویر ہیں"۔ ۵۱

اس مہارت اور دقیق و عمیق نظر اور فقہی بصیرت و فراست کے باوجود امام اعظم جب کسی مسئلے پر فتوے دیتے تو کہہ دیتے:

"ھٰذا رأی النعمان بن ثابت یعنی نفسہ وھو احسن ما قدرنا

---

۴۸ حجۃ اللہ البالغہ: اردو ترجمہ برہان الٰہی، ص: ۳۸۶۔

۴۹ ایضاً: ص: ۳۸۷۔

۵۰ ابوزہرہ: ص: ۳۳۱، ۳۳۲۔

۵۱ ایضاً: ص: ۳۳۱۔

علیہ فمن جاء باحسن منه فهو اولی بالصواب "۔ [۵۲]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے امام شعرانی کی تالیف کتاب الیواقیت والجواہر کے حوالے سے امام اعظم کا یہ قول نقل کیا ہے :

"انہ یقول : لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی "۔ [۵۳]

یعنی جسے میری دلیل کا علم نہیں اسے میرے قول پر فتوے نہیں دینا چاہیئے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے امام محمد کی ہی وہ شخصیت ہے جنہوں نے امام اعظم سے قدرے استفادہ اور امام ابو یوسف سے خاطر خواہ بہرہ ور ہونے کے بعد فقہ حنفی کی عملی طور پر تدوین کی۔ ان کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں :

" انہوں نے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے مذہب پر غور و خوض کرنا شروع کیا اور ان کے ہر مسئلے کو امام مالک کے مؤطا پر منطبق کرنے کی کوشش کی۔ اگر یہ مسائل مؤطا پر منطبق ہو جاتے تو فبہا ورنہ پھر صحابہ اور تابعین کے اقوال پر نگاہ ڈالتے۔ اگر صحابہ اور تابعین کو اپنے اصحاب و اساتذہ کے مذہب کے مطابق پاتے تو اسے اختیار کر لیتے اور اگر اپنے مذہب و مسلک اور عمل فقہاء کو ضعیف قیاس اور کمزور تخریج پر مبنی پاتے اور وہ صحیح حدیث کے خلاف ہوتا اور اکثر علماء اس کے خلاف ہوتے تو وہ اسے ترک کر دیتے اور علماء سلف میں سے جس کا مذہب و مسلک راجح اور قوی پاتے، اختیار کر لیتے "۔ [۵۴]

ابو زہرہ کتاب الخراج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" ان کا زیادہ اعتماد قرآنی دلائل، احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کے فتاوے پر ہے وہ احادیث روایت کر کے ان سے علل کا استنباط اور صحابہ کے ان پر عمل کا ذکر کرتے ہیں "۔ [۵۵]

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے، فقہ حنفی کا مدار قرآنی دلائل، احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کے فتاوی پر ہے اس امر کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے کہ عہد عباسی میں چونکہ اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا اور مختلف تہذیب و

---

[۵۲] حجۃ اللہ البالغہ ، ج ۱ ، ص ۲۱۷

[۵۳] ایضاً ص ۲۱۶

[۵۴] ایضاً ص ۳۸۷

[۵۵] ابو زہرہ ص ۳۳۱ تا ۳۳۲

تمدن سے وابستہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو رہے تھے لہذا یہ ایک منطقی نتیجہ تھا کہ نئے نئے مسائل پیدا ہوئے، اور عالی ہمت فقہائے کرام نے کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے حل کے لئے پوری پوری کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ بعض مسائل میں مختلف مکاتیبِ فکر کے فقہاء کرام کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے۔ ابن خلدون فقہائے احناف کی مہارت اور فقہی بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے خلفائے عباسیہ کی صحبت میں رہ کر تالیفات کے تودے لگا دیے اور شافعیوں کے ساتھ ان کے زبردست مناظرے رہے اور اختلافی مسائل میں اچھی اچھی بحثیں ان کے قلم سے نکلیں اور وہ علم میں منجھ گئے اور عمیق النظر بن گئے اور جو کچھ ان کی فضیلت و برتری تھی وہ منظرِ عام پر آگئی"[۵۶]

ابن خلدون نے مذہبِ حنفی کے ذکر کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہبِ فقہ پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ مذہبِ مالکی کے متعلق لکھتے ہیں:

"آپ دیکھیں گے کہ مالکی مذہب بہ نسبت اور مذاہب کے حضریت کے رنگ و اثر سے دور ہی رہا"[۵۷]

حنبلی مذہب کے متعلق بیان کرتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل کے مقلدین بہت کم تعداد میں ہیں کیونکہ ان کا مذہب اجتہاد سے دور رہا"[۵۸]

حنبلی فقہاء کا فقہائے احناف سے استفادۂ علمی کا ذکر کرتے ہوئے ابنِ خلدون لکھتا ہے:

"امام احمد بن حنبل کے شاگردوں نے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے استفادۂ علمی کیا، گو ان کا خود اپنا مرتبہ حدیث میں بہت اونچا تھا مگر پھر بھی فقہ حنفی ہی کے خوشہ چین ہوئے"[۵۹]

فقہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ ابنِ خلدون نے اصولِ فقہ کے ضمن میں امام شافعی کے متعلق یہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے اس علم پر قلم اٹھایا اور اس میں ایک مشہور رسالہ لکھا، پھر فقہائے حنفیہ نے اس میدان میں قدم رکھا تو قواعد پر بصیرت افروز بحثیں اٹھائیں۔ اصولِ فقہ میں فقہائے احناف کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ابن خلدون نے لکھا ہے:

"بہرحال ماننا پڑتا ہے کہ فقہائے حنفیہ کو اس میں بے نظیر مہارت ہے کہ نکاتِ فقہ کی گہرائیوں تک

۵۶۔ ابن خلدون، مقدمہ، اردو ترجمہ، ص: ۴۶۹
۵۷۔ ایضاً ، ایضاً ، ص ۴۷۰
۵۸۔ ایضاً ، ایضاً ، ص ۴۶۹
۵۹۔ ایضاً ، ایضاً ، ص: ۴۶۹

خوب پہنچتے ہیں اور مسائلِ فقہ سے اصولِ فقہ کے قواعد خوب نکال لیتے ہیں۔ اس فن میں ابو زید الدبوسی امام حنفی کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے قیاس پر ایک مبسوط کتاب لکھی ہے جو سب کتب پر فوقیت لے گئی۔ اور اس میں قابلِ قدر بحثیں اٹھا کر وہ تمام شروط زیرِ بیان لاتے جن کی حاجت محسوس ہوتی ہے اور جن کے بغیر چارہ نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ خلاصۂ کلام یہ کہ فقہائے احناف نے علم اصولِ فقہ پر بیش از بیش کتابیں لکھیں اور اس علم کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔" [۶۰]

بعض مستشرقین نے اسلامی فقہی مذاہب کا تقابلی جائزہ لیا ہے چنانچہ یوسف شاخت (Joseph Schacht.) نے امام اعظم اور امام شافعی اور دیگر ائمہ کے طرقِ استنباط پر تبصرہ کیا ہے اس ضمن میں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں :-

"Shafii merely borrows and repeats the reasoning of Abu Hanifa." ——— "He is less technically legal than Abu Hanifa." ——— "Shafii reproduces almost literally Shaibanis argument" ——— "Shafii adopts and elaborates part of Shaibanis systematic argnments against the Medinese, although in each case he diverges from both ancient schools." [۶۱]

ترجمہ : "امام شافعی امام ابو حنیفہ کے استدلال کو بعض مستعار لیتے ہیں اور اس کا اعادہ کرتے ہیں ۔۔۔۔۔"

"وہ فنی اور قانونی اعتبار سے ابو حنیفہ سے پیچھے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔"

"امام شافعی، امام محمد الشیبانی کے استدلال کا تقریباً چربہ اتارتے ہیں ۔۔۔۔۔"

---

[۶۰] ابن خلدون ، ص ، ۴۷۵

[۶۱] یوسف شاخت ، دی اوریجنز آف محمڈن جیورسی پروڈنس ، آکسفورڈ ، ۱۹۵۰ ، ص ۲۱۷

" امام شافعی (امام مالک کے) مدنی مکتب فکر کے بجائے امام محمد الشیبانی کے مرتب استدلال کو جزوی طور پر اپناتے ہیں اور اس پر اپنے استدلال کی عمارت تعمیر کرتے ہیں، اگرچہ وہ ہر مسئلے میں ان دونوں قدیم مکاتیبِ فکر سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

مصنف مذکور نے ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے طرقِ استنباط اور دلائل کا مقابلہ پیش کیا ہے، بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتا ہے :-

" The examples with which I illustrated the development of legal reasoning show the superiority of Abu Hanifa's technical legal thought over that of Ibn Abi Laila." ۶۲

ترجمہ :- "وہ مثالیں جن سے میں نے قانونی استدلال کے نشوونما و ارتقاء کو واضح کیا اس امر پر دال ہیں کہ ابوحنیفہ کا فنی اور قانونی نقطۂ نگاہ ابن ابی لیلیٰ کے استدلال اور نقطۂ نگاہ سے فوقیت کا حامل ہے"

امام اوزاعی (نیز ابن ابی لیلیٰ) کے ساتھ امام اعظم کے مناہج استدلال کا موازنہ کرتے ہوئے یہی مصنف لکھتا ہے :-

" ...... those numerous cases which show Abu-Hanifa's legal thought not only more broadly based and more thoroughly applied than that of Auzai and Ibn Abi Laila, but technically more highly developed, more circumspect, and more refined." ۶۳

ترجمہ : ان کثیر التعداد مسائل سے ظاہر ہے کہ نہ صرف یہ کہ اوزاعی و ابن ابی لیلیٰ کی نسبت ابوحنیفہ کا قانونی نقطۂ نگاہ زیادہ وسیع النظری پر مبنی اور کامل و مکمل طور پر منطبق نظر آتا ہے بلکہ فنی محاسن کے اعتبار سے انتہائی

---

۶۲ یوسف شاخت ص ۲۹۴

۶۳ ایضاً ص ۲۹۶

ارتقائی، زیادہ محتاط اور زیادہ دقیقہ رس ہے۔"

اسی مصنف نے امام اعظم کے طریقِ استدلال کو ان شاندار الفاظ میں ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے:

"Abu Hanifa shows a high degree of technical reasoning, is sharp-sighted and systematic, and anticipates Shafii's doctrine." [۶۲]

ترجمہ:- "ابوحنیفہ ایک اعلیٰ درجے کے فنی استدلال کا ظاہر ثبوت دیتے ہیں، وہ بڑے دقیقہ رس، صاحبِ بصیرت اور بااصول ہیں اور شافعی کے اصول ونظریات کو ان سے بہت پہلے بحث میں لاتے ہیں۔"

فقہ حنفی کی خصوصیات

اسلام دینِ فطرت ہے اور پوری انسانی زندگی کے لئے ایک روشن ضابطۂ حیات ہے۔ قرآنِ حکیم نے جو منبعِ رشد و ہدایت ہے اور اسلامی فقہ وقانون کا ماخذِ اول ہے، انسانی زندگی کے لئے بنیادی زریں اصول کی نشاندہی کر دی ہے۔ اس کے اجمالی احکام کی تشریح و توضیح سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میسر آجاتی ہے اور ان دونوں یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں مشابہ اور مماثل مسائل پر قیاس کرتے ہوئے یا علت وحکمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہائے کرام نے نئے ابھرنے والے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسائل کے استنباط میں فقہی اختلافات ناگزیر تھے (اگرچہ ان اختلافات کی نوعیت موجودہ دور میں کسی عدالت کے فاضل ججوں کی آراء میں اختلاف کی طرح ہے) چنانچہ مختلف فقہی مکاتیبِ فکر وجود میں آئے جن میں سے صرف چار کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور اہل السنت والجماعت کے نزدیک چاروں ائمہ احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، علی بن سلطان الہروی لکھتے ہیں:-

"اتفق علیہ علماء الامۃ من اھل السنۃ والجماعۃ ان الائمۃ الاربعۃ کلھم علی طریق الھدایۃ المبنیۃ علی الاصول القواعد الشرعیۃ والفروع والجزئیات الفقھیۃ۔"

(اہلسنت وجماعت کے علماء امت اس امر پر متفق ہیں کہ چاروں ائمہ کرام، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام

---

۶۲ یوسف شاخت۔ ص ۲۹۷

شافعی اور امام احمد بن حنبل، رشد و ہدایت کے ایک ایسے طریق پر گامزن ہیں جو شرعی اصول و قواعد، فروع اور جزئیات فقہیہ پر مبنی ہے۔

ان چار مقبول و مشہور فقہی مکاتیبِ فکر میں سے فقہ حنفی کو خصوصی طور پر فروغ نصیب ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فروغ جیسا کہ بعض حضرات نے اس خیال کا اظہار کیا ہے، محض حنفی فقہا کے عہدۂ قضاۃ پر مامور ہونے کی وجہ سے ہوا یا فقہ حنفی کے ذاتی محاسن کی وجہ سے ہوا ہے۔ قبل اس کے کہ فقہ حنفی کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ فقہ حنفی کی شہرہ آفاق کتاب الہدایہ میں سے چند مسائل بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں جن سے فقہ حنفی کے موقف اور طریق استدلال کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

۱۔ نکاح میں گواہ

ولا تشترط العدالة حتى ينعقد بحضرة الفاسقين عندنا خلافا للشافعي رحمه الله له ان الشهادة من باب الكرامة والفاسق من اهل الاهانة ولنا انه من اهل الولاية فيكون من اهل الشهادة وهذا لانه لما لم يحرم الولاية على نفسه لاسلامه لا يحرم على غيره لانه من جنسه ولانه صلح مقلدا فيصلح مقلدا۔ [۵۵]	نکاح میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں حتیٰ کہ ہماری رائے میں نکاح دو فاسق گواہوں کی گواہی سے بھی منعقد ہو جائیگا اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ گواہی وجہ اعزاز ہے اور فاسق کا شمار حقیر لوگوں میں ہوتا ہے۔ ہماری (احناف کی) رائے یہ ہے کہ فاسق ولی ہو سکتا ہے لہٰذا وہ گواہ بھی بن سکتا ہے اور یہ واضح امر ہے کہ جب اسے مسلمان ہونے کی بنا پر خود اپنے متعلق حق ولایت سے محروم نہیں کیا جاتا تو دوسرے کے متعلق بھی محروم نہیں کیا جائیگا کیونکہ وہ اسی جنس میں سے ہے اور دوسرے جب وہ قاضی مقرر کر سکتا ہے تو وہ خود بھی قاضی ہو سکتا ہے (لہٰذا گواہ بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے)

۲۔ تین طلاقیں دینا۔

وطلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا فی طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا	طلاق بدعی کی صورت یہ ہے تین طلاقیں یکبارگی دے ڈالے یا ایک ہی طہر میں دے جب وہ ایسا کر بیٹھے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ اس غلط طریق سے طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ گنہگار نہ ہوگا

---

[۵۵] المرغینانی، الہدایہ، مطبوعہ مصر، الجزء الاول، ص ۱۹۰

وقال الشافعي رحمه الله: كل الطلاق مباح لانه تصرف مشروع ولنا ان الاصل في الطلاق هو الحظر لما فيه من قطع النكاح الذي تعلقت به المصالح الدينية والدنيوية والاباحة للحاجة الى الخلاص ولا حاجة الى الجمع بين الثلاث وهي المفرق على الاطهار ثابتة نظرا الى دليلها۔ [۲۶]

کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ) ہر طلاق مباح ہے اور یہ ایک شرعی تصرف ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق سے در اصل منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے وہ ازدواجی رشتہ منقطع ہو جاتا ہے جس کے ساتھ دین و دنیا کی بہت سی مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں اسکی اجازت صرف گلو خلاصی کی ضرورت کے تحت ہے اور (جب یہ ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو سکتی ہے تو) یکبارگی تین طلاق دینے سے کیا فائدہ جہاں تک اس کے مختلف طہروں میں دینے کا سوال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں واقعی ضرورت کی دلیل ملحوظ رہتی ہے۔

۳۔ مطلقہ کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح

واذا طلق امرأته طلاقا بائنا او رجعيا لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدتها وقال الشافعي رحمه الله: ان كانت العدة عن طلاق بائن او ثلاث يجوز لانقطاع النكاح بالكلية اعمالا للقاطع ولهذا لو وطئها مع العلم بالحرمة يجب الحد ولنا ان نكاح الاولى قائم لبقاء احكامه كالنفقة والمنع والفراش والقاطع تأخر عمله ولهذا ابقي القيد والحد لا يجب على اشارة كتاب الطلاق وعلى عبارة كتاب الحدود

اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق بائن یا رجعی دے دے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ مطلقہ بیوی کی بہن کو اپنے نکاح میں لائے جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر عدت طلاق بائن یا تین طلاقوں کی ہے تو (بیوی کی بہن سے نکاح جائز ہے کیونکہ) طلاق کے اثر کی وجہ سے نکاح کلی طور پر زائل ہو چکا ہے۔ اسی بنا پر اگر اس نے دانستہ مطلقہ بیوی سے مجامعت کی تو اس پر حد واجب ہو گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ پہلا نکاح اپنے بعض احکام مثلاً نفقہ، گھر سے نکلنے سے منع، نسب وغیرہ کے احکام باقی ہونے سے ابھی باقی ہے اور طلاق نے تو محض اس کے اثر کو متاخر کر دیا ہے لہذا یہ ممانعت موجود رہے گی اور کتاب الطلاق کے اشارے کے مطابق اس پر حد بھی واجب نہ ہو گی اور کتاب الحدود میں اسے اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ نکاح کی ملکیت زائل ہو چکی ہے تاہم بدکاری ثابت ہو گی

---

۲۶ المرغینانی ، الہدایہ ، مطبوعہ مصر ، الجزء الاول ، ص ۲۲۷

یجب لان الملک قد زال فی حق الحل فیتحقق الزنا ولم یتفق فی حق ما ذکرنا فیصیر جامعا۔ [٦٥]

لیکن جو مسئلہ ہم نے بیان کیا ہے اس میں نکاح کی ملکیت زائل نہ ہوگی چنانچہ مرد دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنیوالا قرار پائے گا۔

۴۔ مطلقہ کی عدّت

والحمل علی الحیض اولی اما عملاً بلفظ الجمع لانہ لو حمل علی الاطہار والطلاق یوقع فی طہر لم یبق جمعا او لانہ معرف لبراءۃ الرحم وھو المقصود او لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام وعدۃ الامۃ حیضتان فیلتحق بیانا بہ۔ [٦٦]

اور قروء سے مراد حیض لینا زیادہ مناسب اور راجح ہے اسکی پہلی دلیل یہ ہے کہ قروء کا لفظ جمع ہے (اور جمع میں کم از کم تین افراد ہوتے ہیں) لہذا اگر طہر کے معنی میں استعمال ہوگا تو جمع نہیں رہیگا کیونکہ اس طہر کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہوتا ہے جس میں طلاق واقع ہوتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت کا مقصد برات رحم کا معلوم کرنا ہے اور یہ برارت حیض ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تیسری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ باندی کی عدّت دو حیض ہوتی ہے۔ یہ حدیث قروء کی تشریح قرار پائیگی (کہ جب باندی کی عدّت کی تعیین حیض سے کی گئی ہے تو آزاد عورت کی عدت کا تعین بھی اسی سے ہوگا)

۵۔ مصارفِ زکوٰۃ

فہذہ جہات الزکوٰۃ فللمالک ان یدفع الی کل واحد منہم ولہ ان یقتصر علی صنف واحد وقال الشافعی، لا یجوز الا ان یصرف الی ثلاثۃ من کل صنف لان الاضافۃ بحرف اللام للاستحقاق ولنا ان الاضافۃ لبیان انہم مصارف لا لاثبات الاستحقاق

زکوٰۃ کی یہ سب وہ صورتیں ہیں جو بیان کر دی گئی ہیں پس مالک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ان میں سے ہر ایک کو زکوٰۃ ادا کرے اور اسے یہ بھی حق حاصل ہوگا کہ کسی ایک ہی صنف کو پوری زکوٰۃ ادا کر دے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فقط کسی ایک صنف کو زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ زکوٰۃ اسی صورت میں ادا ہوگی جب آٹھ اصناف (مصارفِ ثمانیہ) میں سے ہر صنف کے کم از کم تین افراد کو زکوٰۃ دی جائے کیونکہ للفقراء میں لام سے اضافت کی گئی ہے جو ان اصناف کا حق ثابت کرتا ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ لام اضافت بیان کے لئے ہے اس سے آٹھ اقسام کا لازمی مستحق

---

[٦٥] الہدایہ، مطبوعہ مصر، جلد اول، ص: ١٩٣

[٦٦] ایضا، جلد ثانی، ص: ٣٨

وھذا لما عرف ان الزکاة حق اللہ تعالیٰ و بعلة الفقر صار وامصارف فلا یبالی باختلاف جھاتہ والذی ذھبنا الیہ مروی عن عمرو بن عباس رضی اللہ عنھم ۔ ٥٩

ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور لوگ غربت، ناداری اور افلاس کی بنا پر زکوٰۃ کے مصرف قرار پاتے ہیں لہذا اس امر کا لحاظ نہ رکھا جائے گا کہ نادار شخص کون ہے اور ہمارا یہ موقف اس بنا پر ہے کہ حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی طریقہ منقول ہے ۔

٦۔ زکوٰۃ میں قیمت کی ادائیگی

و یجوز دفع القیم فی الزکاة عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر وقال الشافعی رحمہ اللہ لایجوز اتباعا للمنصوص کما فی الھدایا والضحایا ولنا ان الامر بالاداء الی الفقیر ایصال للرزق الموعود الیہ فیکون ابطالا لقید الشاة فصار کالجزیة بخلاف الھدایا لان القربة فیھا اراقة الدم وھو لایعقل ووجہ القربة فی المتنازع فیہ سد خلة المحتاج وھو معقول ۔ ٦٠

ہمارے (احناف) کے نزدیک زکوٰۃ میں واجب شدہ چیز کے بجائے اسکی قیمت کا ادا کرنا جائز ہے اسی طرح کفاروں میں یا صدقہ فطر میں یا عُشر میں یا نذر میں کسی واجب شے کے بجائے اسکی قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں ایسا کرنا جائز نہیں تاکہ نصوص کی قطعی پیروی کی جا سکے جیسا کہ ہدیہ یا قربانی کے جانوروں کی صورت سے (یعنی ان کی قیمت ادا نہیں جا سکتی) ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق پہنچانے کا وعدہ کر رکھا ہے انہیں پہنچایا جائے لہذا اس پر بکری یا بھیڑ کی شرط لگانا اس مقصد کو باطل کر دیگا لہذا اسکی حیثیت جزیہ کی ہوگی (جزیہ میں واجب چیز بھی دی جا سکتی ہے اور قیمت بھی) جہاں تک امام شافعی نے ہدیہ کے جانوروں پر قیاس کیا ہے وہ صورت اس سے مختلف ہے کیونکہ وہاں عبادت کا پہلو یہی ہے کہ خون بہایا جائے اور خون بہانے کا عبادت قرار پانا بظاہر خلافِ قیاس ہے لیکن جہاں تک زیرِ نظر مسئلے کا تعلق ہے اس میں عبادت کا پہلو یہ ہے کہ محتاج کی ضرورت کو پورا کیا جائے اور یہ قیاس کے عین مطابق ہے ۔

٧۔ بچے اور مجنون پر زکوٰۃ

ولیس علی الصبی والمجنون زکاة

بچے اور دیوانے پر زکوٰۃ واجب نہیں امام شافعی کا اس بارے میں اختلاف ہے وہ

---

٥٩ ایضاً ، ص ١١٣

٦٠ ایضاً ، ص ١٠٣

خلافا للشافعي رحمه الله فانه يقول هي غرامة مالية فتعتبر بسائر المؤن كنفقة الزوجات وصار كالعشر والخراج ولنا انها عبادة فلا تتأدى الا بالاختيار تحقيقا لمعنى الابتلاء ولا اختيار لهما لعدم العقل بخلاف الخراج لانه مؤنة الارض وكذالك الغالب في العشر معنى المؤنة ومعنى العبادة تابع۔ [1]

فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ایک مالی تاوان ہے لہذا اسے دوسرے مالی احکام مثلاً بیویوں کے نفقے، عشر، خراج وغیرہ پر قیاس کیا جائیگا (یعنی اگر کسی بچے یا مجنون کا نکاح کر دیا جائے تو بیوی کے اخراجات اس کے مال سے ادا کئے جائیں گے) ہماری (احناف کی) دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت کی صحت کا دارومدار اختیار و رضا پر ہے جس سے ابتلاء اور آزمائش کا تحقق ہوتا ہے مگر بچہ اور مجنون میں اختیار ہی کہاں ہے کیونکہ وہ تو عقل سے عاری ہیں (اس لئے احکام شرع کے مکلف نہیں) اس مسئلے کو خراج پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ خراج تو زمین کا لگان ہے اور عشر کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اس میں مالی مشقت کا پہلو نمایاں ہے اور عبادت کا پہلو ثانوی درجے کا حامل ہے۔

٨۔ مقروض پر زکوٰۃ

ومن كان عليه دين محيط بماله فلا زكوة عليه وقال الشافعي رحمه الله تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام ولنا انه مشغول بحاجته الاصلية فاعتبر معدوما كالماء المستحق بالعطش وثياب البذلة والمهنة۔ [2]

جو شخص اپنے مال کی قیمت سے زیادہ کا مقروض ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں واجب ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ پورے نصاب شرعی کا مالک ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ وہ مال دراصل اس کی ضروریات میں لگا ہوا ہے لہذا اسے نہ ہونے کے برابر تصور کیا جائیگا جیسا کہ وہ پانی جو پینے کیلئے مخصوص ہو (اس کے ہونے کے باوجود تیمم جائز ہوگا) ایسے ہی پہننے اور عام استعمال کے زائد کپڑے (اگر ان کی قیمت نصاب سے زیادہ ہو) نہ ہونے کے برابر ہیں (یعنی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی)۔

٩۔ نماز کے لئے تیمم

ويصلي بتيممه ما شاء من الفرائض

اور جو شخص تیمم کرے وہ اس تیمم سے جتنے فرائض (فرض نمازیں) اور نوافل چاہے

---

[1] البنایہ، ص: ٩٦

[2] بنایہ، ص: ٩٠

والنوافل وعند الشافعی رحمه الله تعالیٰ یتیمم لکل فرض لانه طهارة ضروریة ولنا انه طهور حال عدم الماء فیعمل عمله ما بقی شرطه۔ ۴۳

ادا کر سکتا ہے۔ امام شافعی کی رائے میں ہر فرض (نماز) کے لئے الگ تیمم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ تیمم ایک ایسی طہارت ہے جو ضرورت کی بنا پر ہے۔ ہماری رائے میں تیمم پانی نہ ہونے کی صورت میں طہارت کی شرعی صورت ہے لہذا جب تک پانی نہ ملے اسے وضو کے قائم مقام شمار کیا جائے گا۔

نماز، زکوٰۃ، نکاح اور طلاق کے مسائل پر مشتمل مندرجہ بالا مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہ حنفی نہ صرف یہ کہ دوسروں کی نسبت یسیر العمل اور آسان ہے بلکہ تمدن کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اب اگر مقروض پر جس کے پاس بقدر نصاب مال تو ہے لیکن اس کا اپنا نہیں، زکوٰۃ لازم کر دی جائے تو کتنا عجیب ہو گا۔ آج تمام تجارتی صنعتی اور سرکاری اداروں کے حسابات میں Assets میں سے Liabilities وضع کرنے کے بعد ہی بقایاجات نکالے جاتے ہیں اور اثاثوں کے شمار کے لئے یہ طریق صرف مسلمانوں کے ہاں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں معمول بہ ہے۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ میں قیمت کی ادائیگی کی سہولت نہ رکھی جائے تو نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ دینے والے کو بلکہ زکوٰۃ حاصل کرنے والوں کے لئے خاص طور پر موجودہ تمدن کے تقاضوں کے پیش نظر کس قدر دشواری پیش آسکتی ہے، مصارفِ زکوٰۃ میں احناف کا طریق بھی یسیر العمل اور تمدن کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کہ کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم مصارف زکوٰۃ میں سے کسی ایک یا زائد مستحقین کو ادا کر سکتا ہے۔ امام شافعی کے موقف پر عمل کرنے کی صورت میں اسے ہر مد میں برابر تقسیم کرنا ہو گا یہی نہیں بلکہ ہر مد کے کم از کم تین افراد کو شامل کرنا ہوگا۔ اس میں جو دقت اور دشواری پیش آئے گی وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ اسی طرح نکاح میں اگر عادل گواہ میسر ہوں تو بڑی مستحسن بات ہے لیکن اگر عادل گواہ میسر نہ ہوں تو کیا نکاح جو انسانی تمدن کا سنگ بنیاد ہے، عام گواہوں کی موجودگی کے باوجود انعقاد پذیر نہ ہو؟

مثال کے طور پر اس برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی اکثریت بریلوی، دیوبندی اور اہلِ حدیث مکاتیب فکر سے وابستہ ہے۔ تینوں کے نزدیک داڑھی منڈوانا یا کتروانا فسق ہے اور ایسے فاسق کے پیچھے نماز جائز نہیں اب ایسے ماحول میں عادل گواہ لانا جوئے شیر سے کم نہیں۔ اگرچہ دین سے وابستہ پورے طور پر متشرع لوگ موجود ہیں لیکن "للاکثر حکم الکل"

تینوں طلاقوں کے یکبارگی دینے کو مباح قرار دینے سے مقاصد نکاح پر ضرب کاری لگتی ہے۔

---

۴۳ ایضاً ، ص ، ۲۷۔

مطلقہ عورت کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کو جائز قرار دینے میں قرآنِ حکیم کے ارشاد وان تجمعوا بین الاختین کے مطلق حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اسی طرح مطلقہ عورت کی عدت کو تین طہر قرار دینے سے قرآنِ حکیم کے لفظ ثلاثہ جو مکمل تین کے معنی کے لئے خاص ہے، کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

اسی ضمن میں یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے اصولِ فقہ کی مشہور و متداول کتاب "نور الانوار" سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے احناف کا طریقِ استدلال واضح طور پر سامنے آجاتا ہے :

بطل تاویل القروء بالاطهار فی قوله تعالیٰ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء و بیانه ان قوله تعالیٰ قروء مشترك بین معنی الطهر والحیض فاوله الشافعیؒ بالاطهار لقوله تعالیٰ فطلقوهن لعدتهن علی ان اللام للوقت ای فطلقوهن لوقت عدتهن و هو الطهر لان الطلاق لم یشرع الا فی الطهر بالاجماع واوله ابوحنیفة بالحیض بدلالة قوله تعالیٰ ثلاثة لانه خاص لایحتمل الزیادة والنقصان والطلاق لم یشرع الا فی الطهر فاذا طلقها فی الطهر وكانت العدة ایضا هی الطهر فلا یخلو اما ان یحتسب ذلك الطهر من العدة او لا فان احتسب منها كما هو مذهب الشافعی یكون قرئین و

ارشادِ باری "والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلٰثۃ قروء" میں لفظِ قروء سے طہر مراد لینا غلط ہے۔ اسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ قروء ایک مشترک لفظ ہے جس کے معنی طہر کے بھی ہیں اور حیض کے بھی چنانچہ امام شافعی نے اس سے طہر مراد لیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ ارشادِ ربانی "فطلقوھن لعدتہن" میں لام وقت ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی عورتوں کو ایسے وقت میں طلاق دو کہ ان کی عدت کا شمار ہو جائے اور وہ وقت طہر ہے کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ شرع میں طلاق صرف طہر میں دی جا سکتی ہے امام اعظم نے قروء سے مراد حیض لیا ہے۔ ان کی دلیل ارشادِ باری میں مذکور لفظِ "ثلاثہ" ہے جو خاص ہے (اور ۲ سے زائد اور ۴ سے کم سالم عدد ہے جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں (یعنی نہ پونے تین کو تین کہا جائے گا اور نہ ہی ساڑھے تین کو تین کہا جائے گا۔ اور طلاق صرف طہر کی حالت میں دینا مشروع ہے۔ پس جب مرد نے طہر کی حالت میں طلاق دی اور عدت کا شمار بھی طہر سے کیا گیا تو اب دو صورتیں ہیں یا تو اس طہر کو (جس میں طلاق دی گئی) عدت میں شمار کیا جائے جیسا کہ امام شافعی کا موقف ہے تو یہ عدت دو پورے اور ایک ادھورے طہر پر مشتمل ہوگی کیونکہ اس طہر کا ایک حصہ یقینی طور پر گزر چکا ہے (لہذا پورے تین نہ ہوئے) اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے اور بعد میں ایک پورا طہر شامل کیا جائے

بعضا من الثالث لان بعضا منه قد مضى وان لم يحتسب منها ويؤخذ ثلث اخر ما سوى هذا القرء يكون ثلثا و بعضا وعلى كل تقدير يبطل موجب الخاص الذى هو ثلثة واما اذا كانت العدة هى الحيض والطلاق فى طهر لم يلزم شيئ من المحذورين بل تعد ثلث حيض بعد مضى الطهر الذى وقع فيه الطلاق - ۵۴ء

تو یہ تین سے زیادہ ہو جائیں گے۔ ان ہر دو صورتوں میں پورے تین قرور کے حکم پر عمل نہیں ہوتا، لیکن جب عدت کو حیض سے شمار کیا جائے اور طلاق طہر میں دی جائے تو کوئی دقت پیش نہیں آتی (مرد شریعت کے مطابق طہر کی حالت میں طلاق دے گا) اور عورت کی عدت اس طہر کے بعد جس میں طلاق دی گئی، تین حیض شمار کی جائے گی۔

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ فقہ حنفی کا انحصار اکثر و بیشتر قرآن حکیم پر ہے۔ ایک تیمم سے کئی فرض ادا کرنا اور اس میں لم تجدوا ماء کے ارشادِ ربانی کو ملحوظ رکھنا، وضو کے احکام، ظہار کے کفارے میں کھانا کھلانے کے ضمن میں من قبل ان يتماسا کی قید عائد نہ کرنا، کفارے میں غلاموں کو آزاد کرنے میں کسی قسم کی قید نہ لگانا، مسئلہ رضاعت اور بالغہ لڑکی کے اختیار اور اس قسم کے بے شمار مسائل اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ فقہ حنفی کا کامل انحصار قرآن حکیم پر ہے اور اس کے بعد حدیث کو مدار ٹھہرایا گیا ہے۔ جہاں کہیں قرآن حکیم اور حدیث میں تعارض نظر آیا ہے وہاں تطبیق کی کوشش کی گئی ہے کہ دونوں پر عمل ہو بشرطیکہ لا يتغير به حكم الكتاب، بصورتِ دیگر قرآن حکیم پر ہی عمل کیا گیا ہے۔

کلامی بحثوں میں الجھے بغیر یہاں اس امر کا اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک افعال فی نفسہا برے یا بھلے نہیں بلکہ شارع نے جن افعال کی تعیین کی ہے مثلاً نماز اور زکوٰۃ، وہ اچھے ہیں اور شراب نوشی و بدکاری اس لئے برے ہیں کہ شارع نے ان سے منع کیا ہے، امام شافعی کا میلان اسی طرف تھا اور غالباً اسی کے زیرِ اثر ابوالحسن اشعری نے علم کلام کی بنیاد اسی مسئلے پر رکھی۔

۵۴ء حافظ احمد المعروف ملاجیون، نور الانوار، مطبوعہ کراچی، ص: ۲۲

لیکن امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ کتاب و سنت کے احکام عقل پر مبنی ہیں، ان میں حکمتیں اور اسرار ہیں جو انسانی زندگی کے روحانی، اخلاقی، تہذیبی، تمدنی اور نفسیاتی فوائد کے حامل ہیں، جو عقلِ سلیم سے مخفی نہیں رہ سکتے، نتیجۃً فقہ حنفی کے اصول مصلحتوں پر مبنی ہیں۔ ان مختصر مباحث کے بعد اگر ہم اب فقہ حنفی کی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ :

۱۔ فقہ حنفی دوسرے مکاتیبِ فکر کی نسبت آسان اور یسیر العمل ہے۔

۲۔ یہ تمدن کے تقاضوں کے موافق ہے۔

۳۔ اس کے احکام و مسائل مصلحتوں پر مبنی ہیں۔

۴۔ اس کی تدوین مجلسِ مشاورت سے عمل میں آئی۔

۵۔ اس کے مدوّنین بلندپایہ علمی کمالات کے حامل ہیں۔

۶۔ اور اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ استنباطِ مسائل کے لئے انحصار قرآنِ حکیم پر ہے اور اس کے بعد حدیث اور اقوالِ صحابہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

فقہ حنفی کے تمدنی تقاضوں کے مطابق اور یسیر العمل ہونے کی بنا پر دوسرے فقہی مکاتیبِ فکر اس کے خوشہ چین رہے ہیں۔ بقول ابن خلدون، "امام احمد بن حنبل کے شاگردوں نے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے استفادۂ علمی کیا اور حدیث میں اونچے مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود فقہ حنفی ہی کے خوشہ چین ہوئے"۔ احناف کے شوافع سے مناظرے بھی ہوتے رہے لیکن اس کے باوجود شوافع نے بعض مسائل میں احناف کے موقف کو اپنایا، چنانچہ اس ضمن میں علی بن سلطان الہروی نکاح، زکوٰۃ، شہادت اور بیع و شرا کے بعض مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ان الشافعیۃ لو لم یقلدوا	اگر حضرات شوافع احناف کی بعض دینی مسائل
مذھب الحنفیۃ فی المسائل	میں پیروی نہ کرتے تو ضرور حرام امور کا ارتکاب
الدینیۃ لوقعوا فی المحرمات	کر بیٹھتے۔
الدنیۃ۔ ۵۵	

---

۵۵ علی بن سلطان الہروی ، عکس مخطوطہ استنبول ، ص ۹-۱۰

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ چاروں ائمہ کرام نے حسنِ نیت ۔ اخلاص اور پوری جانفشانی سے کتاب و سنت کی روشنی میں مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن شریعت کے دائرے کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے تمدنی تقاضوں کے موافق مسائل کا حل تلاش کرنا فقہ حنفی کا خاصہ ہے جس سے یہ لیسیر العمل اور آسان ہے اور اس بنا پر اسے عالمی شاعت اور فروغ حاصل ہوا ۔ مولانا نور بخش توکلی نے بجا طور پہ کہا ہے :

" مذہب حنفی کی اشاعت صرف اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے ہوئی "۔ ۷۶

فقہ حنفی تاریخ کے آئینے میں

مندرجہ بالا مباحث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فقہ حنفی کے مرتبین کس قدر علمی کمالات کے حامل تھے اور انہوں نے کس قدر جانفشانی ، محنت اور مہارت سے کام لیا ۔ اسی کا ثمرہ تھا کہ فقہ حنفی کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا ۔ ابن خلدون نے اپنے دور میں فقہ حنفی کے عالمی فروغ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے :

" امام ابو حنیفہ کے مقلدین آج عراق ، ہند ، چین ، ماوراء النہر اور بلادِ عجم میں بکثرت پھیلے پڑے ہیں "۔ ۷۷

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں حنفی مکتبِ فکر کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے :

" The Hanafi school originated in Irak and was in the time of the Abbasids the prevailing official doctrine ". ۷۸

ترجمہ : " حنفی مکتبِ فکر کا آغاز عراق میں ہوا اور عہدِ عباسیہ میں اسے غالب و فائق سرکاری قانون کی حیثیت حاصل تھی "۔

عباسی خلفاء کے عہد میں فقہ حنفی کی مقبولیت اور فروغ کے ذکر کے بعد عثمانیوں کے عہد میں اس کے عروج کا حال سنئے :۔

---

۷۶ الانوار الصحیحہ ، ص ۵۸

۷۷ مقدمہ ، ص : ۴۶۹

۷۸ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ص ۱۳۱

"The Hanafi Madhab became the only authoritative code of law in the public life and official administration of justice in all the provinces of the Ottoman empire."[۵]

ترجمہ: "حنفی مذہب کو کلی طور پر سلطنتِ عثمانیہ کے تمام صوبوں میں نہ صرف عوامی زندگی بلکہ سرکاری نظامِ عدل میں مستند مجموعہ قوانین کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔"

حنفی قاضی اور جج اپنی مہارت کی بنا پر ایسے دوسرے ممالک میں بھی تعینات تھے جہاں فقہ حنفی کے بجائے دوسرے مکتبِ فکر کی پیروی کی جاتی تھی۔

"Under the Ottomans the judgment seats were occupied by the Hanafites sent from Constantinople, even in countries where the population followed another madhhab."[۶]

ترجمہ: "عثمانی ترکوں کے عہد میں عدالت کے تمام مناصب پر حنفی فائز تھے جنہیں قسطنطنیہ سے بھیجا جاتا تھا حتیٰ کہ ان ممالک میں بھی جہاں کی آبادی دوسرے فقہی مذاہب کی پیرو تھی۔"

دورِ حاضر کے نامور ماہرِ قانون ڈاکٹر صبحی محمصانی فقہ حنفی کی عالمی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہم بتا چکے ہیں کہ مذہبِ حنفی کی اشاعت سب سے زیادہ کیوں ہوئی؟ حنفی مذہب تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس لئے زیادہ پھیلا کہ خلفائے عباسیہ نے محکمہ عدل و قضا کے لئے یہی مذہب منتخب کیا تھا اور اہلِ عراق عموماً اسی مذہب کے مقلد تھے۔ اس کے علاوہ سلطنتِ عثمانیہ کا سرکاری مذہب بھی یہی تھا اور اسی مذہب کی روشنی میں مجلۃ الاحکام العدلیہ کی تدوین ہوئی۔"[۷]

سرکاری سطح پر اسلامی قانون سازی کی تاریخ کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:۔

---

۵ ایضاً ، ص: ۱۰۶

۶ ایضاً ، ص: ۱۳۱

۷ صبحی محمصانی ، فلسفہ شریعت اسلام ، ص ۸۱

" گیارہویں صدی ہجری (مطابق سترھویں صدی عیسوی) میں ہندوستان کے بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے فتاویٰ جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے شیخ نظام کی زیرِ قیادت ہندوستان کے مشاہیر علماء کی ایک کمیٹی بنائی تاکہ وہ ایک ایسی جامع کتاب تالیف کریں جس میں ظاہر روایات کے وہ تمام مسائل آجائیں جن پر تمام علمائے فقہ متفق ہیں چنانچہ انہوں نے اس قسم کے تمام مسائلِ فقیہ ایک کتاب میں جمع کر دئے جو فتاویٰ ہندیہ یا فتاویٰ عالمگیریہ کے نام سے مشہور ہیں اور جن کی نسبت بادشاہ مذکور کی طرف ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ ایک جامع کتاب ہے جس کی چھ ضخیم جلدیں ہیں (اس کا اردو ترجمہ اب ۱۰ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے) ...... یہ کتاب ہمیشہ فقہ حنفی کا مشہور ماخذ رہی ہے۔ فتاوے کا یہ مجموعہ نیم سرکاری حیثیت رکھتا ہے۔" [۵۲]

المختصر فقہ حنفی جسے خلافت عباسی میں prevailing official doctrine (غالب و فائق سرکاری قانون) کی حیثیت حاصل تھی، خلافتِ عثمانی میں بھی Authoritative code of law (مستند مجموعۂ قوانین) قرار پائی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اسلامی قانون سازی کے لئے اسے ہی موزوں پایا۔ بقول محمصانی مجلۃ الاحکام العدلیہ کے اکثر احکام و مسائل بھی مذہب حنفی کی ظاہر الروایہ کتابوں سے ماخوذ ہیں۔" [۵۳]

حکومتِ مصر کے زیرِ اہتمام قدری پاشا مرحوم نے قانون کی ایک کتاب "مرشد الحیران الی معرفۃ احوال الانسان" مرتب کی جو مذہبِ ابوحنیفہ سے ماخوذ تھی اور قانون عصرِ جدید کے مطابق تھی۔

دورِ حاضر میں فقہ حنفی کو جو فروغ حاصل ہے اس کے متعلق انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بیان کیا گیا ہے:۔

" Even nowadays the Hanafi school prevails in the former Ottoman countries; in Tunisia for instance it is equal to the Maliki rite and also in Egypt it is the officially recognized law-school. Further it is predomin-

---

[۵۲] ایضاً، ص: ۸۸

[۵۳] ایضاً، ص: ۹۳

and in Central Asia (Afghanistan, Turkestan, Bukhara, Samarkand) and in India."[۵۴]

ترجمہ: "آج بھی حنفی مکتبِ فکر کو سابق عثمانی ممالک میں فوقیت حاصل ہے، تیونس میں اسے مالکی مکتبِ فکر کے مساوی حیثیت حاصل ہے۔ مصر میں اسے سرکاری قانون کے ایک مکتبِ فکر کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے علاوہ ازیں حنفی مکتبِ فکر وسطِ ایشیا (افغانستان، ترکستان، بخارا، سمرقند اور ہندوستان) میں بھی غالب و فائق ہے۔"

اس وقت جامعہ الازہر میں دوسرے مکاتیبِ فکر کے ساتھ فقہ حنفی کی تدریس کی جاتی ہے اور اسے ترجیح حاصل ہے۔

" In the Azhar mosque the most important Muslim university of the present day, all four schools are still represented by teachers and pupils as before the coming of Ottoman supremacy, whereby the Hanafi makhab came supreme.[۵۵]

ترجمہ: "جامعہ الازہر میں جو عصرِ حاضر کی سب سے اہم مسلم یونیورسٹی ہے آج بھی چاروں مکاتیبِ فکر کے نمائندہ اساتذہ اور طلبہ موجود ہیں اسی طرح جیسا کہ عثمانی ترکوں کی بالادستی سے پہلے معمول تھا اور تب سے حنفی مذہب کو فوقیت حاصل رہی ہے۔"

مولانا نور بخش توکلی نے بعض ناقدین حضرات کے اس شبہ کا کہ ابو یوسف نے حنفی مذہب کو فروغ دیا، ازالہ کرتے ہوئے مناقب الامام الاعظم للکردری کے حوالے سے لکھا ہے:

" امام ابو حنیفہ سنہ ۱۲۰ھ میں مسندِ اجتہاد پر متمکن ہوئے اور امام ابو یوسف کو خلیفہ ہارون الرشید نے

---

۵۴ شارٹر انسائیکلوپیڈیا : ص : ۱۳۱

۵۵ ایضاً : ص : ۱۰۶

سنہ ۱۷۰ھ کے بعد عہدۂ قاضی القضاۃ پر مامور کیا۔ اس پچاس برس میں مذہبِ حنفی کو قبولیتِ عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا اور وہ امام صاحب کے شاگردوں کے ذریعہ کوفہ کے حدود سے باہر حرمین شریفین بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رافقہ نصیبین، دمشق، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصبہان، حلوان، استرآباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس و دامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، مرو، بخارا، سمرقند، کیش، صغانیاں، ترمذ، بلخ، ہرات، قہستان، سجستان، اور خوارزم وغیرہ مقامات میں پہنچ چکا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معلوم ہوا کہ مذہبِ حنفی کی اشاعت صرف اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے ہوئی۔ امام صاحب کے ہزاروں شاگردوں نے جو آسمانِ فقہ کے ستارے ہیں، امام صاحب کے مسائل کی روشنی دور دور تک پھیلا دی تھی"۔ [۵۶]

ہم اس مضمون کو ڈاکٹر صبحی محمصانی کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے مذہبِ حنفی کی عصرِ حاضر میں عالمی اشاعت کے متعلق قلمبند کیا ہے، مصنفِ علام لکھتے ہیں:۔

" جو ملک سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ حکومت رہے ہیں جیسے مصر، سوریا اور لبنان، ان کا مذہب بھی محکمۂ عدل و قضا میں حنفی چلا آتا ہے، حکومت تونس کا مذہب بھی یہی ہے۔ ترکی اور اس کے زیرِ اثر ممالک مثلاً شام و البانیہ کے باشندوں کا مذہب بھی عبادات میں یہی ہے اور مسلمانِ لبنان و تفقاز بھی مسائل عبادات میں اسی مذہب کے مقلد ہیں، اسی طرح اہلِ افغانستان و ترکستان اور مسلمانانِ (پاک و) ہند و چین میں بھی یہی مذہب غالب ہے اور اس مذہب کے پیرو دوسرے ملکوں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا دو تہائی ہیں"۔ [۵۷]

---

[۵۶] الاقوال الصحیحہ ، ص : ۵۸

[۵۷] محمصانی ، فلسفہ شریعتِ اسلام ، ص : ۴۸

مولانا قاضی ظہور احمد اختر، ایم۔ اے

فقہ حنفی پر مستشرقین کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

بات کا بتنگڑ بنانا ایک فن ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی مستشرقین کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے ان کی اس یامنت کا ایک شاہکار یہ دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی دراصل قانون روما کا چربہ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس بات کو مستشرقین کا ایک گروہ بڑی بیباکی سے بار بار کہہ رہا ہے۔ گولڈ زیہر نے اپنی کتاب "محاضرات عن الاسلام" میں فون کریمر نے اپنی کتاب "تاریخ الثقافۃ الشرقیۃ فی ایام الخلفاء" میں مویوس نے اپنی کتاب "القانون المدنی الرومانی" میں امیلیو بوسی نے اپنی کتاب "الابحاث فی العلاقات بین بیزنطینیہ والاسلام" میں اور شیلڈون ایموز نے اپنی کتاب "القانون الرومانی" میں اس دعویٰ کو بڑی شد و مد سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یورپ دراصل برتری کے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہے۔ "ہمچو ما دیگرے نیست" اس کا شیوہ ہے۔ اقوام عالم پر اور بالخصوص مسلمانوں پر جو برتری اسے حاصل رہی ہے یا کسی حد تک آج بھی ہے، اس نے یورپی مصنفین کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا نمایاں ہو جس سے انکار ممکن نہ ہو اور اس کی تلبیس ہو تو یہ دعویٰ کریں کہ وہ کمال مسلمانوں کی ایجاد نہیں بلکہ اس کی اصل یونان و روم ہے۔

مغربی مستشرقین نے اپنے دعوے کے حق میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ کم و بیش یہ ہیں:-

۱۔ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل اور روما کے قوانین میں مماثلت و مشابہت ہے۔

۲۔ اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ حنفی میں شامل ہیں وہ دنیا کے اور قوانین کو شامل کئے بغیر ممکن نہیں، فقہ حنفی کی ترتیب تدوین جس تیزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچی وہ بھی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ فقہ حنفی قانونِ روما سے ماخوذ ہے۔

۳۔ اسلامی فتوحات کے وقت شام میں رومی قانون کی تعلیم کے بعض فقہی مدارس تھے جہاں تعلیم دی جاتی تھی اور کئی ایک ادارے اور محکمے بھی تھے جو قانونِ روما کے مطابق احکام صادر کرتے تھے اور جو اسلام کے بعد بھی ایک زمانہ تک قائم رہے۔ چونکہ اس وقت مسلمان مدنیت میں زیادہ ترقی یافتہ نہ تھے اس لئے طبعی طور پر انہوں نے اپنے سے ترقی یافتہ اور متوازن ملک کے قوانین کو اپنایا اور ان سے احکام اخذ کئے، مفتوحہ ملک کے مسائل کو حل کرنے کے لئے یہی قوانین فقہ حنفی میں شامل ہوئے، وہاں کی رسومات

نے بھی فقہ حنفی میں عمل دخل پایا۔

اب ہم مندرجہ بالا دلائل کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ جہاں تک فقہ حنفی اور قانونِ روما کی مماثلت اور مشابہت کا تعلق ہے قابلِ غور امر یہ ہے کہ معلوم کیا جائے آیا مزعومہ مشابہت اتنی مقدار میں ہے جس کو اہمیت دی جائے یا بہت قلیل ہے جو قابلِ ذکر نہیں؟ آیا صرف مشابہت اس امر کی کافی دلیل ہے کہ فقہ حنفی قانونِ روما سے ماخوذ ہے؟ مغربی مستشرقین نے مندرجہ ذیل مشابہات کا ذکر کیا ہے:۔

(۱) بارِ ثبوت مدعی پر (۲) بالغ ہونے کی عمر کا تعین (۳) تجارتی معاملات کے بعض احکام مثلاً ٹھیکہ، بیع اور مقایضہ (اشیاء کا تبادلہ) میں فرق

پہلے ہم اس مشابہت کی حقیقت معلوم کرتے ہیں جس کی رُو سے عدالت کے نزدیک بارِ ثبوت مدعی پر ہے۔ یہ امر واقع ہے کہ فقہ حنفی میں اور قانونِ روما دونوں میں یہی قاعدہ ہے لیکن سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ قاعدہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ پاک البینۃ علی المدعی والیمین علی المنکر سے لیا ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس حدیثِ پاک کا زمانہ اسلامی فتوحات سے قبل کا ہے جن پر رومی قانون مسلط تھا پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ قانون رومی قانون سے ماخوذ ہے۔

سنِ بلوغت کے مسئلہ میں بھی دونوں قوانین میں کوئی مماثلت نہیں، قانونِ روما کے تحت لڑکے کے لئے سنِ بلوغت چودہ سال اور لڑکی کے لئے بارہ سال ہے جبکہ فقہ حنفی میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے سنِ بلوغت پندرہ سال ہے۔ اس امر میں مشابہت کا ذکر کر کے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

تجارتی معاملات کے احکام میں بھی فقہ حنفی اور قانونِ روما کا فرق واضح ہے۔ رومی قانون میں بیع ایسا معاہدہ ہے جس کے لئے فریقین کی رضامندی کافی ہے لیکن مقایضہ ایسا معاہدہ ہے جس کے جائز ہونے کے لئے کسی ایک فریق کی طرف سے شئے متبادل کا پیش ہونا ضروری ہے لیکن فقہ حنفی اس ظاہری فرق کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتی بلکہ اس کی رُو سے مقایضہ بھی بیع بالرضا کی ایک خاص قسم ہے، یہی کیفیت بیع اور ٹھیکہ کی ہے۔

مشابہت کی ان چند مثالوں کے مقابلہ میں اختلاف کی کثیر تعداد کا مطالعہ کیا جائے تو قانونِ روما سے فقہ حنفی کے اخذ کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے عبادات، تعزیرات، مالیات، قرض وسود، وراثت، نکاح، طلاق، نسب، خُلع، غلاموں کی آزادی، عدل گستری، قانون بین الممالک وغیرہ میں فقہ حنفی اور قانونِ روما میں کوئی مماثلت نہیں، لے دے کے کچھ معاملات میں مماثلت پائی جاتی ہے سو ان پر تبصرہ ہو چکا ہے۔

رہا یہ کہ کیا صرف مماثلت ہی ماخوذ کی قطعی دلیل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی قواعد اور فروعی قواعد پر نظر ڈالی جائے۔ معاشرہ کی تشکیل سے قبل اور بعد میں باوجود مختلف حالات اور مختلف زمان و مکان کے عدل و انصاف کا ایک ضابطہ موجود رہا ہے۔ یہ ضابطہ ناحق قتل، چوری، زنا اور ان جیسے جرائم کا حرام ہونا ہے۔ اقوامِ عالم کے قوانین ہر ان کا

متحد اور مشابہ ہونا ایک فطری امر ہے ۔ بنیادی قواعد کے علاوہ مختلف قوانین میں فروعی قواعد میں بھی مماثلت کا پایا جانا خارج از امکان نہیں ۔ قانون روما کے علاوہ قانون انگریزی میں بھی بعض مسائل میں مماثلت پائی جاتی ہے مثلاً مسئلہ فضولی یعنی بغیر اجازت کسی کے مال کو تصرف میں لانے کا قانون یا حقوق کے بے جا استعمال کا قانون ، اس بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انگریزی قانون اسلامی قانون سے ماخوذ ہے لہٰذا صرف مشابہت و مماثلت ماخوذ ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتی ۔

فقہ حنفی پر قانونِ روما کے اثر کے نظریے کی تائید میں مغربی مستشرقین نے جو دلائل پیش کئے ہیں اُن میں سے دوسری دلیل اس کی تدوین و سرعت و وسعت ہے ۔ چونکہ دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں مسلمانوں میں فقہی مسائل کے مطالعہ اور اس پر تالیفات عظیم ترقی پاچکی تھیں اس لئے اس غیر معمولی واقعہ کی توجیہ وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے قانونِ روما سے استفادہ کیا ہے حالانکہ اس غیر معمولی وسعت و سرعت کا باعث یہ نہ تھا کہ مسلمانوں کو قانون کے مغربی تصور سے کوئی عشق تھا بلکہ کثیر قانونی پیداوار کا سبب دراصل قانون کا وہ تصور تھا جو فخرِ موجودات رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء کرام رحمہم اللہ ، رکھتے تھے ۔ اس تصور کے تحت فقہ صرف دنیوی مادی علم نہ تھا بلکہ علمِ دین کا جزو لاینفک قرار دیا جاتا تھا ۔ فقہ کی ترقی علومِ دینیہ کی تیز ترقی ہی کا ایک پہلو تھا جس کی ابتدا قرآنِ مجید کی تفسیر اور حدیثِ پاک کی تدوین و تشریح سے ہوئی تھی ۔ فقہ حنفی کی وسعت اور تیز ترقی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تبحرِ علمی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے تھی ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جملہ مسائل کو سرعت کے ساتھ حل کرنے کا ملکہ ان میں بدرجۂ اتم موجود تھا ۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ " جب کسی مسئلے میں ہمارا باہمی اختلاف ہوتا تھا تو ہم اسے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرتے تھے ۔ آپ اتنی جلدی جواب دیتے تھے جیسے اسے اپنی آستین سے نکالا ہو "

شبلی نعمانی اپنی کتاب " سیرۃ النعمان " میں لکھتے ہیں " جو چیز (فقہ) امام صاحب کی قوتِ ایجاد و جدتِ طبع ، دقتِ نظر و وسعتِ معلومات ، غرض ان کے تمام کمالاتِ علمی کا آئینہ ہے ، جس کی (فقہ) ترتیب و تدوین میں ان کو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں " ۔ رائے و تدبیر ، عقل و فراست ، ذہانت و طباعی امام ابوحنیفہ کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ۔ امام ابوحنیفہ فقہ حنفی کے ماخذ کی نشاندہی یوں فرماتے ہیں " جب کوئی مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے نہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تو میں اقوالِ صحابہ پر غور کرتا ہوں اور اقوالِ صحابہ کے سامنے کسی کے قول کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتا ۔ ابراہیم شعبی ، ابن سیرین ، عطاء اور سعید بن جبیر نے بھی اپنے زمانہ میں اجتہاد کیا پس جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی کرتا ہوں "

قرآن و حدیث اور اقوالِ صحابہ کا سا وسیع میدان ہو ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا فقیہ ہو تو پھر قانونِ روما کی خوشہ چینی کی ضرورت کس طور محسوس کی جاسکتی ہے ! یہ مغربی مستشرقین کا محض ظن ہے ۔

مغربی مستشرقین نے فقہ حنفی کے قانونِ روما سے ماخوذ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ جب مسلمان رومی علاقے فتح کرنے

فاتح داخل ہوئے تو اس وقت رومی تعلیم کے بعض فقہی مدارس موجود تھے۔ کئی ایک ادارے اور محکمے قانونِ روما کے مطابق احکام صادر کرتے تھے اور ایک زمانہ تک قائم رہے۔ رومی علاقے عربوں سے زیادہ متمدن تھے اس لئے طبعی طور پر ترقی یافتہ اور متوازن ملک کے قوانین کو اپنایا اور ان سے احکام اخذ کئے اور رسومات سے بھی استفادہ کیا۔

اس اعتراض کو بہ نظرِ عمیق دیکھا جائے تو یہ بھی باطل نظر آئے گا۔ جہاں تک فقہی مدارس کا تعلق ہے ان کے بارے میں اٹلی کے مستشرق ڈاکٹر سی آنال لینو، کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں" تمام بیزنطینی کشوری اور عدالتی مجسٹریٹ جو قانون کے واحد اور حقیقی واقف کار تھے ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس کا پتہ اس واقعہ سے چلتا ہے کہ شہروں کی اطاعت اساقف کے توسط سے ہوتی رہی، کشوری افسروں کے توسط سے نہیں جو فرار ہو چکے تھے "، جب قانون کے واحد اور حقیقی واقف کار فرار کا راستہ اختیار کر لیں تو قانون کی تعلیم چہ معنی دارد ؟

فاتح کے غیر ترقی یافتہ اور مفتوح کے ترقی یافتہ ہونے کے بارے میں بھی ڈاکٹر صاحب ہی کا بیان ملاحظہ فرمائیں - فرماتے ہیں —
" قبل از اسلام ترقی یافتہ عربی قوانین کا پایا جانا ہر شک و شبہ سے پاک ہے ہم صرف جنوب مغربی عرب ہی سے بحث نہیں کرتے جو نہایت پرانے شہر روما کی بنیاد رکھے جانے سے بھی پہلے قدیم تمدن کا مرکز تھا اور جس میں ملکی عضوئیں (یا ادارے) شاہی قسم کے دستور کے ساتھ مستحکم طور پر موجود تھے " (طوالت کے خوف سے پورا اقتباس نہیں دیا گیا) بقول ڈاکٹر صاحب قبل از اسلام عرب میں ترقی یافتہ قانون موجود تھا، لہٰذا فاتح قوم کو غیر ترقی یافتہ کہنا غلط ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کی فتوحات پھیلنے کے بعد جب عربوں کا مفتوحہ ممالک کے باشندوں سے تعلق پیدا ہوا تو انہیں وہاں کی ایسی مروجہ رسومات و قوانین سے واسطہ پڑا جو اسلام کے مزاج سے کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتی تھیں لیکن انہیں رد کر دیا گیا اور جو قوانین و رسومات ایسے تھے کہ وہ اسلام کے نظامِ قانون کے خلاف نہیں پڑتے تھے انہیں مسلمانوں نے نہیں چھیڑا۔ یہ رسومات و قوانین ایسے تھے جو تقریباً ہر جگہ مشترک ہوتے ہیں اور یا بعض ان علاقوں میں رائج تھے جو باوجود رومی تسلط میں ہونے کے اپنے الگ قوانین رکھتے تھے۔

یہ علاقے خود قدیم عربی قانون سے متاثر تھے جو قرآن و حدیث کے علاوہ بحیثیت قدیم عربی قانون کے فقہ حنفی میں شامل ہوا۔ ایسے علاقوں کے قوانین قانونِ روما سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ اس کی شہادت مسٹر تھیوڈور ریٹو کا بیان ہے کہ رومی سلطنت کے انتہائے حدود میں ایسی آبادیاں ہیں جو روما کے ماتحت تو ہیں مگر ان پر رومی قانون نافذ نہیں ہوتا۔ مسٹر تھیوڈر ریٹو اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ :

" علاوہ اور اقوام کے طاقتور اسماعیلی قبائل اس میں شامل ہیں "

بعض مغربی مستشرقین یہ مفروضہ بھی پیش کرتے ہیں کہ قانونِ روما عربی میں ترجمہ ہوا اور پھر ان تراجم سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے استفادہ کیا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی کوئی چیز کہیں سے لی فوراً اس کا اعتراف کیا۔ ادب و فلسفہ کے بارے میں مسلمان مصنفین نے جگہ جگہ اعتراف کیا ہے کہ یہ یونانی اور فارسی کتابوں کا ترجمہ ہے یا اخذ کردہ ہے، قانونِ روما کے ترجمہ ہونے کے بارے میں کہیں بھی کوئی اعتراف نہیں ملتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فارسی النسل تھے۔ وہ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ چونکہ ملکِ عراق میں بہت سے فقہاء کا مرکز تھا اس لئے وہیں تعلیم پائی۔ عراق اس زمانہ میں ایرانی سلطنت کا حصہ تھا۔ فقہ حنفی پر بلاوجہ یہ اعتراض تو کیا جا سکتا تھا کہ فقہ حنفی ایرانی قوانین سے متاثر ہے لیکن یہ کسی طور بھی نہیں کہا جا سکتا کہ فقہ حنفی قانونِ روما سے متاثر ہے۔ قانونِ روما کا عربی ترجمہ معدوم تھا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ رومی زبان سے ناواقف تھے اس لئے یہ کہنا کہ فقہ حنفی نے قانونِ روما سے استفادہ کیا ہے، کج فہمی کا نتیجہ ہے۔

مغربی مستشرقین اپنا یہ گمان بھی پیش کرتے ہیں کہ فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین کے وقت قانونِ روما سے استفادہ تو کیا گیا لیکن ان قوانین کو اسلامی قوانین قرار دینے کے لئے خود ساختہ احادیث کا سہارا لیا گیا ہوگا!

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض محض لاعلمی کی بنا پر کیا جاتا ہے ورنہ امام اعظم رضی اللہ عنہ تو تمام فقہاء کی نسبت انتخابِ حدیث میں بہت محتاط ہیں اور آپ صرف وہی احادیث قبول کرتے تھے جو باوثوق اسناد سے ثابت ہوں بلکہ کم واسطوں والی حدیث کو ترجیح دیتے تھے تاکہ الفاظ کے تغیر و تبدل کا شبہ نہ ہو۔

شبلی نعمانی تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں، جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابلِ استدلال نہیں سمجھتے تھے۔"

مغربی مستشرقین نے فقہ حنفی کے قانونِ روما سے ماخوذ ہونے کے جو دلائل پیش کئے ہیں ان پر سیر حاصل تبصرہ ہو چکا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ فقہ حنفی ایک ایسا مستقل قوانین کا مجموعہ ہے جو قانونِ روما سے ماخوذ نہیں، اس کے اپنے مخصوص ضابطے اور شاندار مآخذ ہیں، فقہ حنفی ایک مستقل بالذات شریعت ہے جس کا اعتراف خود علماءِ مستشرقین کو بھی ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

پروفیسر فخر زاہی ایم۔ اے

الفقہ الاکبر

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ نگاروں اور فہرست نگاروں نے ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ الفقہ الاکبر

۲۔ رسالۃ العالم والمتعلم

۳۔ مکتوب بنام عثمان البتی

۴۔ کتاب الرد علی القدریہ

۵۔ العلم شرقاً و غرباً و بعداً و قرباً

اولین چار کتابوں کا ذکر ابن ندیم (م ۳۸۵ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الفہرست" میں کیا ہے اگرچہ ان چاروں کتابوں کا موضوع عقائد و کلام ہے مگر جو شہرت "الفقہ الاکبر" کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری تحریر کو نہ مل سکی۔

"الفقہ الاکبر" چند اوراق کا ایک رسالہ ہے جو حیدرآباد دکن اور کئی دوسرے مطابع سے شائع ہو چکا ہے یہ متعدد طرق سے روایت کیا گیا ہے مگر دو طرق بہت معروف ہیں۔

۱۔ حماد بن ابی حنیفہ کی روایت سے

۲۔ ابو مطیع البلخی کی روایت سے (اس کو الفقہ الابسط بھی کہا جاتا ہے۔)

"الفقہ الاکبر" خاص طور پر متقدمین کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ مندرجہ ذیل علمائے وقت نے شرحیں لکھی ہیں:۔

۱۔ حکیم اسحاق بن محمد الحکیم السمرقندی (م ۳۴۲ھ)، امام ابو منصور ماتریدی (م ۳۳۳ھ) کے تلمیذ تھے۔

۲۔ شیخ اکمل الدین بابرتی

۳۔ فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)

۴۔ محی الدین محمد بن بہاء الدین

۵۔ ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) متداول شرح ہے۔

۶۔ عبدالعلی بحرالعلوم

الفقہ الاکبر کو ابراہیم بن حسام نے "شہ ریغی" کے نام سے نظم کیا اور حکیم اسحاق سمرقندی (۳۴۲ھ) کی شرح کو البقا احمدی (م ۹۱۸ھ) نے نظم کیا۔ ؏

۷۔ ایک شرح امام ابومنصور ماتریدی کی طرف بھی منسوب ہے۔ پروفیسر ابوزہرہ مرحوم کی تحقیق کے مطابق یہ نسبت محل نظر ہے کیونکہ شارح، اشاعرہ کے موافق و مخالف دونوں طرح احتجاج کرتا ہے جس سے معلوم ہے کہ وہ ابوالحسن اشعری سے متأخر ہے حالانکہ ابومنصور ماتریدی اور ابوالحسن اشعری دونوں آپس میں معاصر ہیں۔ ماتریدی ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے اور اشعری نے ۳۲۳ھ یا ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔ [1]

الفقہ الاکبر سے علمائے امت نے جس قدر اعتنا برتا ہے اسی قدر اس کے بارے میں غلط فہمیاں موجود ہیں۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ فقہ اکبر دراصل فقہ کی کتاب تھی نہ کہ عقائد و کلام کی۔ یہ کتاب ساٹھ ہزار مسائل پر مشتمل تھی لیکن یہ کتاب آجکل ناپید ہے۔ [2]

یہ رائے قابل قبول نہیں کہ ایسی فرضی کتاب کا نہ تو کسی فہرستِ کتب میں تذکرہ ہے اور نہ کسی کتب خانے میں مخطوطہ ہے۔

"الفقہ الاکبر" (رسالہ در عقائد و کلام) کو ائمۂ اسلام نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی کتاب تسلیم کیا ہے، مندرجہ ذیل ائمہ اس رائے کے حامل ہیں:۔

۱۔ الحکم بن عبداللہ البلخی (م ۱۹۹ھ)

۲۔ اسحاق بن محمد الحکیم السمرقندی (م ۳۴۲ھ)۔ امام ابومنصور ماتریدی (م ۳۳۳ھ) کے شاگرد تھے۔

۳۔ فخرالاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)

۴۔ محی الدین محمد بن بہاء الدین

۵۔ مولیٰ الیاس بن ابراہیم

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۳۲ [2] حیات ابوحنیفہ ترجمہ غلام احمد حریری

؏ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ (۸۲۵ھ) نے فارسی میں بھی فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے جس کا قلمی نسخہ "دانش گاہ سندھ" میں محفوظ ہے اور حیدرآباد دکن سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ (ادارہ)

۶۔ احمد بن محمد المغنیاری

۷۔ اکمل الدین بابرتی

۸۔ ابوالمنتہی

۹۔ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ)

۱۰۔ ابن قیم (م ۷۵۱ھ)

۱۱۔ علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ)

۱۲۔ امام کردری (م ۸۲۷ھ)

۱۳۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)

۱۴۔ عبدالعلی بحرالعلوم

۱۵۔ ملا کاتب چلپی (حاجی خلیفہ) صاحب کشف الظنون)

۱۶۔ علامہ عبدالقادر قرشی مؤلف الجواہر المضیہ (م ۷۷۵ھ)

۱۷۔ صدر الشریعت عبیداللہ بن مسعود

۱۸۔ ابن ہمام

۱۹۔ ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ)

۲۰۔ عبدالحی لکھنوی مولف "الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ" (م ۱۳۰۴ھ)

۲۱۔ امام احمد رضا بریلوی (۱۳۴۰ھ)

"الفقہ الاکبر" کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تالیف تسلیم کرنے میں معتزلہ کو انکار تھا، علامہ کردری لکھتے ہیں:۔

انکرت المعتزلۃ ان یکون الفقہ الاکبر للامام ابی حنیفۃ وھذا غلط صریح [1]

معتزلہ نے انکار کیا ہے کہ فقہ اکبر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی کتاب ہے، ان کا یہ قول سراسر غلط ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سوانح نگار علامہ البزازی المناقب" میں "فقہ اکبر" اور "العالم والمتعلم" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" اگر دریافت کیا جائے کہ امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) تو کسی کتاب کے مصنف نہ تھے تو میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ یہ معتزلہ کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علم کلام میں ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف ہی نہیں، ان کی غرض

---

[1] ذیل الجواہر۔ ج ۲، ص ۴۶۱)

یہ ہوتی ہے کہ فقہ اکبر اور "العالم والمتعلم" کے انتساب کی نفی کر دی جائے اور برملا کہا جائے کہ یہ دونوں کتب آپ کی تصنیف ہیں، دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتب کے مندرجہ ذیل مسائل سے اہلِ سنت وجماعت کے قواعد کی تائید ہوتی ہے۔" [1]

موجودہ دور میں شیخ ابوزہرہ اور مولانا شبلی نعمانی الفقہ الاکبر کو امام صاحب کی تصنیف ماننے میں تردد کرتے ہیں دونوں حضرات کے دلائل اور ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں پہلی دلیل یہ دی ہے کہ "ابو مطیع راوی فقہ اکبر پر محدثین نے جرح کی ہے" بلاشبہ محدثین نے ان پر جرح کی ہے مگر ان کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ وہ جہمیا ور مرجئہ کے عقیدے پر تھا مگر کیا یہ نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہے؟ اور کیا ابوحنیفہ کو مرجئہ فرقہ میں ہونے کا الزام نہیں لگایا گیا؟ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) ابو مطیع کے بارے میں لکھتے ہیں:

کان بصیرا بالرای علامۃ کبیر الشان	وہ صاحبِ بصیرت اہلِ الرأی اور بڑی شان والے
وکان ابن المبارک یعظمہ و یبجلہ لدینہ و علمہ۔ [2]	تھے (عبداللہ) بن مبارک ان کے دین اور علم کی بدولت ان کی تعظیم کرتے تھے۔

علامہ ذہبی نے انہیں " الفقیہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ (عبر فی اخبار من غبر)

دوسری دلیل یہ ہے کہ الفقہ الاکبر جس دور کی تالیف بیان کی جاتی ہے اس وقت تک یہ طرزِ تحریر پیدا نہیں ہوا تھا کتاب جس اختصار اور ترتیب سے لکھی گئی ہے وہ متاخرین سے مخصوص ہے۔

امام طحاوی (م ۳۲۱ھ) دو واسطوں سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ ان کی کتاب "عقیدہ الطحاوی" بھی عقائد و کلام میں اسی اختصار سے لکھی گئی ہے۔ نیز امام ابویوسف (م ۱۸۲ھ) اور امام محمد شیبانی (م ۱۸۹ھ) کی کتابیں بھی طرزِ بیان کے لحاظ سے اختصار اور جامعیت کا نمونہ ہیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ "الفقہ الاکبر" میں جوہر و عرض کے الفاظ ہیں، حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلاشبہ منصور عباسی کے زمانے میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کی گئی تھیں لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخری زندگی کا زمانہ ہے۔ کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں ان کا رواج ہو جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالےٰ نے بے نظیر حافظہ اور فہم و ذکا عنایت کیا تھا۔ ان کی محفل میں یونان و ایران کے علوم سے واقف شاگرد تھے۔ یونانی فلسفہ پر علمی مجالس میں عام گفتگو ہوتی تھی اور علماء کے مناظرات بھی اس لئے کتابوں کے ترجمہ ہونے

[1] المناقب۔ ابن البزازی، ج ۲، ص ۱۰۸

[2] لسان المیزان، ج ۲، ص ۳۳۴

سے پہلے ایسی علمی اصطلاحیں اہل علم کی تحریروں میں آجاتی ہیں اس لئے جوہر اور عرض کے الفاظ کا استعمال کوئی پہنچے کی بات نہیں۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ دوسری، تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا ذکر نہیں ملتا۔ قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہاں تک ہم کو معلوم ہے) فخر الاسلام بزودی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔

"الملل والنحل" وغیرہ کتابوں میں "فقہ اکبر" کا ذکر نہ ہونا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی۔ آخر ان میں سے بیشتر کتابوں میں "عقیدۃ الطحاوی" کا ذکر بھی تو نہیں؟

• پانچویں دلیل یہ ہے کہ اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی کے بعد ہوئیں حالانکہ شبلی نعمانی نے اسحاق بن محمد الحکیم السمرقندی کی شرح کا ذکر کیا ہے جو ۳۴۲ھ میں فوت ہو گئے تھے اس لئے یہ کہنا کہ آٹھویں صدی کے بعد شرحیں لکھی گئیں، غلط محض ہے۔

اگرچہ علامہ شبلی نعمانی فقہ اکبر کو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ علیہ کی تالیف تسلیم نہیں کرتے اور دلائل بھی دئے مگر انہیں اپنے دلائل پر اطمینان نہیں تھا۔ خود لکھتے ہیں:۔

"ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھ دئے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اصل واقعات اور ہماری رائیں دونوں ان کے سامنے ہیں وہ جو چاہیں خود فیصلہ کر لیں، بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔" [1]

شیخ ابو زہرہ مرحوم نے لکھا ہے کہ:۔

"اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس میں یہ ترتیب قائم کی ہے ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم حالانکہ کتب مناقب کی تمام روایات میں بالاتفاق مذکور ہے کہ ابو حنیفہ درجہ میں حضرت عثمان کو حضرت علی (رضی اللہ عنہما) سے مقدم نہیں سمجھتے تھے اور ظاہر ہے متصل الاسانید ان روایات سے یقیناً اقوی ہیں اتصال سند کے اعتبار سے اس درجہ کی نہیں۔" [2]

شیخ ابو زہرہ کا یہ قول درست نہیں کہ امام ابو حنیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم نہیں سمجھتے تھے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کا ہے، روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:۔

یعقوب بن شیبہ عن ابی حنیفۃ عن حماد قال. قال ابراہیم (المناقب مکی ج۲ ص۷۳)

مندرجہ بالا بحث و تمحیص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن حضرات نے "الفقہ الاکبر" کے بارے میں اعتراضات کئے ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں اور الفقہ الاکبر امام صاحب ہی کی تالیف ہے۔

---

[1] سیرۃ النعمان [2] حیات امام ابو حنیفہ ص۲۷۰

مولانا شاہ محمد چشتی سیالوی قصوری

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی فطانت و فراست

کتبِ سیر سیدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب و محامدِ جمیلہ سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر آپ علومِ قرآن حدیث و فقہ میں قُلزمِ زخار تھے تو عملی زندگی میں بھی طہارت، پاکیزگی کی عمدہ ترین اور قابلِ تقلید مثال تھے آپ کی ذات صدقِ مقال بانصاف پسندی، وفاشعاری، امانت داری، پند و نصائح، تحقیق و تدقیق میں مسلم تھی تو شجاعت و بسالت کا بھی کوہِ گراں تھی لیکن فراست کے میدان میں آپ کا مرتبہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے گنے چنے افراد میں ہوتا ہے۔ وفورِ عقل میں آپ " لوکان العلم عند الثریا لنالہ رجل من اہل فارس " کا تاج پہنے نظر آتے تھے تو فراست میں " اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ " کے مظہرِ اتم تھے۔

ذیل میں صرف مناقبِ موفق اور مناقبِ کردری سے چند ایک واقعات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں آپ کو بعض اختلافی مسائل کا حل ملے گا، آپ کی دقتِ نظر کا قدرے اندازہ ہوگا، آپ کے مسکت جوابات کی جلوہ نمائی ہوگی، اور اسی طرح کے بہت سے فوائد حاصل ہوں گے۔

جہم بن صفوان حضرت امامِ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس چند مسائل دریافت کرنے حاضر ہوا۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو عرض کی اے ابو حنیفہ! میں چند مسائل دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے ساتھ ہمکلامی باعثِ شرم ہے اور تیرے سوالات میں غور و خوض بھڑکتی آگ کو دعوت دینا ہے۔ ابنِ صفوان نے کہا ابھی تو میں نے ان مسائل کا ذکر تک نہیں کیا اور نہ ہی آج تک آپ سے ملاقات ہوئی ہے پھر آپ اتنے ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو کچھ تمہارے بارے میں سن چکا ہوں وہ مسلمان تو نہیں کہہ سکتے۔ اس نے کہا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صرف شنید پر ہی فتوے لگا دیتے ہیں! آپ نے فرمایا وہ باتیں شہرت کے درجۂ کمال کو پہنچ چکی ہیں اور انہیں ہر خاص و عام جانتا ہے اس لئے میں اپنے قول میں حق بجانب ہوں۔ کہنے لگا اے ابو حنیفہ! میں صرف ایمان کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں اگر اس سے کچھ زیادہ کہوں تو آپ بیشک کان نہ دھریں۔ آپ نے فرمایا کیا تم قیامت سمیت تمام چیزوں پر ایمان نہیں رکھتے جو مجھ سے پوچھنے آگئے ہو؟ کہنے لگا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن مجھے ایمان کی ایک نوع میں شک ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان میں شک کفر ہے!

کہنے لگا آپ کے لئے یہ کب جائز ہے کہ آپ کوئی وجہ بتائے بغیر مجھے کافر قرار دے دیں؟ آپ نے فرمایا اچھا پھر سنو، اس لئے مومن کی ایک شخص دل سے اللہ کو پہچانتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کی صفات کو پہچانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں پھر وہ ان چیزوں کو زبان سے کہے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کی موت ایمان پر ہوئی یا کفر پر؟ آپ نے فرمایا وہ کافر ہے اور ناری ہے کیونکہ اس نے دل سے جاننے کے ساتھ زبان سے اقرار نہیں کیا۔ ابن صفوان نے کہا یہ کیا بات ہوئی؟ وہ تو اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات کے ساتھ جانتا ہے۔ فرمایا اگر تم قرآن پر ایمان رکھتے ہو اور اسے حجت تسلیم کرتے ہو تو قرآنی دلائل دیتا ہوں اور اگر حجت تسلیم نہیں کرتے تو مخالفین کے اقوال سے جواب دوں گا۔ ابن صفوان نے کہا قرآن پر میرا ایمان ہے اور میں اسے حجت تسلیم کرتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا تو پھر غور سے سنو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دل اور زبان دونوں سے ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے" واذا سمعوا ما انزل الی الرسول" تا "جنت تجری من تحتہا الانہار" (پس جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت اتری) ان لوگوں کو جنت میں اسی وجہ سے داخل کیا کہ وہ معرفت الٰہی کے ساتھ ساتھ زبانی بھی اس بات کا اقرار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دل اور زبان سے ایماندار بتایا۔ پھر ارشادِ الٰہی ہے " قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا تا فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اہتدوا " (اس آیت میں بھی زبان سے اقرار کرنے کا بیان ہے)، اور فرمایا " والزمہم کلمۃ التقوٰی'' اور فرمایا " وھدوا الی الطیب من القول" نیز فرمایا " الیہ یصعد الکلم الطیب" پھر فرمایا یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ اس کے بعد امام صاحب نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" (لا الٰہ الا اللہ کہو خلاصی پا جاؤ گے) اللہ کے محبوب نے فلاح کا مدار معرفتِ قلبیہ ہی کو نہیں، زبان سے اقرار کو ٹھہرایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا " یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ وکان فی قلبہ کذا (یعنی جو شخص زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہے اور دل میں بھی ایسا ہی اقرار و تصدیق ہو تو وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو نہیں فرمایا کہ جو اللہ کی معرفت رکھتا ہو وہ دوزخ سے آزاد ہے۔ اور پھر اگر معرفت ہی سے کام چل جاتا اور زبان سے اقرار کی ضرورت نہ پڑتی تو ایسا شخص جو دل سے خدا کو مانتا ہے اور زبان سے انکار کرتا ہے، مومن ہوتا اور پھر ابلیس لعین بھی مومن تھا کیونکہ وہ رب تعالیٰ کو پہچانتا ہی ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اُس کا خالق، مارنے والا، موت کے بعد اٹھانے والا اور سرکش ٹھہرانے والا ہے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ اے خدا! تو نے مجھے سرکش کیوں ٹھہرایا! پھر اس نے کہا تھا اے اللہ! لوگوں کے اٹھائے جانے تک مجھے مہلت دو، اور یہ بھی کہا تھا یا اللہ! تو نے مجھے نار سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا؟ —— اور پھر اس طرح تو تمام کفار مسلمان ہوتے کیوں کہ وہ اللہ کو پہچانتے ہیں مگر زبان سے اقرار نہیں کرتے، ارشادِ الٰہی ہے وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم (وہ لوگ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں حالانکہ دل سے

ان پر یقین رکھتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن شمار نہیں کیا کیونکہ وہ اگرچہ دل سے مانتے تھے مگر زبان سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونہا واکثرہم الکافرون، اور فرمایا" قل من یرزقکم من السماء والارض تا فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون فذالکم اللہ ربکم الحق" اور چونکہ وہ زبانی انکار کرتے تھے اس لئے محض معرفت ان کو مفید نہ ہوئی۔ پھر ارشاد ہے یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنی اولاد کو" یہاں بھی انہیں محض معرفت نے کام نہ دیا۔

ان تمام دلائل کو سننے کے بعد ابن صفوان نے کہا اچھا میں پھر کسی وقت آپ سے ملاقات کروں گا اور پھر اپنا سامنہ لیکر چلتا بنا، اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔

۲۔ حضرتِ امام رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا عزمی کہتا ہے کہ حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بغیر محرم کے سفر کیا تھا یہ کیونکر جائز ہے؟ حضرتِ امام نے فرمایا وہ کیا جانے کہ اس حدیث کی تفسیر کیا ہے (جس میں ام المومنین کے سفر کا ذکر ہے) حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ تمام مسلمانوں کی مقدس والدہ ہیں اس لئے ان کا سفر غیر محرم کے ساتھ سفر کیسے ہوا؟ (سبحان اللہ)

۳۔ عثمان بن ابی زائدہ کہتے ہیں میں حضرتِ امام کے پاس تھا کہ ایک شخص نے پوچھا اگر کوئی پیالے یا کسی اور برتن میں پانی پیئے جس کے اطراف میں چاندی لگی ہوئی ہے تو اس کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا جائز ہے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے عرض کی اس مسئلہ کی کوئی مثال دیجئے! آپ نے فرمایا بتلاؤ تم ہی بتلاؤ ایک شخص نہر کے پاس پہنچا، اسے سخت پیاس لگی ہے، اس کے پاس کوئی برتن نہیں، ہاں وہ ہاتھ سے پانی لے سکتا ہے اور اس کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی ہے، اس نے ہاتھ میں پانی لیا اور پی گیا، ایسے آدمی کے بارے تم کیا کہو گے؟ میں نے کہا اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں! آپ نے فرمایا بس پھر چپ رہو (مسئلہ واضح ہے)۔

۴۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی اکٹھے بیٹھے تھے کہ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا جب یہ امر حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں تو ہم ایسا کیوں کریں؟ امام اوزاعی نے کہا مجھے زہری نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر افتتاح کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا مجھے حماد نے انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ و اسود سے، انہوں نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا میں زہری کی روایت لے رہا ہوں جنہوں نے سالم سے اور سالم نے ابن عمر سے روایت کی اور آپ حماد کی روایت بیان کرتے ہیں جنہوں نے ابراہیم سے اور انہوں نے علقمہ سے روایت کی، اس سے

امام اوزاعی کا مقصد اپنی سند کی برتری ظاہر کرنا تھا، امام ابوحنیفہ نے فرمایا آپ نے درست کہا لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ حماد، زہری سے علم فقہ میں بلند مرتبہ کے مالک ہیں، ابراہیم، سالم سے اور علقمہ بھی فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں ہیں! امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

(نوٹ) اس سے معلوم ہوا کہ محض حدیث دانی کافی نہیں، اصل مقصد فقاہت ہے اور محدث محض سے فقیہ کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔

۵۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ایک آدمی فوت ہو گیا اور اس نے ایک شخص کو ایک ہزار دینار کی ایک تھیلی سپرد کی اور وصیت کی کہ جب میرا لڑکا جوان ہو جائے تو جو تمہیں پسند ہو اسے دے دینا، لڑکا جوان ہو گیا تو اس شخص نے اس نوجوان کو تھیلی تو دے دی مگر دینار رکھ لئے اور کہا کہ تمہارے باپ کی وصیت کے مطابق میں نے اپنی صواب دید پر تمہیں تھیلی دے دی ہے اور میں تمہارے لئے تھیلی ہی پسند کرتا ہوں۔ نوجوان حیران رہ گیا۔ اس نے علماء سے مسئلہ دریافت کیا لیکن اس کی تشفی نہ ہو سکی۔ آخر وہ امام ابوحنیفہ کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا تمہارے باپ نے بڑی لطیف وصیت کی تھی اور وصیت کرتے وقت بڑی دانائی سے کام لیا تھا۔ آپ نے اس شخص کو بلایا جس کے پاس دینار تھے۔ جب وہ آ گیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اس نوجوان نے تمہیں یہی وصیت کی تھی کہ جو تمہیں پسند ہو میرے بیٹے کو دے دینا؟ اس نے عرض کی ہاں اس نے مجھے یہی کہا تھا۔ آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے دینار پسند کئے اور انہیں اپنے لئے رکھ لیا! اس نے عرض کی ہاں! آپ نے فرمایا اس نوجوان کو اس کے باپ کی وصیت کے مطابق دینار دے دو کیونکہ جب اس کے باپ نے یہ کہا تھا کہ میرے بیٹے کو اپنی پسندیدہ شے دینا اور تو بھی اقرار کر چکا ہے کہ میں دینار پسند کرتا ہوں تو تمہیں دینار دینے پڑیں گے۔ وہ خجل ہوا اور اسی وقت دینار اس نوجوان کو دے دیئے۔

۶۔ حضرت شریک فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم کے سرداروں میں سے ایک آدمی کے جنازے میں ہم لوگ شامل تھے۔ ہمارے ساتھ امام ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، ابوالاحوص حبان، مندل اور امام ابوحنیفہ بھی تھے، جنازہ اٹھایا گیا، اچانک لوگ ٹھہر گئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے رکنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپ کو بتلایا گیا کہ اس میت کی والدہ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھے گی، واپس نہیں جائے گی اور باپ نے قسم کھائی ہے کہ اس کی بیوی واپس نہیں جائے گی تو اسے طلاق ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کا کوئی بھی حل نہ نکال سکا۔ میت کے باپ نے حضرت امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ اس مسئلہ میں ہماری مدد فرمایئے۔ امام صاحب نے میاں بیوی کی قسم کی نوعیت دریافت فرمائی۔ ان کے بتلانے پر آپ نے فرمایا کہ جنازہ نیچے رکھ دو، جنازہ رکھ دیا گیا۔ امام صاحب نے میت کی والدہ کو فرمایا تم آگے بڑھو اور اپنے بیٹے کی نماز جنازہ ادا کر لو۔ جب اس نے نماز ادا کر لی تو آپ نے فرمایا اب تو واپس چلی جا۔ پھر جنازہ قبر کی طرف لیجایا گیا۔ ابن شبرمہ فرماتے ہیں کہ "دنیا کی مائیں ایسا عالم پیدا کرنے سے عاجز ہیں!"

۷۔ دہریئے (جو خدا کو کائنات میں متصرف نہیں مانتے) حضرتِ امام کو قتل کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک دن امام صاحب تن تنہا مسجد میں بیٹھے ہوئے انہیں مل گئے، وہ تلواریں اور چھریاں لیکر آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آگے بڑھے۔ جب آپ نے دیکھا تو فرمایا ذرا ٹھہرو، میرا ایک سوال ہے، تم اس کا جواب دے کر جیسے تمہاری مرضی ہو کر لینا۔ انہوں نے کہا بتلاؤ! آپ نے فرمایا ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے سامان سے لدی ہوئی کشتی کو دیکھا ہے، وہ دریا کے گہرے پانی میں جا رہی ہے اسے پانی کی شدید موجوں نے گھیر لیا ہے، مختلف سمتوں سے سخت ہوا چل رہی ہے، اسے چلانے کے لئے کوئی ملاح نہیں ہے اور نہ ہی کوئی محافظ ہے، تم یہ بتلاؤ کہ کیا عقلاً یہ بات جائز ہے؟ سب نے بیک آواز کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ نہ اسے عقل جائز رکھتی ہے اور نہ ہی وہم میں یہ بات آتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ! جب یہ بات از روئے عقل جائز نہیں کہ ایک کشتی بغیر محافظ کے چل سکے تو اتنی بڑی کائنات جو مختلف احوال کی حامل ہے، اس کے امور بدلتے رہتے ہیں، اطراف پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں تباین پایا جاتا ہے، کسی صانع اور محافظ کے بغیر کیونکر چل سکتی ہے؟ یہ جواب سن کر تمام رونے لگے اور عرض کی اے ابو حنیفہ! آپ نے درست فرمایا۔ انہوں نے اپنی تلواریں نیام میں رکھ لیں اور اپنی سرکشی و گمراہی سے تائب ہو گئے۔

۸۔ رُومی شہنشاہ نے اپنے ایک ایلچی کو خاصی رقم دیکر بھیجا اور کہا کہ اپنے ہاں کے علماء سے تین مسئلے دریافت کرو، اگر وہ جواب دے دیں تو یہ مال ان کو دے دینا اور اگر عاجز رہ جائیں تو بطور خراج اُن سے مال وصول کرنا۔ خلیفہ نے حسب الحکم علماء کو اکٹھا کیا، تینوں مسائل پیش کئے لیکن ان میں سے کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ حضرتِ امام ابھی بچے تھے (بعض کے نزدیک آپ کی عمر اس وقت ۲۰ سال کے لگ بھگ تھی) اور اپنے والد کے ہمراہ اس مجلس میں بیٹھے تھے۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا اگر اجازت ہو تو میں جواب دوں؟ خلیفہ نے کہا ہاں ضرور! آپ نے فرمایا کیا تم سائل ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا منبر سے نیچے اُترو اور نیچے بیٹھ جاؤ پھر میں جواب دوں گا۔ وہ نیچے اتر آیا۔ آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا اب سوال کرو۔ پہلا سوال یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کیا چیز تھی؟ آپ نے فرمایا گنتی جانتے ہو؟ کہنے لگا کیوں نہیں ضرور جانتا ہوں: فرمایا "واحد" سے پہلے عدد کا نام بتاؤ، اس نے کہا "واحد" سب سے پہلا عدد ہے اس سے قبل کوئی عدد نہیں۔ آپ نے فرمایا جب واحد مجازی سے پہلے کوئی نہیں تو واحدِ حقیقی سے پہلے کیا کیونکر ممکن ہوگا؟ پھر دوسرا سوال یہ کیا کہ اللہ کس سمت میں ہے؟ آپ نے فرمایا تم یہ بتاؤ جب چراغ جل رہا ہوتا ہے تو اس کی روشنی کس سمت میں ہوتی ہے؟ کہا اس روشنی کی چاروں جہات برابر ہیں۔ آپ نے فرمایا جب ایک عارضی اور زائل ہونے والا نور ہر جہت میں برابر ہے تو نورِ حقیقی کی کسی جہت کا تعین کیسے کیا جا سکتا ہے؟ تیسرا سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے؟ آپ نے (اسے شرمسار کرتے ہوئے) جواب دیا بس یہی کہ تم جیسے مشبہ مترس کو منبر سے نیچے اتار کر مجھ جیسے موحد کو منبر پر بٹھایا، بس ایسے ہی ہر آن میں اس کی نئی شان ہے۔ وہ مبہوت ہو گیا اور رقم دیکر چلتا بنا۔

۹۔ علماء کی ایک جماعت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس مسئلہ قرارت خلف الامام کے بارے میں بحث کرنے آئی آپ نے فرمایا میں تمام کے ساتھ گفتگو تو نہیں کر پاؤں گا لہٰذا اپنا ایک آدمی جو علم میں تم سب سے فائق ہے اسے بحث کے لئے سامنے کرو تاکہ اس سے بحث کی جا سکے۔ انہوں نے ایک آدمی کو تیار کیا۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا یہ تم سب سے زیادہ علم والا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اس کے ساتھ بحث تم سب کے ساتھ بحث متصور ہوگی۔ سب نے کہا بالکل، فرمایا اس پر الزام تم سب پر الزام ہوگا؟ کہنے لگے یونہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا اگر میں اس پر غالب آگیا تو تم سب پر غالب ہونگا! کہا ٹھیک ہے۔ آپ نے فرمایا (بس مسئلہ واضح ہو گیا) جیسے تم نے اس کی کلام کو اپنی کلام سمجھا ہے اسی طرح ہم بھی اپنے امام کو مختار بناتے ہیں، اس کی قرارت کو اپنی قرارت سمجھتے ہیں، وہ ہمارا نائب ہوتا ہے۔ ۔ ۔ سب خاموش ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

۱۰۔ ایک رافضی (شیعہ) جو امام صاحب کے حاسدین میں سے تھا ایک دن کسی حمام میں گیا حضرت امام پہلے سے وہاں موجود تھے۔ امام صاحب کو دیکھتے ہی بولا، اے نعمان! تمہارا استاد فوت ہو گیا ہے اور ہمیں راحت ملی، ان دنوں حضرت حماد قریب الموت تھے۔ امام صاحب جھٹ بولے ہاں ہمارے استاد تو فوت ہو ہی جائیں گے لیکن (تم خوش قسمت ہو کہ) تمہارے استاد کو قیامت تک (جینے) کی مہلت ہے۔ (اس سے آپ نے اسے یہ جتلایا کہ تمہارا استاد شیطان ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگتے ہوئے کہا تھا اَنظِرنِی اِلٰی یَومِ الوَقتِ المَعلُومِ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنَّکَ مِنَ المُنظَرِینَ جاؤ میں تمہیں مہلت دیتا ہوں

۱۱۔ حضرت وکیع فرماتے ہیں کہ ہم ابوحنیفہ کے پاس بیٹھے تھے، آپ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اور اس کا ترکہ چھ سو دینار ہے، مجھے صرف ایک دینار دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وراثت کس نے تقسیم کی تھی؟ عرض کی داؤد طائی نے! آپ نے فرمایا میں بھی کچھ ملتا تھا۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے بھائی کے ورثاء میں دو بیٹیاں، ایک بیوی، ماں، بارہ بھائی اور خود تو ایک بہن نہیں ہے؟ عرض کی یونہی ہے! فرمایا دو لڑکیاں دو ثلث یعنی چار سو دینار لے گئیں، ماں کو چھٹا حصہ ملا گویا ایک سو دینار اسکو ملا، بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی پچھتر دینار دئے گئے، باقی صرف پچیس دینار بچے (اور بموجب لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الاُنثَیَینِ) تمہارے بارہ بھائیوں کو دو دو دینار مل گئے! اور باقی ایک ایک دینار بچا جو تمہارا حصہ ہے۔ (اس واقعہ میں غور و فکر عقل و فراست کا مظاہرہ یوں ہے کہ آپ نے تقسیم وراثت سے ورثاء کی تعداد معلوم کر لی حالانکہ ورثاء کی تعداد کا کوئی علم پہلے سے نہ تھا)

(گیارہ کے اس مبارک عدد پر مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اسلئے کہ اَحَدَ عَشَرَ کَوکَباً تصور کیا جاسکے)

جناب حکیم سید امین الدین احمد

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل

یہ فطرت اسلامی ہی نہیں بلکہ فطرت انسانی بھی ہے کہ انسان بمصداقِ مضمون من احب شیئاً اکثر ذکرہ اپنے محبوب کا ذکر سننے اور سنانے سے کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ ذکرِ حبیب سے ہی کیف و سرور پاتا ہے اور پھر بھی تشنگی ہی رہتی ہے چنانچہ حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے قلبی لگاؤ اور عشق و محبت کا اظہار جو انہیں حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھا، یوں کرتے ہیں، ھو المسک ماکررتہ یتضوع، یعنی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ جمیل بار بار کرو کیونکہ وہ مشک اور کستوری کی خاصیت رکھتا ہے جس قدر اس کو بکھیروگے اتنی ہی مہک زیادہ ہوتی جائیگی لہٰذا ذکرِ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میرے لئے باعث فرحت و انبساط ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اپنی مجالس میں تلامذہ و حاضرین کے سامنے بڑے شوق و احترام سے فرمایا کرتے تھے، کبھی ارشاد فرماتے قول ابی حنیفۃ اعظم من ان یدفع بالھوینا اور کبھی یوں رطب اللسان ہوتے من لم ینظر فی کتب ابی حنیفۃ لایتبحر فی الفقہ[1] (جو حضرت سیدنا ابوحنیفہ کی تصانیف پر نظر نہیں رکھتا وہ فقہ میں تبحر حاصل نہیں کر سکتا) جب کبھی آپ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کمالاتِ عالیہ کے اظہار کا ارادہ کرتے تو جذبات کے عالم میں پکار اٹھتے:

.من اراد ان یعرف الفقہ فیلزم اباحنیفۃ واصحابہ فان الناس کلھم عیال علیہ فی الفقہ،[2]

احمد بن الصلت ابوعبید سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یوں فرمایا کرتے تھے:۔

الناس عیال علیہ فی القیاس والاستحسان

آپ کا یہ مقولہ بھی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے گہری عقیدت و محبت کا مظہر ہے:

کل من جاء بعد الامام الاعظم فھو مقتبس منہ[3]

---

[1] مناقب الامام الاعظم الموفق، ج ۲، ص ٦٦   [2] مناقب موفق، ج ۲، ص ٦٦، الخیرات الحسان ص ۱۰۳

[3] مناقب موفق، ج ۲، ص ۳۱، الخیرات الحسان، ص ۱۷، ۱۰۳

مندرجہ بالا ملفوظات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کو حضرت سراج الامۃ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بے پایاں عشق ومحبت تھا، پھر محبت کا ماخذ ومنبع ہی دل ہوتا ہے۔ اگر دل کا تعلق کسی چیز سے ہو جائے تو ارادہ اس تعلق کو قوی تر بنا دیتا ہے اور ایک دائمی کشش و جذب پیدا ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی عملی زندگی سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ انہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے قلبی لگاؤ تھا اور محبت کا یہ جذبہ ہر وقت بیدار رہا۔ آپ نے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بزرگی اور مجد و شرف کا ان الفاظ میں اعتراف کیا:

"میں ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر روزانہ حاضر ہوتا ہوں، جب کبھی مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو نفل پڑھ کر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر حاضری دیتا ہوں اور وہاں خدا سے (بتوسل ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ) اپنی حاجت مانگتا ہوں تو میری حاجت پوری ہو جاتی ہے۔"

اسی روایت کو صدر الائمہ امام موفق بن احمد المکی المتوفی ۵۶۸ھ کتاب مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ کے صفحہ ۱۹۹ جلد دوم میں مختلف اسناد سے بطریق امام ابو بکر خطیب بغدادی بطریق تاج الاسلام امام سمعانی وغیرہما سے بیان کرتے ہیں کہ علی بن میمون کہتے ہیں "میں نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے سنا وہ فرماتے تھے کہ "میں ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں پھر ان کی قبر پر (بتوسل ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ) خدا سے دعا کرتا ہوں تو فی الفور میری حاجت پوری ہو جاتی ہے۔" [1]

اسی روایت کو انہی کے الفاظ میں علامہ عز الدین بن جماعہ محدث نے بھی اپنی کتاب انس المحاضرہ میں ذکر کیا ہے:

"ذکر السفیری شارح بعض مجالس من احادیث البخاری نقل عن الدین بن جماعۃ فی کتابہ انس المحاضرۃ عن ابن میمون قال انی سمعت الشافعی یقول انی لاتبرک بابی حنیفۃ واجئ الی قبرہ یعنی زائرا فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت رکعتین وجئت الی قبرہ وسالت اللہ تعالی لحاجۃ عندہ فما تبعد عنی حتی تقضی [2]

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ الخیرات الحسان کے صفحہ ۲۳۰ - ۲۳۱ پر لکھتے ہیں:-

اعلم انہ لم یزل العلماء وذوو الحاجات یزورون قبرہ (ای قبر ابی حنیفۃ) ویتوسلون عندہ فی قضاء حوائجھم ویرون نجح ذلک منھم الامام الشافعی لما کان ببغداد فانہ جاء عنہ انہ قال انی لاتبرک بابی حنیفۃ واجئ الی قبرہ فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت

---

[1] مناقب موفق، ج ۲، ص ۱۳۱   [2] مناقب کردری، ج ۱، ص ۵۴

[3] انوار الباری، ج ۱، ص ۱۳۸، از سید احمد رضا بجنوری دیوبندی۔ [4] باطل شکن، ص ۲۰، ۲۱، از مولانا جعفر شاہ پھلواری

ركعتين وجئت الى قبره و سئلت الله عنده فتقضى سريعا و ذكر بعض المتكلمين على منهاج النووي ان الشافعي صلى الصبح عند قبره فلم يقنت فقيل له لم قال تادبا مع صاحب هذا القبر و ذكر ذلك غيره ايضا و زاد انه لم يجهر بالبسملة والاشكال فى ذلك خلافا لمن ظن انه يعرض السنة ما يرجح ترك فعلها لكونه الآن اهم منها ولا شك ان الاعلام برفعة مقام العلماء امر مطلوب متاكد و انه عند الاحتياج على رغم انف حاسد و تعليم جاهل افضل من مجرد فعل القنوت والجهر بالبسملة ۔ [له]

یعنی علماء اور دیگر حاجت مند آپ کی قبر کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیاب و کامران ہوتے رہتے ہیں۔ انھیں میں سے امام شافعی بھی ہیں جب آپ بغداد میں تھے تو آپ نے فرمایا: "میں ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس آتا ہوں اور اس کے پاس اللہ سے دعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔ اور بعض متکلمین نے ذکر کیا کہ امام شافعی نے صبح کی نماز آپ کی قبر کے پاس پڑھی تو اس میں قنوت نہ پڑھی۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیوں؟ تو آپ نے فرمایا اس قبر والے کے ساتھ ادب کرتے ہوئے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے اس اضافہ کے ساتھ ذکر کیا کہ آپ نے بسم اللہ جہر کے ساتھ نہ پڑھی۔ اور اس میں کچھ اشکال نہیں کیونکہ سنت کو بعض اوقات ایسے موانع لاحق ہو جاتے ہیں کہ جس سے اس کا ذکرنا راجح ہوتا ہے اور یہ موانع اس سے اہم ہوتے ہیں اور یہ چیز شک سے بالاتر ہے کہ علماء کی رفعت شان کا ظاہر کرنا بہت ہی اہم مقصد ہے اور بالخصوص حاسدوں کو ذلیل کرنے اور جاہلوں کو تعلیم دینے کے وقت قنوت پڑھنے اور بسم اللہ جہر سے پڑھنے سے افضل ہے۔"

علامہ ابن حجر کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام شافعی کی طرح دیگر علماء کا بھی قدیماً و حدیثاً امام ابوحنیفہ کی قبر انور کی زیارت بہ نیت تبرک و توسل و انتفاع و استشفاع معمول رہا ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عمل سے جہاں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ غایت عقیدت کا اظہار ہوتا ہے وہاں مسئلہ استمداد و توسل کا بھی ثبوت مہیا ہو رہا ہے، یہ منکرین وسیلہ و استمداد اولیاء کیلئے لمحہ فکریہ ہے، انہیں چاہیے کہ اپنے غلط نظریات کے جال کو تار تار پھینکیں اور صراط مستقیم پر گامزن ہوں جن پر ائمہ مجتہدین عمل پیرا رہے — — — — — — — — —

[له] مناقب موفق، ج ۲، ص ۱۹۹ ، الخیرات الحسان، ص ۱۷، ۱۰۳ ، انوار آفتاب صداقت، ج ۲، ص ۱۱۲، ۱۱۵ ، شفاء القلوب ص ۸۰ ، تحفہ دستگیریہ، مولانا غلام دستگیر قصوری، ص ۲۰

محمد صادق قصوری

امام اعظم رضی اللہ عنہ مکتوباتِ مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی روشنی میں

سراج الامہ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ بابرکات محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ تمام دنیا میں مسلمانوں کی غالب اکثریت انہی کی پیروکار ہے۔ ان پیروکاروں میں بڑے بڑے اولیاء کرام، علمائے عظام، محدث، فقیہ، مفسر اور صاحبِ کشف و کرامات حضرات شامل ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ بھی امام صاحب کے پیروکاروں میں شامل ہیں اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے اپنے مکتوبات شریف میں جابجا حضرتِ امام اعظم کا ذکر نہایت عقیدت و احترام سے کیا ہے۔ ذیل میں ہم مکتوبات شریف سے امام صاحب سے متعلقہ اقوال و ارشادات درج کر رہے ہیں۔

ہمارے پیشِ نظر مکتوبات شریف کا اردو ترجمہ ہے جسے مولانا محمد سعید احمد نقشبندی امام و خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے کیا ہے اور مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کا چھپا ہوا ہے۔

مکتوبات شریف دفتر اول حصہ اول مکتوب نمبر ۲۹ صفحہ ۱۰۳ میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اداءِ فرض کی ترغیب، سنن و آداب کی رعایت، مستحب اور نوافل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کے مستحبات میں سے ایک مستحب چھوٹ جانے سے چالیس سال کی نمازیں قضا کیں "

آگے چل کر وضو کے استعمال شدہ پانی کے بارے امام صاحب کا موقف بیان فرماتے ہیں :۔

" لہٰذا وہ پانی جس سے ازالہ حدث کیا گیا ہو یا بہ نیتِ عبادت و ثواب وضو کے لئے استعمال کیا گیا ہو لوگوں کے لئے اس کا پینا جائز نہ قرار دیں کیونکہ یہ پانی سیدنا حضرتِ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نجاستِ غلیظہ کا حکم رکھتا ہے اور فقہا نے اس پانی کے پینے سے منع کیا ہے اور اس کا پینا مکروہ قرار دیا ہے "

اللہ کی محبت میں گرفتار ہونے کے متعلق مجدد صاحب نے شیخ محمد چتری کو ایک طویل خط لکھا۔ اس میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عقیدہ یوں بیان فرمایا ہے :۔

" تیری ذات پاک ہے، جیسا تیری عبادت کا حق ہے ہم اس طرح تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے لیکن

جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے اس طرح ہمیں تیری معرفت حاصل ہو چکی ہے "۔

عبادت کا حق ادا نہ کرنا تو ظاہر ہے لیکن پوری معرفت کا حصول اس بنا پر ہے کہ اس ذات تعالیٰ شانہ کی نہایت معرفت صرف یہ ہے کہ اس ذات کو بے چونی و بے چگونی کے ساتھ پہچان لیں۔

(مکتوبات شریف، دفتر اول حصہ اول مکتوب نمبر ۴۸ ص ۱۲۹)

ایمان کی کمی بیشی کے بارے میں امام صاحب کا موقف یوں بیان فرماتے ہیں :۔

" ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم " (دفتر اول حصہ چہارم ص ۱۷۵)

امام صاحب کے اس قول پر علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "سیرۃ النعمان" میں تفصیل سے بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

" جن لوگوں نے عمل کو جزوِ ایمان قرار دیا۔ ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ و کم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے، جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے۔ محدثین صراحۃً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات و ینقص بالمعصیۃ یعنی ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ سے گھٹ جاتا ہے "۔ اور محدثین نے بھی جابجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابوحنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے۔ ان کے نزدیک جب اعمال جزوِ ایمان نہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ابوبکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرتِ صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے جو اس کے دل میں ہے "۔ غرض امام صاحب کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہوسکتا بلکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یہ دعویٰ اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزوِ ایمان نہیں اور اس کو ہم بھی ثابت کر چکے ہیں۔ (سیرۃ النعمان مطبوعہ دہلی ۱۹۱۶ء ص ۹۶)

مسئلۂ قضاء و قدر کی تحقیق میں لوگ حیرت اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض بندے سے جو کچھ اس کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس میں جبر کے قائل ہیں اور بعض نے بندے سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس کی خدائے واحد کی طرف نسبت کی نفی کی ہے اور ایک گروہ نے قضاء و قدر کے عقیدے میں میانہ روی اختیار کی ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے اور الحمدللہ یہ گروہ فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت ہے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے اس مسئلہ کے بارے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت نقل کی

ملاحظہ ہو :-

" حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت امام جعفر بن محمد باقر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے دریافت فرمایا اور عرض کیا اے رسول اللہ کے بیٹے! کیا اللہ تعالےٰ نے اختیار بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے عظیم اور برتر ہے کہ ربوبیت کو بندوں کے حوالے کر دے۔ پھر امام ابوحنیفہ نے عرض کی کیا اللہ تعالےٰ نے بندوں کو مجبور پیدا کیا ہے؟ تو امام جعفر صادق نے فرمایا، اللہ تعالےٰ اس بات سے بہت عدل والا ہے کہ وہ بندوں کو پہلے تو مجبور پیدا کرے اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے۔ پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس معاملے کی پھر اصل حقیقت کیا ہے؟ تو امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ معاملہ اختیار اور جبر کے درمیان ہے کہ نہ تو انسان بالکلیہ مجبور ہے اور نہ بالکلیہ مختار ہے اور نہ اللہ کی طرف سے انسان پر کوئی جبر ہے اور نہ کوئی بات خواہ مخواہ انسان پر مسلط کی گئی ہے۔" (دفتر اول، حصہ پنجم، مکتوب نمبر ۲۸۹، ص ۸۰۲)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول زبان زدِ عام ہے اور مخالفین اکثر و بیشتر پیش کرتے ہیں کہ " اگر کوئی حدیث میرے قول کے مخالف ہو تو میرے قول کو چھوڑ دو "؟ اس کو حضرت مجدد صاحب قدس سرہ یوں بیان فرماتے ہیں :-

" اور وہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ " اگر کوئی حدیث میرے قول کے مخالف پاؤ تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو "۔ تو اس حدیث سے مراد وہ حدیث جو حضرت امام کو نہ پہنچی ہو اور اس حدیث کو نہ جاننے کی بنا پر اس کے خلاف حکم فرمایا ہے اور " اشارے " کی حدیث (یعنی وہ حدیث جس میں تشہد کے وقت انگلی سے اشارہ کرنے کا ذکر ہے) اس قبیلے سے نہیں اور مشہور احادیث ہیں اور نہ جاننے کا احتمال نہیں۔" (دفتر اول، حصہ پنجم، مکتوب نمبر ۳۱۲، ص ۹۰۱)

امام صاحب رضی اللہ عنہ کے مناقب و محاسن یوں تو بڑے بڑے علمار کرام نے بیان کئے ہیں لیکن مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس عقیدتمندی سے بیان کئے ہیں یہ انہی کا حصہ ہے، فرماتے ہیں :-

" اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ بعد نزول اس شریعت کی اتباع کریں گے، آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اتباع ہی کریں گے کہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ علمار ظواہر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادات کی اپنے ماخذ کے کمال اور دقیق ہونے کی وجہ سے مخالفت کریں اور ان کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی برکت۔۔۔

اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط کے نہایت بلند درجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اور دقتِ معانی کیوجہ سے ان کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو "اصحاب الرای" کہتے ہیں اور یہ سب کچھ ان کے علم اور درایت کی حقیقت اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاروں سے ان کی فقاہت کی دقت کو معلوم کیا اور کہا تمام فقہاء ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ افسوس ان قاصر نظروں کی جماعت پر کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں:

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعن قصور　　　حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند　　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ:۔ اگر کوئی کوتاہ نظر اس قافلہ پر قصور کا طعنہ کرتا ہے تو خدا پاک ہے کہ میں زبان پر اس کا گلہ لاؤں، تمام دنیا کے شیر اس سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں۔ لومڑی حیلہ سے اس زنجیر کو کیسے توڑ سکتی ہے؟

اور اسی مناسبت سے جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ خواجہ محمد پارسا نے "فصولِ ستہ" میں جو لکھا ہے اسی لئے لکھا کہ "حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے"۔ یعنی حضرتِ روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے مطابق ہوگا نہ یہ کہ وہ اس مذہب کی تقلید کریں گے کہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علمائے امت کی تقلید کریں۔

بلا تعصب و تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے اور باقی دوسرے تمام مذاہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اور ظاہر میں بھی جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام کی اکثریت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پیروہے اور یہ مذہب کثرتِ متبعین کے باوجود اصول اور فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سنت کی پیروی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور اسی طرح صحابی

کے قول کو بھی خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی وجہ سے اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور دوسروں کا یہ مسلک نہیں ہے اس کے باوجود مخالف ان کو "اصحاب الرأی" کہتے ہیں اور ان کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرتے ہیں جن سے سوء ادبی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ سب ان کے کمالِ علم اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی کثرت کے بھی معترف ہیں۔ حق سبحانہ وتعالےٰ ان کو توفیق دے کہ وہ دین کے سردار، اور اہلِ اسلام کے رئیس کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یہ لوگ خدا کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں اور احکامِ دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں اور اپنی معلومات کے ماسوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کرتے ہیں ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است زمین و آسمانِ او ہماں است

ہزار افسوس ان کے خشک تعصب اور ان کی نظرِ فاسد پر کہ فقہ کے بانی ابو حنیفہ ہیں اور لوگوں نے فقہ کا تین چوتھائی حصہ ان کے لئے مسلم کر رکھا ہے اور صرف باقی چوتھائی حصہ میں دوسرے فقہاء ان کے شریک ہیں۔ در فقہ میں صاحبِ خانہ وہ ہے اور دوسرے سب اس کے عیال ہیں۔ باوجودیکہ میں مذہبِ حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے۔ ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے فقہاء کو میں باوجود بے انتہا علم اور کمالِ تقویٰ کے امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح دیکھتا ہوں، اور حقیقت معاملہ خدا تعالےٰ کے سپرد ہے۔"

(حصہ ہفتم، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۵۵، ص ۳۲-۳۵)

مولانا محمد منشا تابش قصوری مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ

خواجۂ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ ظاہری تک جمیع علوم و عرفان کا مصدر و منبع رہے اور تمام مسائل زندگی کا حل قرآن کریم اور اپنے ارشاداتِ عالیہ (وحی غیر متلو) سے فرماتے رہے۔ حضور کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروقِ اعظم، سیدنا عثمان ذوالنورین اور سیدنا مولا علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قرآن و حدیثِ مصطفےٰ اور اپنی لامحدود قوتِ تفقہ سے زندگی کے مسائل کی الجھنوں کو سلجھاتے رہے بالخصوص سیدنا فاروقِ اعظم، سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے فقہ کے میدان میں خوب خوب جوہر دکھلائے اور افضل ترین فقہائے امت میں شمار ہوئے، پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور فتوحاتِ بلاد و ممالک میں اضافہ ہوتا گیا وہاں کے ماحول و حالات سے نئے نئے مسائل پیدا ہوئے جنہیں زیادہ تر قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں حل کیا جانے لگا، پھر مسائل میں کچھ پیچیدگیاں نظر آئیں تو علمائے فقہ بالخصوص سیدنا امامِ اعظم، سیدنا امامِ مالک، سیدنا امام شافعی اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم نے ایسے مسائل کا حل ڈھونڈا اور امتِ مسلمہ کی حلال و حرام کے معاملات میں خوب رہنمائی فرمائی۔

ان حضرات میں سے سب سے زیادہ ثقہ اور قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ کے عین مطابق مذہبِ حنفی ہے جس کے بانی حضور سیدنا امام الائمہ نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ دنیا کے افقہ ترین انسان تھے جنہیں مشرق و مغرب کے فقہاء نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، مغرب کے مشہور ترین اہلِ علم ہالن Holland، ون فیلڈ WinField اور سامن SALMOND نے آپ کی بے مثال فقاہت، ذہانت و فطانت کے پیشِ نظر آپ کو حلال و حرام کے معاملے میں انسانیت کا سب سے بڑا محسن قرار دیا ہے اور آپ کی قوتِ فیصلہ کی بے پناہ تعریف کی ہے۔

حضرتِ امام رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات خود تو مزرعِ امت کے لئے ابرِ کرم کی حیثیت رکھتی تھی لیکن آپ نے اپنے تلامذہ کو بھی اس قابل بنا دیا کہ وہ بھی کشت ملت کی آبیاری کر سکیں۔ یوں تو حضرت کے تلامذہ ہزاروں ہیں لیکن یہاں ان مشاہیر کا ذکر کیا جائیگا جن کا تذکرہ کتبِ سیر میں بار بار اور تواتر کے ساتھ آتا ہے اور جنہوں نے دنیائے فقہ میں اپنی خداداد ذہانت و فطانت کے بل بوتے پر اپنا اور اپنے استاد کا لوہا منوایا۔ ذیل میں سیدنا امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند ایسے ہونہار اور

نامور تلامذہ کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جو فقہ اور علمِ حدیث کے امام تسلیم کئے گئے ہیں : ———

۱۔ حضرت امام حمّاد رحمۃ اللہ علیہ جگر گوشۂ امام اعظم سیّدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت امام حماد بن امام اعظم رضی اللہ عنہ بلند پایہ فقیہ، تقویٰ و پرہیزگاری، فضل و کمال، علم و دانش اور جود و سخا میں اپنے والدِ ماجد کا عکسِ جمیل تھے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی تعلیم و تربیت نہایت اہتمام سے فرمائی۔ مشہور ہے کہ الحمد کے ختم پر آپ کے معلّم کو ایک ہزار درہم عنایت فرمائے۔ [1]

ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت امام حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث و فقہ کی تحصیل والدِ ماجد سے کی [2]، اور اس میں کمال مہارت پیدا کی جب امامِ اعظم نے اپنے اس لائق اور ہونہار لختِ جگر کو علوم و فنون میں کامل پایا تو مسندِ افتاء پر متمکن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ نے نہ صرف فتویٰ نویسی کے اہم فریضہ کو ہی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا[3] بلکہ تدوینِ کتبِ فقہ میں بھی آپ نے نمایاں کردار ادا کیا اور حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر، حضرت امام حسن بن زیاد وغیرہ، ارشد تلامذۂ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طبقہ میں شمار ہوئے۔

آپ نہایت متقی و متورع انسان تھے۔ جب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا تو گھر میں لوگوں کی بہت سی امانتیں ایسی بھی تھیں جن کے مالک مفقود الخبر تھے۔ آپ نے وہ تمام مال و اسباب امانتوں کی صورت میں قاضیٔ وقت کے سامنے پیش کر دیا۔ قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ ابھی اپنے پاس رہنے دیجئے، آپ امین مشہور ہیں اور بہتر طریقے سے اس کی حفاظت کر سکتے ہیں مگر آپ نے قاضی سے اعتذار کرتے ہوئے تمام مال و اسباب کی فہرست پیش کر دی اور ساتھ ہی فوری عملدآمد کے لئے کہہ دیا تاکہ ان کے والدِ ماجد بری الذمہ ہوں۔ کہتے ہیں کہ جب تک وہ امانتیں قاضی نے کسی اور کے اہتمام میں نہیں دیں، آپ نظر نہیں آئے۔[4]

حضرت امام حماد نے اپنی عمر تعلیم و تعلّم میں صرف فرمائی۔ آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل نے تفقہ کیا جن سے عمرو بن ذر، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب اور قاسم بن معین وغیرہ جلیل القدر فقہاء و محدثین فیض یاب ہوئے۔ حضرت امام اسماعیل بن حماد بن امام اعظم پہلے بغداد، بعدہٗ بصرہ اور پھر رقّہ کے قاضی مقرر ہوئے، احکامِ قضا، وقائع و نوازل میں ماہر باہر اور عارف بصیر تھے۔

---

[1] الموفق بن احمد المکی، ۵۶۸ھ ، الامام ، مناقب الامام الاعظم ، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۲۱ھ ، ص ۲۵۶

[2] محمد حسن سنبھلی، ۱۳۰۵ھ : مولانا : تنسیق النظام فی مسند الامام ، مطبوعہ اصح المطابع کراچی ، ص ۱۳

[3] فقیر محمد جہلمی ، مولانا : حدائق الحنفیہ ، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ، ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء ، ص ۱۱۵

[4] " " " " ، ص ۱۱۶

محمد بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے آج تک کوئی قاضی اسمٰعیل بن حماد سے اعلم نہیں ہوا[1]، آپ بعہدِ خلیفہ مامون الرشید ۲۱۲ھ میں جوانی کے عالم میں فوت ہوئے۔ اسی فرزندِ ارجمند کے نام سے حضرت امام حماد نے ابو اسمٰعیل کنیت پائی۔ حضرت امام حماد حضرت قاسم بن معن کی وفات کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ ماہِ ذی القعدہ ۷۶ھ میں انتقال فرمایا، تطلب دنیا ۱۷۶ھ تاریخِ وفات ہے۔ آپ نے عمر، اسماعیل، ابوحیان اور عثمان چار صاحبزادے چھوڑے جو علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ تصانیف میں مسند الامام الاعظم آپ کی یادگار ہے[2]۔

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ولادت ۹۵ھ (مدینہ منورہ) وفات ۱۷۹ھ

آپ نے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلے احادیثِ نبوی کا مجموعہ مدوّن کیا جو مؤطا امام مالک کے نام سے چار دانگِ عالم میں شہرت حاصل کر چکا ہے۔ آپ نے علمِ حدیث و فقہ حضرت نافع، محمد بن منکدر، امام زہری، امام اعظم اور دیگر تابعین و تبع تابعین سے سیکھا۔ آپ کے فیض یافتگان کی تعداد کا شمار ناممکن ہے جو تمام عالمِ اسلام کے گوشہ گوشہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تشنگیٔ علم کا درماں کرتے۔ آپ کی خدمت میں حجاز، شام، عراق، خراسان، مصر، شمالی افریقہ اور اندلس کے لوگ کشاں کشاں چلے آتے۔ حضرت ابن جریج، حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت امام اوزاعی، حضرت امام شعبہ، حضرت یحییٰ بن یحییٰ اندلسی، حضرت لیث بن سعد حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آسمانِ علم و فضل کے درخشندہ مہر و ماہ ہیں، ان سب کا آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی کا قول ہے لولا مالك و ابن عيينة لذهب علم الحجاز۔ اگر امام مالک اور حضرت ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجازیوں کا علم نیست و نابود ہو جاتا[3]۔

وضاحت: یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض مؤرخین حضرات قلم کے زور سے حضرت امام مالک کو امام اعظم کے نہ صرف تلامذہ میں ہی شمار نہیں کرتے بلکہ استاد کو شاگرد ثابت کرنے کے لئے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے نظر آتے ہیں۔

سیرۃ النعمان کے مصنف شبلی نعمانی اور سیرتِ ائمہ اربعہ کے مرتب رئیس احمد جعفری کو دیکھیے کس طرح حقیقت کو مسخ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"امام صاحب کو طلبِ علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے ان کے حلقۂ درس میں اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔۔۔۔۔۔۔ اس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام اعظم کی کسرِ شان پر محمول کیا"

---

[1] حدائق الحنفیہ : ص ۱۳۵
[2] تنسیق النظام فی مسند الامام : ص ۱۳
[3] سنت خیر الانام، پیر محمد کرم شاہ، مولانا، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی (۱۹۷۱ء) : ص ۱۵۶
[4] سیرۃ النعمان، شبلی نعمانی، مولوی، : ص ۶۰
[5] سیرت ائمہ اربعہ، رئیس احمد جعفری، مرتب، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۴۶

"صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین الخطیب نے "اکمال فی اسماء الرجال" کے باب ثانی میں ائمہ متبوعین کا تذکرہ کیا تو امام مالک کو سب سے پہلے ذکر کیا اور لکھا کہ میں نے امام مالک کا ذکر سب سے پہلے اس لئے کیا ہے کہ وہ زمانہ اور مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہیں" [۱]

ملاحظہ کیجئے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیرۃ النعمان کا مصنف امام مالک کے حلقہ درس میں اکثر دیکھتا ہے جیسے کوفہ اور مدینہ میں کوئی بُعد مسافت ہی نہ تھا یا اس کے نزدیک کوفہ مدینہ تھا اور مدینہ کوفہ تھا، بنا برعلیہ امام مالک کوفہ میں تھے یا امام اعظم مدینہ کو متوطن قرار دے چکے تھے ورنہ اکثر حاضری چہ معنی دارد؟ البتہ عمر کا تفاوت تسلیم ہے۔ اگر صاحب مشکوٰۃ کی طرح زمانہ کے اعتبار سے بھی مقدم سمجھ لیتے تو مسئلہ حل ہی ہو جاتا۔

ناظرین ان دو متضاد عبارتوں پر غور فرمائیں۔ سیرۃ النعمان کے مصنف نے تو اکثر حاضری ثابت کی مگر صاحب مشکوٰۃ نے امام مالک سے امام اعظم کو عمر اور مرتبہ دونوں میں کم قرار دیا۔

(۱) زمانہ کے تقدم و تاخر کو تو قارئین کرام خود دیکھ لیں کہ پیدائش میں بھی امام اعظم مقدم ہیں اور پھر وفات میں بھی کہ حضرت امام اعظم کا وصال ۱۵۰ھ ہے جبکہ امام مالک ۱۷۹ھ میں انتقال فرماتے ہیں۔

(۲) اس کے بعد مرتبہ کو دیکھئے تو بالاتفاق ائمہ اسلام، امام اعظم نے ایک جماعت صحابہ کو پایا جو کوفہ میں تھے لہٰذا آپ طبقہ تابعین میں سے تھے اور یہ فضیلت کسی کو آپ کے معاصر ائمہ امصار میں سے حاصل نہ ہوئی مثلاً امام اوزاعی امام بصرہ، ہر دو حماد امام کوفہ سفیان ثوری، امام مدینہ امام مالک اور امام مصر لیث بن سعد (یعنی ان سب جلیل القدر ائمہ امصار کو شرف تابعیت حاصل نہ ہوا جبکہ امام اعظم کو حاصل تھا) تو مرتبہ تابعی کا بڑا ہوتا ہے یا تبع تابعین کا؟

پھر امام مالک کو علامہ ابن حجر مکی شافعی نے امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے، چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:۔

قال ابن حجر وتلمذ له كبار من الائمة المجتهدين والعلماء الراسخين عبد الله بن المبارك والليث بن سعد والامام مالك بن انس انتهى [۲] ومنهم داؤد الطائي وابراهيم بن ادهم وفضيل بن عياض وغيرهم من اكابر السادة الصوفية رضى الله تعالى عنهم، تو کیا مرتبہ استاد کا بڑا ہے یا شاگرد کا؟

---

[۱] سید احمد رضا بجنوری، مولانا، انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری، مطبوعہ مکتبہ ناشر العلوم دیوبند، ج ۱: ص ۵۳

[۲] محمد منصور علی مرادآبادی، مولانا، الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ: ص ۲۹۶

(۳) امامِ اعظم سے امام مالک کی روایتِ حدیثِ پاک پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور امامِ اعظم کی روایت امام مالک سے مشکوک ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ امامِ اعظم کی روایت امام مالک سے ثابت نہیں۔ اور دارقطنی نے جو روایتیں ذکر کی ہیں وہ محلِ نظر ہیں کیونکہ وہ بطورِ مذاکرہ تھیں۔ بطورِ تحدیث بالقصد روایت نہ تھیں[1]

(۴) حضرت امام مالک کا امامِ اعظم سے اس بات سے بھی تلمذ ظاہر ہوتا ہے کہ جب امامِ اعظم مدینہ طیبہ میں حاضر ہوتے تو امام مالک آپ سے برابر استفادہ کرتے۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ امام مالک ابوحنیفہ کی کتابوں کی کھوج میں رہتے اور بڑی کوشش سے حاصل کر کے مطالعہ کرتے اور مستفید ہوتے۔ یہ بھی منقول ہے کہ امام مالک نے آپ کے ساٹھ ہزار مسائل سے فائدہ اٹھایا۔ نیز امام مالک کا تالیفی دور امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد شروع ہوا اس لئے ان سے امامِ اعظم کے مستفید ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا ثابت ہوا کہ امام مالک حضرت امام الائمہ سراج الامہ امامِ اعظم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت امام مالک کی کنیت ابوعبداللہ، نام ونسب، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی، اور لقب امام دارالہجرہ ہے۔ مولد ومدفن مدینۃ الرسول صلے اللہ علیہ وسلم، تاریخ پیدائش ۹۵ھ اور وفات ۱۷۹ھ ہے۔ ایک بار حج کے بعد کبھی مدینہ منورہ سے باہر نہیں نکلے۔ آخر ہمیشہ کے لئے آغوشِ رحمت میں جگہ پائی[2] (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا)

آسمانِ علم وفضل کے آفتاب سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ولادت ۱۱۳ھ، کوفہ، وفات ۱۸۲ھ، بغداد

خلفائے عباسیہ کے عہد میں عالمِ اسلام کے پہلے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات شریعت و معرفت، تقویٰ وطہارت، حدیث وفقہ کا درخشاں مینار تھی جس کی روشنی آج بھی انسانوں کو منزل بتا رہی ہے اور لاکھوں مسلمان اس روشنی سے راہِ شریعت پر چل رہے ہیں۔

آپ کا اسمِ گرامی یعقوب، کنیت ابو یوسف ہے جس سے آپ کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی، قاضی القضاۃ کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ ولادت، علوم ومعارف کے مرکزی شہر کوفہ میں ۱۱۳ھ مطابق ۷۳۱ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے فقہ کو پسند کیا۔ پہلے

---

[1] انوار الباری، جلد ۱ : ص ۵۴

[2] احمد یار خان نعیمی (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)، مفتی، مرآت المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح اردو، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات جلد ۱، ص ۱۲

[3] محمد بن محمد بن شہاب کردری، ۸۲۷ھ، الشیخ الامام، مناقب الامام الاعظم عربی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، جلد ۲، ص ۱۱۷

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی شاگردی اختیار کی، پھر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں آئے اور مستقل طور پر انہی سے وابستہ ہو گئے۔ والدین نہایت غریب تھے جو آپ کی تعلیم کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔ جب حضرت امام اعظم کو حالات کا علم ہوا تو انہوں نے صرف آپ کے تعلیمی مصارف بلکہ تمام گھر والوں کے اخراجات کی کفالت اپنے ذمے لی۔ حضرت امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امام اعظم سے اپنی ضرورت بیان کرنے کی کبھی حاجت نہیں ہوئی، وقتاً فوقتاً خود ہی اتنا روپیہ بھیجتے رہتے کہ میں فکرِ معاش سے بالکل آزاد ہو گیا [1]

آپ ذہانت کے بحرِ زخار تھے، آپ کی ذہانت و فطانت بڑے بڑے فضلائے روزگار کے دلوں میں گھر کر گئی۔ حافظ ابن البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے تو ایک ایک جلسہ میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے تھے۔

آپ کی قوتِ حافظہ کے بارے صاحبِ نور الانوار رقمطراز ہیں :

"امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کو بیس ہزار موضوع حدیث یاد تھی پس صحیح احادیث کے متعلق تمہیں کیا گمان ہے" [2]

یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ، حضرت امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ، حضرت شیخ علی بن المدینی جو آپ کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں آپ کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں آپ کا ہم سر نہ تھا [3]، اور طلحہ بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے کوئی ان سے بڑھ کر نہ تھا، داؤد بن رشد کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ نے صرف یہی ایک شاگرد پیدا کیا ہوتا تو ان کے فخر کے لئے کافی تھا۔

حضرت امام ابو یوسف کو نہ صرف فقہ و حدیث پر عبور حاصل تھا بلکہ تفسیر، مغازی، تاریخ عرب، لغت، ادب اور علم الکلام وغیرہ علوم و فنون میں بھی کامل دستگاہ رکھتے، یہی وہ فطری ذہانت تھی جس نے چند سال کی مدت میں آپ کو سارے ہمعصروں میں ممتاز کر دیا اور علمائے وقت آپ کے تبحرِ علمی اور جلالتِ فقہی کے قائل ہو گئے بلکہ خود حضرت امام اعظم آپ کی بڑی قدر و منزلت فرماتے اور فرمایا کرتے میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ جس نے علم حاصل کیا وہ ابو یوسف ہیں۔ [5]

---

[1] مناقب کردری ، محمد بن محمد بن شہاب ، جلد ۲ ، ص ۱۲۳

[2] شیخ احمد بن ابی سعید امیٹھوی (۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء) ، ملا جیون ، نور الانوار شرح المنار ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ، ص ۱۹۲

[3] المنجد عربی ، مطبوعہ بیروت ، ص ۵۷۳

[4] مناقب موفق ، جلد ۲ ، ص ۲۳۲

[5] المناقب للکردری ، جلد ۲ ، ص ۱۳۶

قاضی القضاۃ ۱۶۶ھ مطابق ۷۸۳ء میں آپ بغداد تشریف لائے تو خلیفہ محمد المہدی بن منصور (۱۶۹ھ/۷۸۵ء) نے بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ ہادی بن مہدی بن منصور (۱۷۰ھ/۷۸۶ء) کے زمانے میں بھی اس عہدہ پر رہے۔ جب ہارون الرشید (۱۹۳ھ/۸۰۸ء)[1] نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لی تو اس نے تمام سلطنتِ عباسیہ کا آپ کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کیا، یہ منصب جس پر حضرت امام ابو یوسف مامور کئے گئے۔ موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق محض عدالتِ عالیہ (ہائی کورٹ) کے حاکم اعلیٰ کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وزیرِ قانون کے فرائض بھی اس میں شامل تھے بلکہ سلطنت کے تمام داخلی وخارجی معاملات میں قانونی رہنمائی کرنا بھی آپ کا کام تھا۔ مملکتِ اسلامیہ میں پہلا موقع تھا کہ یہ منصب قائم ہوا، اس سے پہلے کوئی شخص خلافتِ راشدہ، اموی یا عباسی سلطنتوں میں چیف جسٹس نہیں بنایا گیا بلکہ زمانۂ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن داؤد[2] کے اور کسی کو یہ عہدہ نصیب نہیں ہوا۔[3]

عبادت حضرت امام ابو یوسف باوجود عہدۂ قضا اور علمی مشاغل کے عبادت وریاضت میں بھی بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں امام اعظم کی خدمت میں انتیس سال حاضر ہوتا رہا اور میری صبح کی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی۔ بشر بن ولید کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف کے زہد وورع، عبادت وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ زمانۂ قضا ووزارت میں بھی یومیہ دو دو سو رکعتیں نوافل ادا کرتے تھے[4]

تلامذہ آپ کے شاگردوں میں حضرت امام محمد بن حسن شیبانی، شفیق بن ابراہیم بلخی*، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت بشر بن الولید کندی، محمد بن سماعہ، معلیٰ بن منصور، البشر بن غیاث، علی بن جعد، یحییٰ بن معین، احمد بن منیع وغیرہ محدثین کبار وفقہائے کرام آفتاب وماہتاب کی طرح درخشاں وتاباں نظر آتے ہیں[5]

وصال:۔ ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ جمعرات کے روز ظہر کے وقت بغداد شریف میں علم وعرفان کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ مزار شریف احاطہ حضرت امام موسیٰ کاظم کے شمالی گوشہ میں زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔ حضرت مولانا ضیاء القادری بدایونی فرماتے ہیں:۔

---

[1] اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، مؤرخ، تاریخ اسلام ج ۲، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۲۴۳

[2] یہ شخص معتزلی تھا اس نے خلقِ قرآن کے مسئلہ کو بڑی شد ومد سے اٹھایا اور بقول حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ بہت بری حالت میں مرا۔

[3] حدائق الحنفیہ، ص ۱۱۷۔

[4] مناقب کردری، ج ۲، ص ۱۳۷

[5] عبد المصطفیٰ اعظمی، شیخ الحدیث، اولیاء رجال الحدیث، مطبوعہ انڈیا (۱۳۸۵ھ)، ص ۲۸

* دیکھئے حضرت امام اعظم کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف، شفیق بن ابراہیم بلخی۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں۔

ہے اس روضے کا بھی ذی شان سنگیں خوشنما گنبد
ہے چوبی جالیوں کے درمیاں میں آپ کا مرقد[1]

کسی نے قطعۂ تاریخِ وصال لکھا ہے ؎

ابو یوسف آں زیبِ علم و عمل ۔۔۔ فقیہِ معظّم، امامِ اجل
سعیدِ ازل بود بے شک ازاں ۔۔۔ شدہ سالِ فوتش سعیدِ ازل[2]

تصانیف میں کتاب الخراج شہرۂ آفاق ہے۔

حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی رضی اللہ عنہ ولادت ۱۳۵ھ / ۱۳۲ھ، واسط، وفات ۱۸۹ھ رے

حضرت امام محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فقہ، حدیث، لغت، نحو اور حساب کے مسلّم امام تھے۔ فصاحت و بلاغت اور ادبیت میں عدیم النظیر ہوئے۔ اصلی وطن دمشق کے قریب حرستا نامی ایک گاؤں تھا جسے آپ کے والدِ ماجد آپ کی پیدائش سے پہلے چھوڑ کر عراق کے ایک قصبہ واسط میں چلے آئے یہیں ۱۳۲ھ / ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشو و نما پائی[3]

آپ نے دو سال تک حضرت امام الائمہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درس لیا۔ امامِ اعظم کے وصال کے بعد حضرت امام ابو یوسف، حضرت مسعر بن کدام، حضرت سفیان ثوری، حضرت امام مالک، حضرت مالک بن دینار، حضرت امام اوزاعی، حضرت ربیعہ اور حضرت امام مالک بن مغول ایسے اکابر محدثین و فقہاء کرام سے کسبِ فیض کیا۔[4]

اپنے تعلیمی ذوق و شوق سے متعلق خود فرماتے ہیں کہ "مجھے طلبِ علم کا انتہائی شوق تھا۔ والدِ ماجد کی میراث سے مجھے تیس ہزار درہم ملے، پندرہ ہزار علمِ نحو، شعر، ادب اور لغت وغیرہ کی تعلیم و تحصیل پر خرچ کئے اور بقایا پندرہ ہزار درہم حدیث و فقہ کی تحصیل میں کام آئے[5]

---

[1] محمد یعقوب الحسن ضیاء القادری بدایونی (۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء)، مولانا، جوارِ غوث الورٰی، مطبوعہ کراچی، ص ۳۴

[2] حدائق الحنفیہ، ص ۱۲۰

[3] مناقب کردری، ج ۲، ص ۱۴۶

[4] ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء)، مولانا، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنو، ص ۵۹ (۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء)

[5] حدائق الحنفیہ، ص ۱۲۹

عملی زندگی تعلّم سے فارغ ہوئے تو کوفہ میں ہی مسندِ درس و تدریس پر جلوہ گر ہوئے اور شائقینِ علوم و فنون جوق در جوق چلے آئے۔ آپ کا درس اتنا پرکشش تھا کہ کثیر حاضری کے باعث کوفہ کی سڑکیں بھر جاتیں۔ اس ابرِکرم سے ایک زمانہ مستفیض ہوا اور جلیل القدر محدثین و فقہاء ملت نے آپ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا جن میں سے حضرت امام شافعی، حضرت ابو عبید القاسم بن سلام، حضرت ابو حفص کبیر احمد بن حفص، حضرت محمد بن سماعہ، حضرت معلی بن منصور، حضرت ابراہیم بن رستم، حضرت ابو سلیمان جوزجانی، حضرت موسیٰ بن نصیر، حضرت اسماعیل بن لؤلؤ، حضرت علی بن مسلم، حضرت عیسیٰ بن ابان، حضرت ہشام بن عبیداللہ، حضرت محمد بن مقاتل اور شداد بن حکیم وغیرہم علم و عمل کے آفتاب و ماہتاب بن کر دنیائے اسلام کو منور کرتے رہے۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت امام محمد نے تصانیف و تالیفات کی طرف بھی پوری توجہ مبذول رکھی۔ آپ کے قلم حقیقت رقم سے نو سو ننانوے ایسی کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں کہ جن سے زمانہ آج تک فیض یاب ہو رہا ہے۔ فضلائے احناف نے آپکو محرر المذہب کے لقب سے اسی لئے ملقب کیا اور ان کتابوں کو فقہ حنفی کا مدار سمجھا جن میں مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات رقیات۔ کتاب الحج، سیر صغیر، سیر کبیر بہت مشہور ہیں۔

حضرت امام شافعی کا قول ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ حضرت امام محمد کی کتابوں کو دیکھ لیں تو بے اختیار ایمان لے آئیں چنانچہ مشہور ہے کہ عیسائیوں کے ایک نامور فاضل نے جامع کبیر کو ملاحظہ کیا تو حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ حدائق الحنفیہ میں ہے کہ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ میں امام محمد کی کتابوں کی بدولت فقیہ ہوا۔[1]

عہدۂ قضاء اور وصال خلیفہ ہارون الرشید جو علماء و مشائخ کا قدردان تھا آپ کی جلالتِ علمی اور عظمتِ فقہی سے بھی بے حد متأثر ہوا چنانچہ آپ کو بصد عجز و انکسار عرض کرنے لگا کہ آپ عہدۂ قضاء کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے رقہ کی مسندِ قضاء کو سنبھالئے آپ نے اس پیشکش کو قبولیت کا شرف بخشا اور رقہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ کچھ مدت بعد بغداد چلے آئے۔ یہاں سے ہارون الرشید اپنے ساتھ رے میں لایا جہاں آپ نے ۱۸۹ھ میں وصال فرمایا۔ اتفاق سے اسی روز امام ابوالحسن علی المعروف کسائی نحوی بھی وہیں فوت ہو گئے۔ ہارون رشید کو بڑا صدمہ ہوا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگا۔ آج فقہ اور نحو کو ہم نے رَے میں دفن کر دیا۔ علامہ یزیدی جو ایک مشہور شاعر اور ہارون الرشید کا وزیر تھا بے اختیار پکار اٹھا ؎

فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا   بایضاحہ یوماً وانت فقید

"تو میں نے کہا جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنے والا کہاں سے آئے گا؟"[2]

---

[1] حدائق الحنفیہ، ص ۱۴۷
[2] اولیاء رجال الحدیث، ص ۲۹۹

حضرت امام زفر بن ہذیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ولادت ۱۱۰ھ کوفہ - وفات ۱۵۸ھ بصرہ

فقہ میں صاحبین (حضرت امام ابو یوسف و امام محمد) کے ہم مرتبہ مانے گئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے ان دس اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے کتب فقہ کی تدوین میں امام اعظم کی معاونت فرمائی آپ عربی النسل تھے[1]، والد ماجد اصفہان کے رہنے والے تھے۔ تحصیل حدیث کے بعد فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آخر عمر تک یہی شغلہ رہا۔ حضرت امام زفر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کا نکاح امام اعظم نے پڑھایا اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

هذا الامام (زفر) من ائمة المسلمين فى حسب وشرف وعلم[2]

آپ حضرت امام اعظم کے محبوب ترین اور معتمد شاگرد تھے چنانچہ حسن بن زیادہ کا بیان ہے کہ امام زفر مجلس ابو حنیفہ میں سب سے آگے بیٹھتے اور امام اعظم ہر موقع پر آپ کی مدح و ستائش اور حوصلہ افزائی فرماتے[3]۔ حسن بن زیاد سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت امام زفر اور حضرت داؤد طائی ایک ساتھ امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حدیث و فقہ کا درس لیتے، دونوں میں بھائی چارہ تھا پھر حضرت داؤد طائی علمی شغل سے تصوف کی راہ پر گامزن ہوئے جبکہ امام زفر علم و عبادت دونوں کے جامع بنے۔ حدیث و فقہ میں امامت کا درجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی بے مثال تھے۔ زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دو مرتبہ حکومت نے عہدہ قضا پر مجبور کیا مگر آپ نے دونوں مرتبہ انکار کر دیا اور وطن چھوڑ کر روپوش ہو گئے، حکومت وقت نے انتقاماً آپ کا گھر جلا دیا، چنانچہ آپ کو اپنا مکان دو مرتبہ تعمیر کرنا پڑا[4]۔

آپ اصل میں کوفہ کے باشندے تھے مگر بھائی کی میراث کے سلسلہ میں بصرہ چلے گئے۔ اہل بصرہ نے بصد اصرار یہاں ہی اقامت کا مشورہ دیا اور آپ ان کی درخواست پر یہیں مقیم ہو گئے، آپ نے ۱۵۸ھ میں خلیفہ مہدی کے عہد میں یہیں وفات پائی۔ اور یہیں مدفون ہوئے۔ اصحاب دانا[5] (۱۵۸ھ)، آپ کی تاریخ وفات ہے۔

---

[1] محمود احمد رضوی، علامہ، ذکر اخیار، مطبوعہ، ص ۶۹

[2] مناقب کردری، جلد ۲، ص ۱۸۳

[3] اولیاء رجال الحدیث، ص ۱۶۵

[4] المناقب للکردری، جلد ۲، ص ۱۸۷

[5] حدائق الحنفیہ، ص ۱۱۱

حضرت امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ، ولادت ۱۱۸ھ مرو، وفات ۱۸۱ھ سوس

سید الاولیا حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"آپ کا وجود اپنے زمانہ میں محتشمانِ قوم میں سے تھا اور شریعت و طریقت کے احوال و اقوال میں آپ کو امامِ وقت مانا گیا۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخِ عظام، صوفیا ءِ کرام کی زیارت فرمائی، ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپ کی تصانیف ہر علم و فن میں مشہور اور کرامتیں مذکور ہیں۔"[1]

عبداللہ بن مبارک نام، ابو عبدالرحمٰن کنیت، امیر المؤمنین فی الحدیث، عالم المشرق و المغرب لقب، مرو میں ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے، والدین امیر ترین تھے، انہوں نے اپنے اس ہونہار فرزند کی بڑے اہتمام سے تعلیم و تربیت کی۔[2]

سب سے پہلے حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور علم فقہ پر عبور حاصل کیا۔ آپ کے ذوقِ علمی میں یہ واقعہ بڑا مشہور ہے کہ ایک مرتبہ والدِ ماجد نے آپ کو پچاس ہزار درہم تجارت کے لئے دئے تو تمام رقم طلب حدیث میں خرچ کرکے واپس آئے۔ والد ماجد نے درہموں کی بابت دریافت فرمایا تو آپ نے جس قدر حدیث کے دفتر لکھے تھے باپ کے حضور پیش کردیئے اور عرض کیا میں نے ایسی تجارت کی ہے جس سے ہم دونوں کو دونوں جہان کا نفع حاصل ہوگا۔ والد ماجد بہت خوش ہوئے اور تیس ہزار درہم عنایت کرکے فرمایا جائیے علم حدیث و فقہ کی طلب میں خرچ کرکے اپنی تجارت کامل کرلیجئے۔[3]

بعد ازاں آپ نے اس تجارت کو نہایت فروغ دیا۔ ایک مرتبہ بزرگوں کی ایک جماعت کسی مقام پر اکٹھی ہوئی، کسی نے کہا آؤ حضرت عبداللہ بن مبارک کے کمالات شمار کریں، انہوں نے جواب دیا کہ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ علم فقہ، ادب، نحو میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، زہد و شجاعت میں لاجواب تھے، نغز گو شاعر اور ادیب تھے، شب بیداری، عبادت، حج، جہاد، شہسواری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، لایعنی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، نہایت منصف مزاج اور آشتی پسند تھے۔[4]

حضرتِ سفیان ثوری فرمایا کرتے:

لو جهدت جهدي ان اكون في السنة ثلثة ايام على ما عليه ابن المبارك لم اقدر

---

[1] ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری (۴۶۵ھ)، شیخ الطریقت، کشف المحجوب (ترجمہ اردو از ابوالحسنات سید محمد احمد قادری) مطبوعہ المعارف لاہور ۱۳۹۳ھ، ص ۲۱۶

[2] اولیاء رجال الحدیث، ص ۲۴۴ [3] حدائق الحنفیہ، ص ۱۲۳

[4] سنن خیر الانام، ص ۱۶۱

ترجمہ: "میں کتنی ہی کوشش کروں کہ سال بھر میں تین روز بھی عبداللہ بن مبارک کی طرح گزاروں تو نہیں گزار سکتا"۔ [1]

حضرت ابو اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے سارے عالم میں ابن المبارک سے بڑھ کر تحصیل علم کا شوق کسی میں نہیں دیکھا، خلوص نیت پر بہت زور دیتے تھے، آپ کے محامد و محاسن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۱۸۱ھ کے دوران میں آپ کو کہیں جہاد پر جانا پڑا، جہاد میں شرکت کے بعد نہایت فوز و کامرانی سے واپس آرہے تھے کہ بیمار ہو گئے۔ قصبہ سوس میں چند یوم کی علالت کے بعد انتقال فرمایا اور دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں ہیت میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار مرجع انام ہے۔ "حبیب مانیاں" [2] مادہ تاریخ ہے (۱۸۱ھ)

حضرت امام داؤد الطائی رضی اللہ عنہ، وفات [3]: ۱۶۵ھ

حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصر الطائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ اہلِ تصوف میں سید السادات اور بے مثل صوفی مانے گئے۔ حضرت فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم بن ادہم وغیرہما عارفان کامل کے ہم عصر تھے۔ حضرت حبیب بن سلیم اعلیٰ کے مرید خاص اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بیس سال تک امام الائمہ کی خدمت میں حاضری دی۔ علم حدیث میں اعمش، حمید الطویل، عبدالملک بن عمیر وغیرہ محدثین سے بھی استفادہ کیا اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل کی۔

حضرت امام داؤد طائی ابتداء میں تعلیم و تعلم کے بہت شیدائی تھے اور فقہ و حدیث کے نامور معلم، لیکن پھر ایک دم علمی شغل چھوڑ کر ہمہ تن عبادت میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ کوفہ میں "فقیہ زاہد" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ زہد و قناعت کا عجیب عالم تھا۔ حضرت امام ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمۃ رسالہ قشیریہ میں رقمطراز ہیں کہ آپ کو وراثت میں بیس دینار ملے جنہیں بیس سال میں خرچ کیا [4]۔ اسی طرح عطاء بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ہم جب بھی داؤد طائی کے مکان پر گئے تو ان کے ہاں سوا کوئی سامان نظر نہ آیا یعنی ایک چٹائی بچھی ہوتی، تکیے کے لئے ایک اینٹ ہوتی اور ایک جھولی (بیگ) میں خشک روٹی کے چند ٹکڑے اور ایک لوٹا موجود ہوتا۔ [5]

وصال: ایک دن ایک صالح شخص نے خواب دیکھا کہ آپ دوڑ رہے ہیں، پوچھا کیا بات ہوئی؟ جواب میں فرماتے ہیں

---

[1] سفینۃ خیر الانام، ص ۱۶۱ [2] حدائق الحنفیہ، ص ۱۲۳ [3] کشف المحجوب ص ۲۴۸، ۱۲۱

[4] ترجمہ رسالہ قشیریہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی، صدر شعبہ عربی جامعہ اسلامیہ بہاولپور، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص ۳۷۔ [5] اولیاء رجال الحدیث، ص ۱۴۹

کہ ابھی قید خانہ سے چھٹکارا پاکر آیا ہوں، وہ صالح شخص بیدار ہوا تو اسے پتہ چلا کہ حضرت امام داؤد طائی انتقال فرما چکے ہیں۔ ؎

ابونعیم نے آپ کا سن وفات ۱۶۰ھ بتایا ہے لیکن ابن اثیر کا قول ہے کہ آپ کا وصال ۱۶۵ھ میں ہوا، حدائق الحنفیہ میں زیب عالم ۱۶۵ھ مادۂ تاریخ سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفات ۱۸۷ھ، مکہ مکرمہ

حضرت ابوعلی فضیل بن عیاض خراسانی مرو کے اطراف میں رہتے تھے۔ بعض نے کہا سمرقند میں پیدا ہوئے اور ابیورد میں نشو و نما پائی۔ آپ کا نامور محدثین اور معروف اولیاء میں شمار ہوتا ہے۔ آپ اعمال و عبادات میں درجۂ کمال کو پہنچے، ارباب طریقت میں نامور صوفی مانے گئے۔ حضرت امام اعظم سے جوانی کے عالم میں تعلیم پائی اور مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوئے۔ ؎

آخر عمر میں درس حدیث بند کرکے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ بیت اللہ شریف کی مجاورت اختیار فرمائی اور حرم کعبہ میں مستقل طور پر معتکف ہو گئے۔ شب بیداری، گریہ زاری آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا۔ بدن پر دو کپڑوں کے سوا سامان دنیا نہیں رکھتے تھے۔ منجملہ فضائل و مناقب یہ بھی ہے کہ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج فرمائی۔ آپ کے خوارق عادات و کرامات سے بڑی بڑی اسناد کتابیں بھری پڑی ہیں۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں ہی محرم ۱۸۷ھ میں وصال فرمایا، امام عادل ۱۸۷ھ مادۂ تاریخ ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفات ۱۶۲ھ، روم

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابواسحاق ابراہیم بن ادہم بن منصور علیہ الرحمۃ اپنے زمانہ کے یگانہ عارف اور سید اقران گزرے ہیں۔ آپ کی بیعت حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھی۔ آپ نے بہت سے قدماء مشائخ کو دیکھا اور حضرت امام ہمام امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم کی، بعد ازاں مسند درس و تدریس کو زینت بخشی۔ آپ کے تلامذہ میں سے حضرت سفیان ثوری، حضرت شقیق بلخی، حضرت ابراہیم بشار، حضرت امام اوزاعی جیسے باکرامت محدثین و عبّاد و زہاد امت پیدا ہوئے۔

آخر عمر میں درس و تدریس سے کنارہ کش ہو کر ہمہ تن عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں غیر مسلم زمرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور سینکڑوں گنہگار مسلمان آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر مرتبۂ ولایت پر فائز ہوئے۔

؎ رسالہ قشیریہ، ص ۳۰۔ ؎ کشف المحجوب ۲۱۲، ۲۴۰۔ ؎ رسالہ قشیریہ، ص ۲۵
؎ کشف المحجوب: ص ۲۱۳، ۲۴۰

مشہور ہے کہ آپ مجاہدینِ اسلام کے لشکر میں شامل ہو کر جہاد کے لئے روم تشریف لے گئے اور بلادِ روم میں ۱۶۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔ [۱]

حضرت بشر بن الحارث الحافی (م ۲۲۷ھ)

تلامیذِ امام اعظم میں سربرِ معرفت تاجِ اہلِ معاملت حضرت بشر بن الحارث الحافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ آپ مجاہدات و ریاضات میں بھی بلند شان کے حامل تھے، اعمال و اخلاص میں حظِ تام رکھتے تھے۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کے خاص صحبت یافتہ لوگوں میں سے تھے اور اپنے ماموں حضرت علی بن خشرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید تھے۔ علم اصول و فروع میں یکتا و بے مثال تھے۔ [۲] اصل وطن مرو تھا لیکن علوم و فنون کے حصول کے لئے مستقل طور پر بغداد میں رہائش اختیار کر لی اور وہیں ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔ [۳]

حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدی بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات ۱۹۴ھ)

مایۂ زہد و تقویٰ حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقتدائے اہلِ تصوف، معززِ قوم اور عالمِ جمیع علوم شرعی و فقہی گزرے ہیں۔ [۴] امام ابو یوسف اور امام زفر کے اصحاب میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام اسرائیل بن یونس اور حضرت عباد بن کثیر سے روایت کی، مدت تک حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ کی صحبت میں رہے اور ان سے طریقت کا علم حاصل کیا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے ایک ہزار سات سو اساتذہ کی شاگردی کی۔ جب توکل کے میدان میں قدم رکھا تو اپنے تین سو گاؤں فقراء میں تقسیم کر دئے حتیٰ کہ بوقتِ وصال کفن کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ آپ سے حضرت حاتم اصم، حضرت محمد بن ابان بلخی اور ابن مردویہ نے روایت کی۔ کفار سے جہاد کرتے ہوئے مقام ختلان (ترکستان) میں ۱۹۴ھ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ "نجم اہلِ دنیا" (۱۹۴) آپ کی تاریخِ وفات ہے۔ [۵]

حضرت امام اسد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۸۸ھ یا ۱۹۰ھ)

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان چالیس اصحاب میں شامل ہیں جو کتب اور قواعد فقہ کی تدوین میں مشغول رہتے اور امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور حضرت داؤد طائی وغیرہ کی طرح اکابر میں شمار ہوتے۔ تیس سال تک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ امام ابو یوسف کے وصال کے بعد ہارون الرشید نے بغداد اور واسط کا قاضی مقرر کیا

---

[۱] اولیاء رجال الحدیث، ص ۵۰ [۲] کشف المحجوب، ص ۲۲۳، تذکرۃ الاولیاء، ص ۳۳

[۳] رسالہ قشیریہ، ص ۳۲ [۴] کشف المحجوب، ص ۳۳۴، مناقب کردری ج ۲، ص ۲۳۴

[۵] حدائق الحنفیہ، ص ۱۳۲، رسالہ قشیریہ، ص ۳۹

اور اپنی بیٹی کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا۔ کچھ مدت بعد آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے، آنکھوں سے معذور ہو جانے پر عہدۂ قضا کو چھوڑ دیا۔ آپ سے امام احمد بن حنبل، محمد بن بکار، احمد بن منیع نے حدیث روایت کی۔ ۱۸۸ھ یا ۱۹۰ھ میں فوت ہوئے۔[1]

حضرت امام وکیع بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۹۰ھ)

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو ان القابات سے متعارف کراتے ہیں۔ الامام الحافظ الثبت محدث العراق احد الائمۃ الاعلام وکیع بن الجراح، اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں سے ہیں۔ فقہ و حدیث کے امام، عابد، زاہد، اکابر تبع تابعین، حضرت امام شافعی حضرت امام احمد کے شیخ، ابوسفیان کنیت تھی، امام اعظم سے فقہ میں درجۂ تخصص حاصل کیا، کبار محدثین آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں حضرت امام احمد بن حنبل کو آپ کی شاگردی پر فخر تھا، جب ان سے حدیث روایت کرتے تو فرماتے "یہ حدیث مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی کہ تمہاری آنکھوں نے اس کا مثل نہ دیکھا ہوگا"۔[2] آپ نے ۷۰ سال کی عمر پاکر ۱۹۷ھ میں وصال فرمایا۔ کعبۂ اہل دین (۱۹۷ھ) آپ کی تاریخ وفات ہے۔

حضرت امام نقد رجال یحییٰ بن سعید القطان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حافظ ذہبی نے آپ کو الامام العلم، سید الحفاظ کے لقب سے ذکر کیا ہے۔ ابوسعید کنیت تھی حدیث کے امام، ثقہ، متین اور قدوۃ المشائخ تھے۔ امام اعظم کے حدیث و فقہ میں شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن رکین تھے آپ سے امام احمد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین وغیرہ نے روایت کی ہے۔ آپ کے درس حدیث کا وقت عصر سے مغرب تک ہوتا نماز عصر کے بعد منارۂ مسجد سے تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے اور سامنے امام احمد، ابن المدینی (شیخ اکبر امام بخاری) عمرو بن خالد اور یحییٰ بن معین کھڑے ہو کر حدیث کا درس لیتے، مغرب تک نہ وہ کسی سے بیٹھنے کے لئے فرماتے نہ ان کے رعب و عظمت کے سبب خود ان میں سے کسی کو بیٹھنے کی جرأت ہوتی۔

فن رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فن رجال پر سب سے پہلے انہوں نے لکھا پھر ان کے تلامذہ نے اور پھر ان کے تلامذہ امام بخاری و امام مسلم وغیرہ نے قلم اٹھایا۔ امام احمد کا قول ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کا مثل نہیں دیکھا۔ رواۃ کی تنقید میں اس قدر کمال تھا کہ ائمہ حدیث کا قول ہے کہ جس کو یحییٰ القطان چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔

---

[1] الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۲۱

[2] مناقب موفق، انوار الباری، حدائق الحنفیہ، ص ۱۳۲

باوجود اس فضل وکمال کے خود امام اعظم کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور اٹھتر برس کی عمر پاکر ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ [1]

حضرت امام ابوسعید یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہمدانی کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفات ۱۸۶ھ — حافظ الحدیث، فقیہ الفقہاء، مسند، متورع اور ان اکابر اہلِ علم وفضل سے تھے جنہوں نے فقہ وحدیث کو نمایاں طور پر جمع کیا۔ امام طحاوی کا قول ہے کہ وہ امام اعظم کے ان چالیس اصحاب میں سے ہیں جو تدوینِ کتبِ فقہ میں ممد ومعاون رہے اور تیس سال تک مسلسل مسائلِ مدوّنہ کو لکھتے رہے خطیب نے نقل کیا ہے کہ آپ بیس سال تک روزانہ ایک قرآنِ مجید ختم کیا کرتے تھے۔ بغداد میں ایک مدت تک درسِ حدیث دیتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت امام احمد بن حنبل، ابن معین قتیبہ، حسن بن عرفہ، ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ اکابر امت ہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا۔ حضرت امام اسماعیل بن حماد بن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ یحییٰ بن زکریا حدیث میں ایسے تھے جیسے عطر میں بسی ہوئی دلہن۔ [2] آپ نے بعمر ۶۳ سال ۱۸۶ھ میں وصال فرمایا۔

حضرت امام علی بن مسہر قرشی کوفی رضی اللہ عنہ، وفات ۱۸۹ھ — مشہور صاحب درایت و روایت، جلیل القدر محدث و فقیہ اور امام اعظم کے اصحاب وتلامذہ میں سے تھے جو حدیث وفقہ کے جامع اور شریکِ تدوینِ فقہ تھے۔ آپ سے ہی حضرت امام سفیان ثوری نے امام اعظم کا علم حاصل کیا اور ان کی کتابیں نقل کرائیں، مدت تک موصل کے قاضی رہے اصحاب صحاح ستہ کے کبار شیوخ میں سے ہیں۔ ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ [3] حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی کا بھی وصال اسی سال ہوا۔

حضرت امام حفص بن غیاث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۹۴ھ — مشہور ومعروف عالم، محدث، ثقہ، فقیہ، زاہد، عابد، امام اعظم کے ممتاز فضلاء اصحاب وشرکاء تدوین فقہ میں تھے۔ آپ امام اعظم سے مسانید امام میں بہ کثرت احادیث روایت کرتے ہیں۔

امام اعظم نے جن اصحاب کو وجہ سرور اور دافع غم فرمایا تھا یہ بھی انہی سے ہیں۔ امام اعظم سے فقہ میں بھی تخصص کا درجہ حاصل کیا

---

[1] مناقب کردری، انوار الباری، حدائق الحنفیہ، ص ۱۳۴

[2] انوار الباری، ص ۱۹۱

[3] حدائق الحنفیہ، جامع مسانید الامام الاعظم، ص ۵۰۸

آپ کے تلامذہ میں عمرو بن حفص، امام احمد، ابن معین، علی بن المدینی، ابن معتق، یحییٰ القطان وغیرہ ہیں۔ ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ آپ کوفہ میں تیرہ سال اور بغداد میں دو سال تک دار القضاء کے متولی رہے۔ ؎۱

حضرت امام حسن بن زیادہ رضی اللہ تعالیٰ، وفات ۲۰۴ھ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت ہی ذہین شاگردوں میں سے ہے علم فقہ میں انتہائی ماہر بلکہ مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بلند مرتبہ محدث بھی، قرارت کے ائمہ میں آپ کا نام بہت بلند تھا۔ طبقات قاری میں لکھا ہے کہ ابن اثیر کی کتاب مختصر غریب احادیث الکتب الستہ میں آپ کو ان علماء میں سے شمار کیا گیا ہے جو تیسری صدی کی ابتداء میں مجددین امت محمدیہ سے ہوئے ہیں۔ ۱۹۴ھ میں جب قاضی حفص بن غیاث فوت ہوئے تو کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے جس سال حضرت حسن بن مالک اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما واصل بحق ہوئے اسی سال یعنی ۲۰۴ھ میں آپنے وفات ہوئی۔ جلال علم ۲۰۴ مادہ تاریخ وفات ہے۔

حضرت امام مسعر بن کدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفات ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ حافظ الحدیث، ثقہ، فاضل، مستند اور طبقہ کبار تبع تابعین سے ہیں۔ آپنے امام ابوحنیفہ، عطاء اور قتادہ سے حدیث کو روایت کیا۔ حضرت سفیان ثوری اور حضرت سفیان بن عیینہ جو مجتہد اور امام المحدثین ہیں آپ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ آپ کی جلالت اور حفظ واتقان پر سب کو اتفاق ہے۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی۔ وفات ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے جس شخص نے خدا کے درمیان امام اعظم کو وسیلہ بنا لیا میں امید کرتا ہوں کہ وہ بے خوف ہوگیا اور اس کو اس احتیاط میں نقصان نہ ہوگا۔ ؎۲

حضرت امام ابومحمد نوح بن درّاج النخعی رضی اللہ عنہ، ۱۸۲ھ محدث، فقیہ، امام اعظم، امام زفر، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، اعمش اور سعید بن منصور کے تلمیذ ہیں۔ تدوین فقہ حنفی کے شریک کار تھے۔ ابن ماجہ نے باب التفسیر آپ سے تخریج کی۔ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے۔ فقہ میں امام اعظم سے درجہ تخصص حاصل کیا۔ جامع المسانید میں امام اعظم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کا ۱۸۲ھ میں وصال ہوا۔

ان تلامذہ کے علاوہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے ۲۷۷ اور نامور شاگرد ہیں جن کا ذکر کتب تذکرہ میں موجود ہے ہم نے ان کے نام طوالت کے خوف سے حذف کر دئے ہیں، جس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

؎۱ حدائق الحنفیہ، انوار الباری، ص ۲۰۷

؎۲ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۲۶، و مناقب کردری، ج ۲، ص ۲۱۱

؎۳ حدائق الحنفیہ، ص ۱۰۸

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقائد

بشیر حسین ناظم ایم۔اے

یہ بات بڑی قابلِ افسوس ہے کہ آجتک عقائد کی جتنی کتابیں منصۂ شہود پر آئی ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس بات کو سمجھ نہیں بنایا گیا کہ عقیدہ کیا ہوتا ہے اور عقیدہ کی افادیت و ضرورت کیا ہے ؟ عقائد کی جو کتاب بھی دیکھنے میں آتی ہے اس کا آغاز بس کچھ ایسا ہی ہے ، عقیدہ نمبر۱ ، عقیدہ نمبر۲ ، عقیدہ نمبر۳ وغیرہ وغیرہ۔ حیرانی کی بات ہے کہ لفظ عقیدہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف و صراحت کسی کتاب میں موجود نہیں ، اس لئے میں اس بات کو ضروری سمجھتا ہوں کہ حضور سیدنا ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے چیدہ چیدہ عقائد بیان کرنے سے پہلے چند الفاظ میں عقیدہ کی مختصر تشریح کردوں۔

"عقیدہ" عربی لفظ ہے جس کا مادہ "عقد" ہے ، اردو میں اس کا معنی "گرہ لگانے" کا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب شتبان یا مالکان بھیڑ بکریوں کو معالجت پر ساتھ ساتھ باندھتے تھے تو ان کی گردنوں میں رسی کی ایک ایک گرہ لگاتے تھے اور اس طرح ایک لمبی رسی سے تقریباً سو سو بکری کو باندھ دیا جاتا تھا ، وہ لوگ اس عمل کو عقد کہا کرتے تھے۔

ہمارے ہاں "عقد" بیاہ یا نکاح کے معنوں میں عام مستعمل ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں لڑکے کا فلاں لڑکی سے عقد ہو گیا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ لڑکے لڑکی کو ایک دوسرے سے شرعی قواعد و ضوابط کی رو سے منعقد کر دیا گیا ہے اور اب وہ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے پابند ہیں اور یہ پابندی ایسی پابندی ہے کہ جس کے توسل سے ان کی زندگی معاشی و معاشرتی لحاظ سے باضابطہ اور باعظمت ہو گئی ہے۔

جب دینِ اسلام جلوہ گر ہوا تو اس نے ایسے کئی الفاظ کو معنوی و اصطلاحی لحاظ سے اختیار کر لیا ، عقد ، عارف ، صلوٰۃ وغیرہ ایسے سینکڑوں الفاظ مسلمان بنا دیئے گئے۔ چنانچہ شریعت و فقہ اسلامی میں عقیدہ ایسے طریقہ و عزم کو کہا جانے لگا جس سے انسان متدین بن کر دین و اخلاق اور سیاسیات میں پختگی حاصل کرتا ہے۔ عقیدہ حقیقتاً ایک ایسی نعمتِ عظمیٰ ہے جس سے انسان میں راسخیت ، استحکام ، پختگی طبع ، صائبیت رائے ، نظم و ضبط ایسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ بدعقیدہ انسان ایسی نعمتوں سے محروم ہوتا ہے وہ "یکے گیر محکم گیر" کی چاشنی سے لطف نہیں اٹھا سکتا ، اسے ہر وقت ذہنی کشمکش اور طبعی تذبذب میں مبتلا رہنا پڑتا ہے۔ انسان کا پختہ عقیدہ اسے بہائم و انعام کی طرح ضال و گمراہ نہیں ہونے دیتا بلکہ اسے ضلالت و گمراہی سے بچا کر زندگی کے ایک ایسے منہاج پر لے جاتا ہے جس پر چل کر اس کے دین و دنیا اور برزخ و عقبیٰ سنور جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمۂ دین نے بالخصوص حضور سیدنا و مولانا

وارثِ علومِ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور حجۃ الاسلام ابو محمد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فنِ عقائد پر خاص توجہ فرمائی۔ اس بات کا ثبوت ان لوگوں کی بیسیوں عربی کتابیں ہیں جو ان بزرگوں کی ملتِ اسلامیہ پر مہربانیوں کے نقوش سرمدی کا رہی ہیں۔ کیونکہ ان بزرگوں نے عقائد کے رنگ میں دینِ مصطفوی کے اجزاء و اصول پیش کئے ہیں لہذا عقائد کی حیثیت بعینہ وہی ہے جو خود دین کی حیثیت ہے اور اسی طرح ان کی ضرورت بجنسہ وہی ہے جو خود دین کی ضرورت ہے۔

آج کے اس پُرفتن اور فسق و فجور سے مملو دَور میں کہول و جوان مسلمان عقائد سے بالکل تو نہیں تو سو فیصدی ضرور عاری ہیں یہی وجہ ہے کہ انہیں کسی دوسرے مذہب کا معمولی پڑھا لکھا انسان اپنے دامِ تزویر میں پھانس کر دینِ حق سے بدظن کر دیتا ہے اور وہ اپنے دینِ حق کے حقائق و عقائد سے نابلد ہونے کی وجہ سے اسلام پر نکتہ چینی شروع کر دیتا ہے۔

اندریں حالات اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ قارئین کو حضرت سراج الامہ، فقیہِ اعظم و اعلم، محدثِ محتشم، مفسرِ مکرم حضور سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے متبعین کی تعداد دنیا میں تقریباً ۶۵ کروڑ کے قریب ہے اور جنہیں اپنے اور بیگانوں نے قیامت تک کے فقیہوں کا سرتاج و سرخیل تسلیم کیا ہے، کے عقائد سے آشنا کیا جائے تاکہ ان میں حلاوتِ ایمانی کے ساتھ ساتھ زیادتِ ایقان پیدا ہو اور وہ دیگر مذاہب کے گمراہ کن پراپیگنڈہ کے شکار نہ ہوں۔

عقیدہ نمبر ۱ اصل توحید اور صحتِ اعتقاد یہ ہے کہ انسان اللہ[1] جل شانہ، اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے اور ساتھ ہی موت کے بعد بعثت اور قدرِ خیر و شر پر بھی ایمان ضروری ہے۔

---

[1] عالم سے سوا، عالم کا واحد خالق و مالک اور اعلیٰ و برتر "وجودِ واجب" (NECESSARY BEING) ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی وسیلہ کے ہے اور اسی طرح ہمیشہ رہے گا۔ اسی اعلیٰ وجود کا نام اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجرد ہے یعنی وہ ذاتِ اقدس تمام تیور جسم و جہت و زمان و مکان سے پاک اور تمام عوارض یعنی وصل و فصل، قرب و بُعد اور داخلیت و خارجیت سے الگ ہے۔ وجوبِ وجود، استحقاقِ عبادت، خالقیت باختیارِ خود، کائنات کی جزئی و کلی تدبیر اسی کی ذات سے مختص ہے۔

حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ ہیں، وہ ان سب سے ازلاً متصف ہے، باقی اوصافِ فعلیہ، نفسیہ اور سلبیہ اضافیہ ہیں۔ وہ کائنات کو وجود کی نعمت عطا کرنے سے پہلے ایسا ہی کامل تھا جیسا اب ہے۔ امراض کی شفاء، عطائے رزق، ازالۂ تکالیف و مصائب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اطباء و حکمران اور دیگر اسبابِ ظاہریہ و باطنیہ جیسے دعا و ہمت اولیاء و انبیاء بعطائے الٰہی بطور تسبب امورِ مذکورہ کے منسوب الیہ ہوتے ہیں۔

جوہر، عرض، جسم، مکان، جہت، حرکت، انتقال، تبدیلِ ذاتی و صفاتی، جہل، کذب ممکنات سے ہیں، ذاتِ حق پر محال

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بالذات ہیں۔ وہ بے نیاز ہے، کسی کا اس پر حق نہیں۔ ہے مگر جو اپنے فضل و کرم سے وعدہ فرمائے وہ ضرور پورا فرماتا ہے۔ تمام خیر و شر خالقِ کل جل جلالہ کے ارادہ، خلق و تقدیر سے ہے، جو ازل سے مقرر ہو چکا ہے وہی ظاہر ہوتا ہے لیکن راضی صرف خیر پہ ہے تقدیر سے بندہ مجبور نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نیکی اور بدی کا راستہ بتا کر اپنے اپنے افعال میں ایک گونہ اختیار دیا ہے جس کے سبب انسان اور شجر و حجر میں فرق واضح ہے جسے اصطلاحاً "کسب" کہتے ہیں، اسی کسب کے سبب انسان جزا و سزا کا مورد ہے۔

۲۔ فرشتے : مادی ہیں اور جسم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مخلوق جسمانی لحاظ سے اس قدر لطیف ہے کہ انسانی نگاہ اس کی دید سے عاری ہے گویا وہ لطیف چیز ہیں یعنی روح ہیں اور روح اتنی قوی ہیں کہ اپنے تصرف سے ہر جسمانی پوشاک زیبِ تن کر سکتے ہیں اور عام اجسام میں ہر مقام میں اور ہر رنگ میں نمودار ہو سکتے ہیں۔ فرشتے معصوم محض اور خیر محض ہوتے ہیں، ان میں معصیت نام کو بھی نہیں ہوتی، ان میں نر و مادہ کی تقسیم نہیں، بدیں وجہ توالد و تناسل سے پاک ہیں، یہ عالمِ علوی کی ایک اہم ترین مخلوق ہیں، ان کے ذمے عالمِ سفلی کا انتظام ہے۔ یوں تو فرشتے بے شمار ہیں لیکن ان کی اصولی قسمیں دو ہیں :

(۱) ملائکۂ تربیت ، (۲) ملائکۂ ہلاکت

ان دو اقسام کے دو دو سر گروہ ہیں۔ ملائکۂ تربیت کے نام حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، اور ملائکۂ ہلاکت کے نام حضرت اسرافیل علیہ السلام اور حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام جزوی ہلاکت کے کارکن ہیں اور اسرافیل علیہ السلام ہلاکتِ کلی کے کارکن ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام تمام فرشتوں سے افضل اور جامع الحیثیات ہیں، آپ کے ذمے انسانوں کی روحانی تربیت ہے، اس حیثیت سے جبرائیل کے دو اور نام بھی ہیں یعنی روح الامین اور روح القدس۔

۳۔ کتابیں : معتمد کتابیں پانچ ہیں صحیفۂ ابراہیمی، توراۃ، زبور، انجیل، قرآن۔ ان میں سے صحیفۂ ابراہیمی مستقل صورت میں گم ہے البتہ ضمنی صورت میں قرآن میں موجود ہے، توراۃ، انجیل، زبور مستقل صورت میں تو موجود ہیں لیکن ان کو تحریف و نسخ کی دو ایسی حالتوں کے ساتھ سابقہ پڑا کہ عملاً یہ بھی گم ہو چکی ہیں، ان کے بعد دنیا میں صرف ایک کتاب رہ جاتی ہے جو کامل اور مکمل صورت میں موجود ہے، یہ قرآن حکیم ہے۔ قرآن پر ایمان اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر، قرآن کے ایک شوشے کا انکار کفر ہے، اسی طرح تحریف لفظی ہو یا معنوی کفر ہے۔

۴۔ رُسُل علیہم السلام : تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے کچھ خاص انسان، اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب اور مامور ہوتے ہیں جن کو علم و تائیدِ الٰہی سے قوتِ خاص عطا کی جاتی ہے۔ یہ لوگ زبانِ خاص میں نبی کہلاتے ہیں، ان کی اپنی ذات میں دو حیثیتیں ہوتی ہیں

(۱) بشری ، (۲) ملکی

بشری حیثیت سے ان میں ایک بشر کی خاصیتیں ہوتی ہیں لیکن ملکی حیثیت کے اعتبار سے وہ پورے فرشتہ ہوتے ہیں، انہیں فرشتوں کے تمام قوی و خواص حاصل ہوتے ہیں اور اسی جامعیت کے باعث وہ انسانوں کے درمیان، خدا اور انسان کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے، جو لاہوت، ملکوت اور ناسوت کو ایک نقطہ پر جمع کر دیتی ہے۔ نبی منصب ہدایت پر مامور ہوتے ہیں، دعوت و تبلیغ ان کے ناگزیر فرائض ہوتے ہیں، ان کی پیروی بعینہٖ خدا کی پیروی ہے، اسی باعث نبی کی پیروی نجات کا وسیلہ ہوتی ہے، نبی کے تین درجے ہوتے ہیں :

(۱) نبی محض (۲) رسول (۳) رسولِ اولوالعزم

سب سے بڑا درجہ رسولِ ذوالعزم کا ہے، سب سے چھوٹا درجہ نبی محض کا ہے اور درمیانی درجہ رسول کا ہے۔ نبی محض صاحبِ وحی ہوتا ہے مگر صاحبِ شریعت نہیں ہوتا، رسول صاحبِ شریعت ہوتا ہے لیکن صاحبِ اعمالِ عظیمہ نہیں ہوتا۔ رسول ذوالعزم شریعت کے ساتھ ساتھ اعمالِ عظیمہ کا بھی مالک ہوتا ہے۔

عقیدہ نمبر۲ | حساب، میزان، جنت اور دوزخ سب حق ہیں، اللہ تعالیٰ بطریق عدد واحد نہیں بلکہ اس طریق سے کہ لاشریک ہے، اسے کسی نے جنا ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے، اس کا کوئی ساجھی اور ہمسر نہیں، اس کی مخلوق سے کوئی شے اس کے مشابہ نہیں، وہ اپنے اسماء صفات، ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ لم یزل و لایزال ہے، اس کی صفات ازل میں غیر محدث اور غیر مخلوق ہیں، جو بھی انہیں محدث اور مخلوق کہے یا کسی قسم کے شک میں پڑ جائے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا منکر ہے۔

عقیدہ نمبر۳ | قرآن، اللہ تعالیٰ کا کلام مقدس ہے جو مصاحف میں مکتوب ہے، دلوں میں محفوظ ہے اور زبانیں اس کی تلاوت کرتی ہیں۔ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ہمارے لفظ، ہماری کتابت اور ہماری قراءت

---

[1] معتزلہ جن کا سرغنہ واصل بن عطاء تھا، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حساب اور میزان محض خیالی چیزیں ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، انہیں عقائد کو سرسید نے اپنایا اور اپنے دلی نعمتوں کی استخفاف کے لئے جنت، دوزخ، حساب و میزان کے انکار کے علاوہ جن ملائکہ اور معجزات کا بھی انکار کر دیا ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ

سب مخلوق ہیں لیکن کلام پاک مخلوق نہیں[1]۔

عقیدہ نمبر ۴ تمام انبیاء علیہم السلام صغیرہ وکبیرہ گناہوں اور کفر وقبائح سے پاک ومنزہ ہیں لیکن ان سے زلّات اور خطائیں ممکن الظہور ہیں۔ زلّات کی مثال یہ ہے کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے شجرۂ ممنوعہ سے کچھ کھا لیا تھا، اور خطا یا کی مثال یہ ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی قوم میں سے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا حالانکہ آپ کا مقصد یہ نہیں تھا آپ تو صرف اس سے ایک شخص کو بچانا چاہتے تھے۔

عقیدہ نمبر ۵ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے حبیب، بندے، رسول، صفی اور نبی ہیں۔ آپ نے کبھی بھی بت پرستی نہیں کی اور نہ ہی کبھی اللہ تعالےٰ سے ایک لمحہ کے لئے شرک ہی کیا ہے۔ آپ سے کبھی بھی کوئی صغیرہ و کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا۔

عقیدہ نمبر ۶ انبیاء علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سے افضل ترین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ اس کے بعد حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں (حنفی حضرات جو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں وہ حضرت سیدنا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کو اپنائیں اور اس پر کاربند ہوں) ہمیں چاہئے کہ ہم حضور علیہ السلام کے تمام صحابہ کو کلمۂ خیر سے ہی یاد کریں اور کسی مسلمان کو چند گناہوں کے باعث کافر قرار نہ دیں اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں، ہمیں چاہئے کہ ایسے مسلمانوں کو ایمان سے خارج نہ کریں بلکہ اسے حقیقی مسلمان ہی کے نام سے یاد کریں[2]۔

عقیدہ نمبر ۷ چرمی موزوں پر مسح سنتِ رسول ہے۔ رمضان المبارک میں تراویح سنت ہیں، نماز ہر مسلمان خواہ نیک ہو یا فاجر، کے پیچھے جائز ہے[3]۔ اس ضمن میں ہم یہ نہیں کہتے کہ مومن کو گناہ ضرر نہیں پہنچاتے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ

---

[1] خلقِ قرآن کا جھگڑا قاضی احمد بن ابی داؤد معتزلی نے مامون الرشید کے عہد میں کھڑا کیا تھا، اس فتنہ میں بہت سے اہل اللہ اور فقہائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سخت اذیتیں دی گئیں لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ ہوئی حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کو اس عقیدہ کی نفی کرنے کی پاداش میں دُرّے مارے گئے اور بہت ستا دیا، اللہ حاسدوں کے شر کے خوف سے بغداد چھوڑ کر چلے گئے۔ قاضی احمد بن ابی داؤد کو قدرت نے اس عقیدے کی بنا پر عبرت ناک موت دی۔

[2] بعض خوارج کا عقیدہ ہے کہ جب انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، کبیرہ ہو خواہ صغیرہ۔ تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

[3] نماز فاسق وفاجر کے پیچھے جائز ہے لیکن بدعقیدہ کے پیچھے جائز نہیں خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔

وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

عقیدہ نمبر ۸ ہم مرجیہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور ہماری برائیاں مغفور ہیں۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ جو شخص بجمیع شرائط عیوبِ فاسدہ سے خالی ہو، نیک عمل کرے اور کفر، بدعت اور اخلاقِ ذمیمہ سے خلط ملط نہ ہونے دے یہاں تک وہ دنیا کو ایک مومن کی حیثیت سے چھوڑ دے تو بلاشک و ریب اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ انہیں اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے گا اور عامل کو ثواب ملے گا۔

عقیدہ نمبر ۹ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات حق ہیں اور اس قسم کی باتیں جو ان کے دشمنوں سے مثلاً ابلیس یا فرعون یا دجال سے واقع ہو جاتی ہیں یا ہونیوالی ہیں انہیں ہم علامات و کرامات کا نام نہیں دیں گے بلکہ انہیں ان کی قضاء حاجات کہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کی حاجات کو بھی پورا کر دیتا ہے۔ ایسی چیزوں کو استدراج کہتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۰ شفاعتِ انبیاء علیہم السلام حق ہے اور نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت گناہ گار مسلمانوں اور تمام اہلِ کبائر جو سزا کے مستحق ہیں، کے لئے حق ہے اور ثابت ہے۔ [1]

عقیدہ نمبر ۱۱ قیامت کے روز میزان میں اعمال کا تولا جانا بھی برحق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوضِ کوثر بھی برحق ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۲ قبر میں ہونے والے منکر و نکیر کے سوالات بھی برحق ہیں، پھر اس وقت قبر میں روح کا عود کر آنا بھی سچا ہے، فشارِ قبر بھی برحق ہے۔ عذابِ قبر بھی برحق ہے، یہ عذاب تمام کفار پر مسلط ہوگا لیکن او بعض گنہگار مسلمانوں کے لئے بھی مسلم ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۳ حضرت قاسم، حضرت طاہر اور حضرت ابراہیم، سلام اللہ تعالیٰ علیہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے تھے اور حضرت سیدہ فاطمہ، سیدہ رقیہ، سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہن سب حضور علیہ السلام کی بیٹیاں ہیں۔

---

[1] اس ضمن میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان جو حقیقتاً تفویۃ الایمان ہے۔ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ اولیاء اور انبیاء تو در کنار، حضور سید عالم و عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بھی قائل نہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

عقیدہ نمبر ۱۴ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمانی معراج کا واقعہ حق ہے۔ جو شخص اس سے انکار کرے وہ بدعتی اور راہ راست سے دور ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۵ خروج دجال، یاجوج و ماجوج، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونا، جمیع علامات قیامت ہیں جو احادیث صحیحہ سے وارد ہیں۔ ان میں کوئی شک و ریب نہیں یہ سب واقعات ہو کر رہیں گے۔

لہ دیکھئے خروج دجال کے ضمن میں حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا عقیدہ کتنا واضح بلکہ اوضح ہے، وہ فرماتے ہیں کہ خروجِ دجال حق ہے لیکن آج کے نیچری، پرویزی اور مودودی، اول تو اس عقیدہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ حوالہ کے لئے دیکھئے رسائل و مسائل حصہ اول ص ۴۶، بعنوان " قرآن و حدیث اور سائنٹیفک حقائق " مودودی صاحب فرماتے ہیں :

" یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں "

پھر صفحہ ۴۹ پر بعنوان "تحقیق دجال" لکھتے ہیں :

" حضورؐ کو اپنے زمانے میں اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے آپ کے بعد کسی قریبی زمانے میں ظاہر ہو لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں ابھی تک دجال نہیں آیا " (استغفر اللہ)

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے مذہب امام اعظم کی تقلید سے انحراف کو "حرام" قرار دیا!

فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند و بلاد ما وراء النهر، ولیس هناك عالم شافعی ولا مالكی ولا حنبلی ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد بمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه لان حینئذ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدی مهملا (الانصاف ص ۷۰، ۷۱)

(ترجمہ) جب ایک عامی انسان علاقہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں رہنے والا ہو جہاں کوئی عالم شافعی اور مالکی اور حنبلی اور ان کی کتب مذہبیہ میسر نہ آسکتی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ صرف امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تقلید کرے اور ان کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لئے حرام ہے کیونکہ وہ اس وقت شریعت کی رسی ہی اپنی گردن سے اتار کر بالکل بیکار رہ جائے گا۔"

جناب میاں محمد الدین کلیم صاحب

برصغیر پاک و ہند میں حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

اولادِ امجاد

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جہاں حضرت امام ہمام سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات کو علم، درس و ہدایت کا مرکز اور علوم فقہ کا منبع و مصدر بنایا وہاں آپ کی متدین، متشرع، متقی اور عالم و عامل اولاد کو بھی اقصائے عالم میں پھیلایا تا کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد کے علوم کے سرچشموں سے دنیا کے ہر گوشے میں آباد انسان سیراب ہوں۔ زیر نظر مضمون میں جناب محمد الدین صاحب کلیم نے نہایت عرق ریزی اور تحقیق سے ان بزرگان دین کا تذکرہ کیا ہے جن کا حسب و نسب حضرت سیدنا ابوحنیفہ سے ملتا ہے اور انہوں نے برصغیر پاک و ہند میں خدا و رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت و اشاعت میں کارہائے نمایاں ادا کئے۔ برصغیر پاک و ہند میں ان قدسی حضرات کی خاصی تعداد موجود تھی اور ہے مگر یہاں تبرکاً و تیمناً چند مشاہیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ شیخ جمال الدین ہانسوی چشتی رحمۃ اللہ علیہ

مصنف تذکرہ علمائے ہند آپ کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی اولاد سے کہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ آپ خطیب تھے۔ سلسلہ نسب آپ کا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے۔ صاحبِ خزینۃ الاصفیاء "ونسبِ شریف وے بہ چند واسطہ بہ ابوحنیفہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ میرسد۔" آپ بڑے جید عالم اور سحر البیان خطیب تھے۔ سیر الاولیاء میں امیر خورد کرمانی نے آپ کی بہت تعریف کی ہے۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں " او جامعِ کمالاتِ ظاہر و باطن بود و شیخ فریدالدین دوازدہ سال بہ محبتِ او در ہانسی بود۔"

شیخ جمال الدین خطیب ہانسوی سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت فریدالدین گنجشکر مسعود علیہ الرحمۃ کے خلیفہ و مرید تھے۔ ان سے سلسلۂ جمالیہ جاری ہوا۔ کچھ عرصہ بعد سلسلۂ نظامیہ میں مدغم ہو گیا۔ حضرت بابا صاحب کو آپ سے بہت محبت تھی اور اس کے پیشِ نظر آپ گیارہ سال تک ہانسی میں رہے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ "جمال! میں چاہتا ہوں کہ تمہارے گرد طواف کروں۔" صاحبِ اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ حضرت بابا صاحب جس کسی کو نعمتِ خلافت سے

نوازتے تو پہلے خلافت نامہ آپ کی خدمت میں بھیجتے، اگر آپ قبول فرمالیتے تو اس کی خلافت درست ہوتی ورنہ آپ رد کر دیتے۔ تو پھر حضرت شیخ بھی قبول نہ فرماتے اور فرماتے " پارہ کردۂ جمال را فرید نتواں دوخت "۔

آپ کے بعض رسائل و اشعار ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک رسالہ "ملہمات" عربی زبان میں ہے جس میں متفرق اقوال جمع ہیں، آپ شاعر بھی تھے اور ان کا ضخیم فارسی دیوان زیورِ طبع سے مزین ہو چکا ہے۔

آپ نے ۶۵۹ھ مطابق ۱۲۶۰ء میں بمقام ہانسی بعہد سلطان ناصر الدین محمود وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے فرزند رشید شیخ برہان الدین صوفی بھی حضرت بابا صاحب کے مرید و خلیفہ تھے انہوں نے آپ کو خلافت، مصلیٰ اور عصا بھی مرحمت فرمائے تھے اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کو آپ کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان کی تربیت میں کوشاں رہنا۔

۲۔ حضرت شیخ منتخب الدین چشتی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت جمال الدین ہانسوی کے خواہرزادہ تھے اور "زری زربخش" کے لقب سے معروف ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں حضرت بابا فرید الدین گنجشکر کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے حضرت بابا صاحب اور حضرت سید نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی سے بھی فیوض و برکات حاصل کیے حضرت بابا صاحب نے ایک غیبی اشارہ سے آپ کو دیوگر (دولت آباد) دکن جانے کا ارشاد فرمایا تھا اس وقت وہاں ہنود کا غلبہ و استیلا رتھا چنانچہ آپ کی حد سے زیادہ مخالفت ہوئی لیکن آپ ہمت و استقلال سے اپنے مشن کی تکمیل میں لگے رہے۔

مشہور ہے کہ آپ کے وصال کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی نے آپ کے بھائی شیخ برہان الدین غریب کو ان کی جگہ دولت آباد بھیجا۔ یہ بات درست ہو یا نہ ہو بہر حال یہ ایک امرِ واقعہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھائی شیخ برہان الدین غریب وہاں گئے جس کی تصدیق و توثیق ان کے مقابر سے ہوتی ہے۔

آپ کا مرقدِ منور دیوگری (دکن) میں ہے جسے خلد آباد بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا وصال ۷۰۹ھ مطابق ۱۳۰۹ء میں بعہد علاء الدین خلجی ہوا۔ معارج الولایت اور خزینۃ الاصفیاء کے مطابق آپ کا وصال ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء میں ہوا۔ خلد آباد میں ان دونوں مقابر کے علاوہ اورنگ زیب عالمگیر، نظام الملک آصف جاہ، امیر حسن دہلوی، میر غلام علی آزاد بلگرامی کے مزارات بھی موجود ہیں۔

۳۔ شیخ بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ ایک مشہور مجذوب ولی تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری اپنی تالیف حدیقۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ آپ اکابر اولیائے

چشت میں سے ہیں۔ شجرۂ نسب امام اعظم کوفی سے ملتا ہے۔ صاحبِ خزینۃ الاصفیاء سیر الاقطاب کے حوالے سے لکھتے ہیں "شیخ شرف الدین بو علی از اولادِ امجاد امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ است۔"

آپ کا اسمِ گرامی شیخ شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے : شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابو بکر غازی بن فارس بن عبد الرحمن بن عبد الرحیم بن محمد بن   بن امام اعظم ابو حنیفہ کوفی ۔

ایک روایت کے مطابق آپ حضرت جمال الدین ہانسوی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ کے والد گرامی ۶۰۰ھ مطابق ۱۲۰۳ء میں بعہد شہاب الدین محمد غوری عراق سے ہندوستان آئے۔ ان کی پہلی شادی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی صاحبزادی سے ہوئی لیکن وہ لاولد رہیں۔ دوسری شادی سید نعمت اللہ ہمدانی کی ہمشیرہ بی بی حافظ جمال سے ہوئی جن سے آپ پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش ۶۰۵ھ مطابق ۱۲۰۸ء عہد قطب الدین ایبک میں پانی پت میں ہوئی۔ اوائل عمر میں ہی تمام علوم و فنون پر حاوی ہو گئے اور بیس برس تک قطب مینار دہلی کے قریب درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد تصوف کے میدان میں آئے تو مجاہدات و ریاضات میں بے مثل ہو گئے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی تالیف اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حلقۂ ارادت میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ حضرت سید نظام الدین اولیاء دہلوی سے عقیدت رکھتے تھے اور ان ہی سے خلافت پائی۔

آپ پر سکر اور مستی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کی مونچھوں کے بال بہت بڑھ گئے، کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ آپ سے ان کے کٹوانے کی فرمائش کرے مگر مولانا ضیاء الدین سنامی قینچی لے کر گئے اور مونچھوں کے بڑھے ہوئے بال کاٹ دیئے۔ چونکہ مولانا ضیاء الدین اسوۂ حسنہ کا کامل و اکمل نمونہ تھے اس لئے آپ ان کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ آپ کے معاصرین میں سے حضرت شمس الدین ترک پانی پتی، مولانا ضیاء الدین سنامی، کبیر الاولیاء حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ سلطان جلال الدین خلجی آپ کا بے حد عقیدت مند تھا۔

پروفیسر آرنلڈ کہتا ہے کہ پانی پت اور اس کے مضافات کے مسلمان راجپوت آپ کی ہی بدولت مشرف بہ اسلام ہوئے۔

وصال ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ مطابق ۱۳۲۴ء بعہد محمد تغلق پانی پت میں ہوا جہاں آپ کا مقبرہ آج تک

مرجعِ عوام و خواص ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے حکم نامہ شرف الدین ، مکتوبات بنام اختیار الدین ، مثنوی کنز الاسرار رسالہ عشقیہ اور دیوان بو علی قلندر شہرت یاب ہیں۔

۴۔ شیخ برہان الدین غریب خلد آبادی علیہ الرحمۃ

آپ کا شجرۂ نسب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ تک اس طرح پہنچتا ہے :۔ شیخ برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود بن ناصر ہانسوی بن سلطان مظفر بن سلطان ابراہیم بن شیخ ابو بکر بن شیخ عبد اللہ بن شیخ عبد الرشید بن شیخ عبد الصمد بن شیخ عبد السلام بن امام اعظم ابو حنیفہ۔

آپ ہانسی میں ۶۵۴ھ مطابق ۱۲۵۶ء میں بعہد ناصر الدین محمود پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد مکرم کی زیرِ نگرانی حاصل کی حضرت جمال الدین ہانسوی آپ کے ماموں تھے ، قطب الدین منور ماموں زاد بھائی تفسیر، حدیث ، فقہ ، معانی میں مہارت تامہ حاصل کر لی اور ایک متبحر اور جید عالم بن گئے۔ حضرت محبوب الٰہی آپ کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کو بھی اپنے مرشد سے بے پناہ عشق و محبت تھی مرشد کے وصال کے بعد آپ نے کبھی بھی غیاث پور کی طرف پشت نہیں کی۔ جب شیخ منتخب الدین کا وصال ہوگیا تو حضرت محبوب الٰہی نے آپ کو تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے دکن بھیجا۔ جاتے وقت آپ کے ساتھ تقریباً سات سو بزرگ تھے جن میں امیر حسن سجزی، شیخ کمال الدین خجندی، شیخ حمام اور شیخ فخر الدین بھی تھے۔

آپ نے سلسلۂ چشتیہ میں حضرت سید نظام الدین اولیاء دہلوی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپ کے خلیفۂ مجاز بنے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ صاحب ذوق و شوق تھے ، سماع میں بہت غلو کرتے تھے۔ صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتا ہے کہ آپ کی تبلیغ سے سینکڑوں اشخاص مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت بھی کی تھی۔

جن حضرات نے آپ سے فیض حاصل کیا ان میں سے چند ایک یہ ہیں :۔

۱۔ حضرت سید زین الدین ، شیراز سے دہلی آئے اور وہاں سے دولت آباد چلے گئے۔ شیخ سے بیعت کی اور ان کے ہی ہو کر رہ گئے۔ اصل نام سید داؤد حسین تھا مگر مرشد نے زین الدین کے لقب سے نوازا تھا۔

۲۔ حضرت رکن الدین کاشانی۔ ۳۔ حضرت حماد الدین کاشانی۔ ۴۔ حضرت مجد الدین کاشانی۔ ۵۔ حضرت فخر الدین دولت آبادی۔ ۶۔ شیخ برہان الدین بھی آپ کی نظر کیمیا گر سے اعلیٰ مدارج کو پہنچے۔ آپ کے خلیفۂ اعظم شیخ زین الدین کے ہاتھ پر علاء الدین حسین شاہ نے بیعت کی تھی خیر المجالس ملفوظات حضرت سلطان نصیر الدین چراغ

دہلوی میں لکھا ہے کہ حضرت چراغ دہلوی حضرت برہان الدین غریب کی روح مطہر کو ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکوا کر لوگوں کی دعوت کرتے تھے سلطان نصیرالدین فاروقی نے آپ کے نام سے دریائے تاپتی کے کنارے ایک شہر بنام برہان پور آباد کیا۔ سلاطین دکن کے علاوہ سلطان محمد تغلق کو بھی آپ سے عقیدت و ارادت تھی۔

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ جب میں اودھ سے دہلی آتا تو آپ میری دعوت کیا کرتے جس میں امیر خسرو اور امیر حسن سجزی شامل ہوا کرتے تھے اور میں اکثر شیخ برہان الدین غریب کے گھر میں قیام کرتا اس کی تصدیق امیر حسن علاء الدین سجزی نے اپنی تالیف فوائد الفواد میں بھی کی ہے۔

وصال دیوگری (دکن) میں صفر ۷۳۸ھ مطابق ۱۳۳۷ء بعہد سلطان محمد تغلق میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ دیوگری کو خلدآباد کہا جاتا ہے۔ شہزادہ دارا شکوہ قادری نے آپ کے مرقدِ منور پر حاضری دی تھی۔ آپ کے ملفوظات میں ۱۔ حصول الوصول مرتبہ خواجہ حماد الدین کاشانی، ۲۔ ہدایت القلوب مرتبہ شیخ حسین اور ۳۔ انفاس الانفاس مرتبہ خواجہ رکن الدین بن حماد الدین کاشانی بہت مشہور ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ برہان الدین غریب کے مزید حالات سیر الاولیا، مصنفہ امیر خرد، مرأۃ الاسرار (قلمی نسخہ) مصنفہ عبدالرحمن چشتی، معارج الولایت (قلمی) مصنفہ غلام معین الدین میں بھی ملتے ہیں۔

۵۔ شیخ قطب الدین منوّر چشتی علیہ الرحمۃ

مصنف اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ شیخ برہان الدین صوفی بن شیخ جمال الدین ہانسوی کے فرزند رشید تھے۔ جامع کمالات اور مظہر کرامات تھے تکلف سے بالکل بیگانہ تھے۔ تمام عمر کبھی اپنی خواہش سے حجرے سے باہر قدم نہ رکھا اور امراء کے دروازے پر نہ گئے اور تمام زندگی توکل و قناعت میں بسر کی۔ آپ ۶۸۲ھ مطابق ۱۲۸۳ء بعہد غیاث الدین بلبن، ہانسی میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر علوم متداولہ کی تکمیل کی اور تصوف و ارشاد کی دولت کے حصول کے لئے حضرت نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی سے بیعت ہوئے اور خلافت کی نعمت پائی۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی اور آپ کو ایک ہی دن خلافت عطا ہوئی تھی۔

سلطان محمد تغلق آپ کا بہت عقیدت مند تھا، ایک دفعہ اس نے چند گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کی معرفت بھیجا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ پھر ایک اور موقع پر سلطان خود پانی پت میں آپ کی خانقاہ میں گیا اور جب آپ نہ مل سکے تو آپ کو دہلی آنے کی دعوت دی۔ آپ تشریف لے گئے۔ مصنف اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ جب سلطان نے شیخ کو دیکھا تو جسم میں ارتعاش پیدا ہو گیا تاہم پوری تعظیم سے پیش آیا اور معانقہ کیا۔

اس کے بعد سلطان نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کے ہاتھ ایک لاکھ ٹنکہ بھیجا تاکہ اس سے خانقاہ کا خرچ چلے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

جس زمانے میں سلطان فیروز شاہ تغلق ٹھٹھہ سے واپس آرہا تھا تو اس کے ساتھ شیخ نصیرالدین چراغ دہلی بھی تھے، جب ہانسی کے قریب پہنچے تو حضرت چراغ دہلی نے آپ سے ملاقات کے لئے ہانسی کا رُخ کیا۔ آپ کو پتہ چلا تو برہنہ پا دوڑے اور دونوں بزرگ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔ خانقاہ میں لائے۔ محفلِ سماع منعقد کرائی جس میں دونوں بزرگ شامل ہوئے، عصر کی نماز کی جماعت حضرت شیخ منور نے کرائی۔ شمس سراج عفیف لکھتے ہیں کہ جب یہ بزرگان نماز ادا کر رہے تھے۔ تو معلوم ہوتا تھا کہ فرشِ زمین پر قران السعدین ہے۔

بقول شمس سراج عفیف حضرت قطب الدین منور نے سلطان سے ملاقات کے دوران اس کو شراب ترک کرنے اور شکار کم کرنے کی تلقین کی۔ ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ بادشاہِ اسلام نے ہانسی کے پیروں کی زیارت کی اور فقراء کو صدقات دیئے۔

آپ کی وفات بمطابق خزینۃ الاصفیاء ہانسی میں ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۸ء بعہد تغلق شاہ میں ہوئی اور شیخ جمال الدین ہانسوی اپنے دادا کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ شیخ نور الدین آپ کے فرزند رشید تھے جس زمانے میں آپ کے والد گرامی سلطان محمد تغلق کے دربار میں گئے تو آپ بھی ساتھ تھے۔ آپ بھی بعد از وصال اپنے آباء و اجداد کے گنبد میں مدفون ہوئے۔

۶۔ شیخ صفی بن نصیر ردولوی علیہ الرحمۃ

نام نامی صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام ہے۔ چند واسطوں سے ان کا نسب امام ابوحنیفہ کوفی سے جا ملتا ہے اور حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نوشیرواں عادل شاہ عجم کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد دوسرے چند لوگوں کے ہمراہ بلاکو خاں کے ہنگامہ میں غزنی سے ہندوستان آئے اور دہلی میں مقیم ہو گئے۔ صاحب نزہۃ الخواطر جلد سوم میں لکھتے ہیں کہ آپ امام ابوحنیفہ کی نسل سے تھے۔ اپنے جد حضرت نظام الدین کے ساتھ دہلی آئے کچھ عرصہ یہاں قیام کے بعد جونپور تشریف لے گئے۔

آپ نے تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی کے زیرِ تربیت حاصل کی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔

بہت سی عربی و فارسی کتابوں کی شرحیں لکھیں اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے دستور المبتدی، حل الترکیب کافیہ اور نہایۃ التحقیق شرح کافیہ مشہور ہیں۔

شیخ صفی الدین نے سلسلہ چشتیہ میں ردولی جا کر حضرت شاہ اشرف جہانگیر سمنانی سے بیعت کی اور خلافت پائی۔ لطائف اشرفیہ کے حوالے سے صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ حضرت سمنانی کہتے تھے کہ شیخ صفی تو علوم و فنون کے لحاظ سے تمام ہندوستان کے عجائبات میں سے ہیں۔

آپ نے ۸۲۰ھ مطابق ۱۴۱۷ء عہد جعفر خاں (سادات خاندان) میں ردولی کے مقام پر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئے۔

۷۔ شیخ عبد القدوس گنگوہی چشتی علیہ الرحمۃ

شہزادہ داراشکوہ قادری اپنی تالیف سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ آپ حضرت امام اعظم کی اولاد سے ہیں۔ نام نامی عبد القدوس بن شیخ اسماعیل بن شیخ صفی الدین تھا۔ آپ کے اجداد میں سے شیخ نظام الدین غزنی میں رہتے تھے جو ہلاکو خاں کے فتنہ کے دوران اپنے فرزند شیخ نصیر الدین کے ساتھ دہلی تشریف لائے۔ یہ علاء الدین خلجی کا زمانہ تھا۔ انہی کے ایک صاحبزادے شیخ صفی الدین تھے۔ اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ علم و فضل، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ ثانی تھے۔ آپ نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور کئی ایک کتب تصنیف کیں۔

آپ کی وفات ۸۱۹ھ مطابق ۱۴۱۶ء عہد خضر خان سید میں ہوئی اور ردولی میں دفن ہوئے۔ شیخ عبد القدوس اپنے والد گرامی شیخ محمد اسماعیل المتوفی ۸۶۰ھ مطابق ۱۴۵۵ء کے گھر ۸۶۰ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں عہد بہلول لودھی پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت گھر ہی سے حاصل کی۔ شروع ہی سے تصنیف و تالیف کا رجحان تھا۔ تعلیم و تربیت کے حصول کے بعد آپ پر بے خودی اور سرمستی کی کیفیت ایک عرصہ تک طاری رہی۔ اس دوران اکثر حضرت شیخ احمد عبد الحق فاروقی ردولوی کے مرقد منور پر حاضر رہتے اور ان کے پوتے شیخ محمد بن شیخ عارف فاروقی سے بیعت کی۔ اس خانقاہ میں ایک مدت تک ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔ ۸۹۶ھ مطابق ۱۴۹۱ء میں آپ شاہ آباد ضلع کرنال چلے گئے جہاں کامل ۳۸ سال تک تبلیغ و ارشاد میں مشغول رہے اس کے بعد آپ ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۶ء میں گنگوہ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی یہاں بسر کی، یہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کا عہد حکومت تھا۔

آپ کو سماع سے غیر معمولی شغف تھا مگر اس کے باوجود آپ نے سماع کو کبھی شرعی درجہ نہ دیا۔ اتباعِ سنت

کا ہر حال میں خیال رکھتے تھے۔ آپ مسلکِ اہل سنت والجماعت کے شدت سے پابند تھے اور فقہ حنفی کی پیروی کو فلاح ونجات کا بہترین ذریعہ تصور کرتے تھے۔ آپ شاعر تھے اور فارسی و ہندی میں شعر کہتے تھے تصانیف میں

۱۔ بحرالانشعاب۔ ۲۔ شرح مصباح۔ ۳۔ حاشیہ شرح صحائف۔ ۴۔ فوائدالقراءۃ۔ ۵۔ شرح معارف۔ ۶۔ رسالہ قدسی۔ ۷۔ رشد نامہ۔ ۸۔ نورالمعانی شرح قصیدہ امانی۔ ۹۔ مظہرالعجائب۔ ۱۰۔ انوارالعیون۔ ۱۱۔ مجموعہ کلام فارسی۔ ۱۲۔ مکتوباتِ قدوسیہ۔ ۱۳۔ رسالہ نورالہدیٰ۔ ۱۴۔ رسالہ قرۃ العین۔ ۱۵۔ اسرارالعجائب ۱۶۔ اورادِ شیخ عبدالقدوس وغیرہ۔

آپ نے سلطان سکندر لودھی، ہیبت خاں شروانی، ابراہیم خاں شروانی، سعید خاں شروانی، ظہیرالدین بابر، نصیرالدین ہمایوں، تردی بیگ، شیخ جلال الدین تھانیسری اور شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے شیخ فرید کے نام مکتوب بھی لکھے ہیں۔

آپ نے ۹۴۴ھ مطابق ۱۵۳۷ء عہدِ نصیرالدین ہمایوں میں رحلت فرمائی۔ دہلی کے مضافات میں گنگوہ ضلع سہارنپور میں دفن ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی۔ آپ کے خلفاء میں صاحبزادگان کے علاوہ شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ بہاءالدین ولد شیخ بہشتی نبیرہ شیخ جمال ہانسوی اور دیگر بے شمار بزرگ ہیں۔

۸۔ شیخ حسین بغدادی علیہ الرحمۃ

مولانا سید عبدالحی حسن اپنی تالیف نزہۃ الخواطر جلد چہارم میں لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا مولد بغداد شریف ہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد شیراز تشریف لائے تاکہ امیر غیاث الدین بن منصور شیرازی سے پڑھیں۔ جب یہاں پہنچے تو امیرِ شہر ابراہیم خاں نے ایک مجلس قائم کی جس میں ممدوح کو طلب کیا اور حضارِ مجلس کے سامنے وہ اعتراض پیش کئے جو غیاث الدین بن منصور نے شرح تجرید کی بحث علت و معلول پر کئے ہیں لیکن علامہ بغدادی کے سوا کسی عالم کی زبان سے کوئی کلمہ نہ نکلا۔ علامہ نے بھی کہا تو یہ کہا کہ اگر کتاب شرح تجرید مجھے دو روز کے لئے عنایت کردی جائے تو میں امرِ متنازعہ فیہ کا مطالعہ کرکے کچھ کہہ سکوں گا چنانچہ امیر نے کتاب آپ کے حوالے کی اور آپ نے وہ تمام اشکال حل کر دئے جس پر علماء نے ان کی بہت تعریف کی مگر مولانا غیاث الدین نے آپ پر خارجیت کا الزام عائد کیا اور امیر سے کہا کہ علامہ کو شہر سے نکال دیا جائے مگر امیرِ شہر نے انکار کر دیا اور علامہ شیخ حسین کی سفارش کی۔ بعد ازاں مولانا کچھ مدت شیراز میں قیام فرما ہوکر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور حج و زیارت سے مستفید ہو کر پھر ہندوستان چلے آئے، کئی شہروں کی سیاحت

کی بالآخر احمد آباد (گجرات) میں اقامت گزیں ہو کر حلقۂ درس و تدریس وسیع کیا۔

آپ کی وفات چہتر سال کی عمر میں سنہ ۹۷۷ھ مطابق سنہ ۱۵۶۹ء میں بعہد جلال الدین محمد اکبر ہوئی اور رسول آباد میں دفن ہوئے۔

۹۔ مُلّا عبد النبی، صدر الصدور رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبد النبی صدر الصدور، شیخ احمد بن شیخ عبد القدوس گنگوہی کے فرزند تھے۔ مُلّا عبد القادر ملوک شاہ بدایونی اپنی تصنیف منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد النبی خود کو امام اعظم کی اولاد سے کہتا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانہ صدارت میں لوگوں کو گزر اوقات کے لئے بہت سی اراضی و وظائف دیئے، اوقاف قائم کئے کہ لوگوں کی معاشی و اقتصادی حالت بہت بہتر ہو گئی۔

مولوی رحمٰن علی مصنف تذکرہ علمائے ہند لکھتا ہے کہ چند مرتبہ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ وہاں سے علم حدیث حاصل کیا۔ جب واپس آئے تو اپنے آباء و اجداد کے مسلک کے خلاف سماع و غنا کا انکار کرنے لگے اور طریقہ محدثین کو اختیار کیا۔ تقوئے و طہارت اور ظاہری صفائی و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جب شہنشاہ اکبر نے ان کے علم و فضل کا شہرہ سنا تو سنہ ۱۵۶۳ء میں ان کو صدر الصدور کے منصب پر فائز کیا۔ پھر مخدوم الملک مُلّا عبد اللہ سلطان پوری کی شکایات پر ان کو سنہ ۱۵۷۹ء میں معزول کر دیا۔ سنہ ۱۵۸۰ء میں بادشاہ نے صدر الصدور اور مخدوم الملک کو حج کے بہانے جلا وطن کر دیا اور حکم ہوا کہ بغیر اجازت نہ آئیں مگر وہ حج کے بعد واپس آ گئے۔ جب بادشاہ نے سنا تو ان کو گرفتار کر کے فتح پور سیکری لایا گیا۔ جہاں بادشاہ نے بھرے دربار میں اس کے منہ پہ تھپڑ مارا اور پھر قید کر دیا۔ کچھ دن بعد قید خانہ میں انہیں ہلاک کروا دیا گیا۔ صدر الصدور کے قتل میں شیخ مبارک ناگوری اور اس کے فرزندوں کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے اکبر سے ایسے بہت سے کام کروائے۔ قبل ازیں اکبر مُلّا عبد النبی کے پیر دھو کر پیتا تھا اور بے حد احترام کرتا تھا۔ اکثر ان کے گھر حدیث سننے کے لئے آتا، جہانگیر کو ان کی شاگردی میں دیا۔ اکبر شیخ کے فیض صحبت سے بہت متاثر تھا۔ وہ نہ صرف نماز باجماعت کا پابند تھا بلکہ خود اذان دیتا اور نماز پڑھاتا اور مسجد میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا۔ آپ کی تصنیفات میں سے ۱۔ وظائف النبی۔ ۲۔ رسالہ فی رد طعن حال علی الامام ابی حنیفہ۔ ۳۔ رسالہ حرمت سماع۔ ۴۔ رسالہ سنن الہدیٰ فی متابعۃ المصطفیٰ۔ بہت مشہور ہیں۔

آپ نے سنہ ۹۹۱ھ مطابق سنہ ۱۵۸۳ء عہد جلال الدین اکبر میں وفات پائی۔

یوسف بن خالد سمتی کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وصیت

یوں تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ کو دورانِ تعلیم ہی پند و نصائح سے نوازتے رہتے تھے لیکن چند اعزہ کو تحصیلِ علوم کے بعد خصوصی وصایا سے مشرف فرمایا حضرت یوسف بن سمتی انہی خوش بخت حضرات میں سے ایک ہیں آپ پہلے پہل بصرہ میں عثمان البتی سے استفادہ کرتے رہے۔ حدیث کے بارے انہیں کچھ اشکالات تھے جن کے حل کے لئے آپ کوفہ گئے، وہاں سلیمان الاعمش سے ملاقات کی، انہوں نے آپ کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا، امام ابو حنیفہ سے تشفی ہونے پر داخلِ درس ہوئے اور بلند پایہ فاضل بن گئے۔ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ سے ہیں۔ ۱۸۹ھ میں بمقام بصرہ آپ کا وصال ہوا۔

ذیل میں ہم اس وصیت کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جو امام صاحب کی طرف سے فارغ التحصیل ہونے پر آپ کو کی گئی، ہمارے پیشِ نظر مصر سے شائع شدہ ایک رسالہ ہے جو ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء کو مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی سے چھپا، اور اس پر مولانا ابراہیم ممتاز احمد البجرتی کی تعلیقات بھی ہیں، ویسے یہ وصیت مناقبِ کردری (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۱ھ، ج ۲ ص ۹۰ تا ۹۱) میں بھی ملتی ہے۔

یوسف بن خالد سمتی جب تعلیم مکمل کر چکے اور بصرہ واپسی کا ارادہ کیا تو امام ابو حنیفہ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا کچھ وقت کے لئے ٹھہر جاؤ تاکہ بطور وصیت تمہیں چند ایک ہدایات دے سکوں جو تمہیں عوام کے معاملات، اہلِ علم کے مراتب، تادیبِ نفس، عوام کی فلاح، عوام و خواص کی اصلاح اور عام لوگوں کے حالات معلوم کرنے میں مدد دیں گی اور جب تم جا رہے ہو تو تمہیں ہتھیار کا کام دیں گی۔ تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے علم کو زینت دو اور اسے داغدار نہ ہونے دو۔

(عزیز بیٹے!) یقین کرو کہ اگر تم خود ہی لوگوں سے بدسلوکی کرو گے تو لوگ، خواہ وہ تمہارے والدین ہی کیوں نہ ہوں، تمہارے مخالف بن جائیں گے اور جب تم حسنِ سلوک سے پیش آؤ گے تو خواہ وہ تمہیں اقربا نہ بھی ہوں تمہیں ماں باپ کی شفقت دیں گے۔

پھر فرمایا ذرا ٹھہرو تاکہ میں کچھ وقت نکال کر پوری توجہ دے سکوں اور تمہیں ایسے امور بتاؤں کہ تم دل میں بھی خوش ہوتے رہو،

وما توفیقی الا باللہ۔

جب وقت موعود گزر گیا تو آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اب میں تمہیں وہ باتیں بتلاتا ہوں جن کے بتانے کا مجھے خیال تھا (یوں سمجھو) جیسے میں تمہارے ساتھ تھا اور تم بصرہ پہنچ گئے ہو۔ ہمارے مخالفین سے ملے ہو اور اپنے آپ کو اور اپنے علم کو ان پر فوقیت دی ہے پھر ان کی معاشرت و میل جول سے تنگ آ گئے ہو۔ ان کے خلاف چلے ہو اور وہ تمہارے مخالف ہو گئے ہیں، تم نے انہیں چھوڑا اور تمہیں چھوڑ گئے ہیں، تم نے انہیں برا بھلا کہا اور انہوں نے تمہیں، تم نے انہیں گمراہ کہا ہے اور وہ تمہیں گم گشتہ راہ اور بدعتی خیال کرتے ہیں، اس طرح تو تم اور ہم سب رسوا ہوئے اور پھر تم نے وہاں سے نکل جانے کی ٹھانی ہے یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی۔ یہ عقلمندی تو نہیں کہ انسان اللہ کی طرف سے نئی راہ نکلنے تک، ان لوگوں سے حسن سلوک نہ کرے جن کے ساتھ اس کی ضرورت بھی ہو۔

جب تم بصرہ جاؤ گے تو لوگ تمہارا استقبال کر کے شوق دیدار پورا کریں گے، تمہاری منزلت پہچانیں گے تو تم ہر ایک کو درجہ بدرجہ مقام دو۔ شرفاء کی عزت اور علماء کی تعظیم کرو، سن رسیدہ حضرات کے وقار کا خیال رکھو، نوجوانوں سے مہربانی کا برتاؤ کرو، عوام کو قریب سے دیکھو، بروں کی خاطر مدارات کرو اور نیکوں کی صحبت اختیار کرو، بادشاہ سے مسخری نہ کرو اور نہ ہی کسی کو حقیر جانو۔ دوستی پیدا کرنے میں کوتاہی نہ کرو، اپنا راز دار کسی کو نہ بناؤ، آزمائے بغیر کسی سے صحبت نہ کرو، رذیل اور گھٹیا لوگوں سے دوستی نہ کرو جس کا ظاہر اچھا نہیں اس سے ملاپ نہ رکھو، بیوقوفوں سے بے تکلف نہ ہو، ہر کہ ومہ کی دعوت قبول نہ کرو اور نہ ہی ان سے تحائف لو۔

نرم گفتاری، صبر و تحمل، حسن اخلاق اور فراخ دلی کا ثبوت دو، عمدہ کپڑے زیب تن کرو، اچھی سواری کرو، خوشبو کا استعمال کثرت سے رکھو، اپنے لئے خلوت کی جگہ مقرر کرو تاکہ اپنی ذاتی حاجات کو پورا کر سکو، اپنے قرابت داروں کا خیال رکھو اور سب سے پہلے ان کی اصلاح کی طرف توجہ دو، یہ کام بڑی نرمی سے کرو، تشدد نہ کرو، ورنہ نصیحت کارگر نہ ہوگی۔ ایسا کام نہ کرو جس سے لوگ تمہاری اصلاح کی ضرورت سمجھیں، (ان باتوں پر عمل کر کے) تم اپنے حالات درست رکھ سکو گے۔

پنجگانہ نماز پابندی سے ادا کرو، لنگر جاری رکھو کیونکہ بخیل کبھی سردار نہیں بنتا۔ معتمد راز دار بناؤ جو تمہیں لوگوں کے معاملات کی خبر دیتا رہے، کہیں فساد کی اطلاع ملے تو فوراً اصلاح کی کوشش کرو۔ اور کہیں لوگوں کے سدھرنے کی خبر ملے تو اپنی نسبت و عنایت بڑھا دو۔

ملاقاتیوں سے تو ملتے ہی رہو اور جو نہ ملے اسے بھی ملو، کوئی تم سے حسن سلوک کرے تو تم بھی اور کوئی ایسا نہ کرے تو بھی اس سے اچھا برتاؤ کرو، عفو و درگزر سے کام لو اور ہمیشہ بھلائی کی تعلیم دو، کوئی تمہارے درپے آزار ہے تو اس سے پہلو تہی کر لو اور اسے بھی ترک کر دو جو تمہاری اذیت کا ارادہ کرے، حقوق شرعیہ کے قیام میں عجلت سے کام لو، اگر کوئی بھائی علیل ہو تو خود بھی مزاج پرسی کرو اور پھر کبھی کبھار کسی کو بھیج کر بھی خبر لیتے رہو۔ روزانہ کے ندیم اگر نہ آ سکیں تو ان کا پتہ کرو، کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ

چھوڑ دو، ظالم سے صلہ رحمی کرو۔ بڑے کی عزت کرو۔ کسی سے غلطی سرزد ہو تو درگزر کرو، کوئی تمہاری بدگوئی کرے تو اسے اچھے الفاظ سے یاد کرو، کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق (جنازہ وغیرہ) ادا کرو۔ کسی کو خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دو، مصیبت زدہ کی غمخواری کرو، کوئی گرفتار بلا ہو تو اس کی مدد کرو۔ کوئی حاجت مند کسی کام سے آجائے تو (بہ شرط قدرت) اس کا کام کردو فریادی کی فریاد رسی کرو۔ مدد مانگنے والے کی امداد کرو۔ جہاں تک ممکن ہو لوگوں میں محبت و مودت کا اظہار کرو، سب سے سلام کہو اگرچہ وہ برے ہی کیوں نہ ہوں، کہیں اغیار کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہو یا وہ اور تم کسی مسجد میں بیٹھ جاؤ اور پھر مسائل چھڑ جائیں تو ان مسائل میں اپنا اختلاف نہ جتاؤ۔ ہاں اگر وہ خود تم سے پوچھیں تو عامیانہ جواب دیکر کہو کہ اس میں ایک قول اور بھی ملتا ہے جو فلاں فلاں ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں۔ اگر وہ غور سے سن لیں گے تو تمہارا مبلغ علم ان پر واضح ہو جائے گا اور اس طرح تمہاری منزلت کا سکہ بیٹھ جائے گا، کوئی اگر اس دوران اعتراض کردے تو اسے ایسا مسئلہ بتادو جس پر وہ سوچ بچار کرتا رہے۔

عام فہم مسائل بیان کرو۔ اس دوران خوش طبعی بھی کرتے رہو اور باتوں کا سلسلہ جاری رکھو، اس طور سے الفت بڑھے گی، علمی محفل گرم کئے رکھو، کبھی کبھار ان اغیار کی دعوت بھی کرتے رہو، معمولی غلطیوں پر گرفت نہ کرو، اپنی بساط کے مطابق ان کی حاجت برآری کرو، نرمی اور تسامح سے کام لو، اپنی تنگدلی کا ثبوت نہ دو، ان میں گھل مل کر رہو۔ ان سے وہ معاملہ کرو جسے تم اپنے لئے بھی پسند کرتے ہو، اپنی رضامندی پر ان کی رضامندی کو قیاس کرو، اپنے نفس اور اپنے احوال کا خیال کرو، بدامنی پیدا نہ کرو۔ کوئی تمہیں ڈانٹے تو تم ایسا ہرگز نہ کرو، جو مشقت تم پر لوگ نہیں ڈالتے تم بھی نہ ڈالو جس بات پر وہ راضی ہوں تم بھی راضی رہو، حسن نیت سے پیش آؤ، صدق شعار بنو، تکبر نہ کرو، تم اپنے آپ کو دھوکہ دہی سے دور رکھو لوگ چاہیں تو کیا کریں۔ کوئی خیانت کرے تو کرے لیکن تم امانتدار بنو وفا شعاری سے کام لو۔ پرہیزگاری اختیار کرو۔ اہل کتاب سے گزر اوقات اسی طرح کرو جس طرح وہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں

میری اس وصیت پر عمل پیرا ہو کر تم سلامتی میں رہو گے۔

پھر فرمایا' دیکھو تمہارے جانے کا غم بھی ہے اور خوشی بھی۔ غم اس طرح کہ (اتنا عرصہ میرے پاس ٹھہرنے کے بعد) تم داغ مفارقت دے رہے ہو اور خوشی اس بات کی کہ (تمہارے اندر اتنی استعداد آگئی ہے کہ) ہر چیز کو پہچان جاؤ گے۔ ..... اپنے خطوط میں مجھے یاد رکھنا' اپنی ضروریات کے بارے میں آگاہ کرتے رہنا، تم میرے بیٹے ہو، مجھے اپنے باپ ہی کی حیثیت دینا۔"

فضائل

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للہ والصلوٰۃ علی نبیہ وآلہٖ واصحابہ اجمعین۔ حضرت امام ابی حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض مناقب کُتب معتبرہ مانند مسند امام اعظمؒ جو کہ محمد بن محمود خوارزمی نے جمع کی ہے اور رسالہ مفتی سعد اللہ صاحب اور فتاوئی درمختار اُس کے حاشیہ طحطاوی و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ سے اخذ کر کے لکھے جاتے ہیں۔

مسند خوارزمی میں ہے کہ فضائل امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے شمار ہیں لیکن وہ فضائل جو کہ آپ کی ذات شریف کے ساتھ خاص ہیں اور غیر کو اُن میں شرکت نہیں۔ بالاجماع دس قسم ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ کی تعریف چند حدیثوں اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آئی ہے نہ باقی ائمہ کی۔ دوسری یہ کہ امام اعظم زمانہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم میں پیدا ہوئے ہیں۔ قرنِ تابعین میں جیسے صحیح حدیث میں آیا ہے۔ خیر القرون الخ یعنی سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر میرے یاروں کا زمانہ اور پھر اُن کا زمانہ کہ میرے صحابیوں کے زمانہ کے بعد آتے یعنی تابعین کا اور پھر تبع تابعین کا۔

تیسری یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں بلا واسطہ دوسرے کے اور ایسی صفت دوسرے ائمہ کو حاصل نہیں ہوئی۔ چوتھی قسم یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تابعین کے زمانہ میں فتویٰ دینا ظاہر اور مشہور ہوگیا نہ دوسرے ائمہ کا اور پانچویں قسم یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چار ہزار اساتذہ سے جو بڑے بڑے تابعین تھے علم حاصل کیا ہے۔

بخلاف دوسرے ائمہ کے چھٹے یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے تابعین اور علماء دین سے روایت کی ہے۔ بخلاف دوسرے ائمہ کے ساتویں یہ کہ اُن کو بڑے بڑے مجتہد شاگرد اور

یار ملے جو اوروں کو نہیں ملے آٹھویں یہ کہ سب سے اوّل آپ نے اجتہاد کیا ہے اور احکام اور دین کے مسائل اپنے اجتہاد سے استنباط کیے ہیں اور اجتہاد کرنے کے قواعد کی بنیاد رکھی ہے۔ نویں یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہوں کے عطیہ و ہدیہ قبول نہیں کیے، بلکہ اپنے حلال کسب سے علماء اور فقہاء پر خرچ کرتے تھے بخلاف دوسرے آئمہ کے اور دسویں یہ کہ آپ کی وفات اور شہادت بسبب پرہیزگاری اور زہد کے دُنیا سے واقع ہوئی ہے جو احادیث آپ کی شان میں وارد ہوئی ہیں یہ ہیں۔

امام خوارزمی نے اسناد متصل کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امّت میں ایک بندہ ہوگا کہ اُس کو ابو حنیفہ کہیں گے وہ میری امت کا چراغ ہوگا قیامت کے دن۔

اس حدیث کو چند وجہ سے متصل اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور ایک روایت ابو سلمہ از ابو ہریرہؓ میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امّت میں ایک بندہ ہوگا اس کا نام نعمان ہے اور کنیت اس کی ابو حنیفہ ہے وہ میری امت کا چراغ ہے۔ وہ میری اُمّت کا چراغ ہے۔ وہ میری اُمّت کا چراغ ہے اور چند حدیثیں اسناد متصل کے ساتھ چند طریقوں سے ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب میرے بعد ایک مرد ہوگا کہ اُس کو نعمان بن ثابت کہیں گے اور اُس کی کُنیت ابو حنیفہؒ ہوگی اللہ تعالےٰ میری سُنّت کو اُس کے ہاتھ پر زندہ کرے گا۔ اسی طرح اسناد متصل کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک مرد ظاہر ہوگا کہ ابو حنیفہؒ کے نام سے پہچانا جائے گا۔ اُس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ میری سنّت کو زندہ کرے گا۔

اور دیگر آثار جو صحابہ سے روایت ہیں بہت سے صاحب خوارزمی نے ذکر کیے ہیں۔ چند اُن میں سے یہ ہیں کہ اسناد متصل کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ، سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چاند بنام خراسان پر طلوع ہوگا اُس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی۔

اور نیز اسناد متصل کے ساتھ کعب الاحبار رض سے اور کعب الاحبار اس شریعت کے بھی عالم ہیں روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہر زمانہ کے علما اور اہل علم کی نسبوں اور صفات کو میں نے لکھا ہوا پایا ہے اور نیز ایک مرد کا نام بھی لکھا ہوا پایا ہے کہ اس کو نعمان بن ثابت کہیں گے اور کنیت اس کی ابو حنیفہ ہوگی وہ بڑے شان والا ہوگا علم اور فقہ اور عبادت اور حکمت اور زاہدین اور اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل ہوگا۔ اور اہل علم اور ان کے تابعداروں سے بھی افضل ہوگا۔ اور وہ ان کا چاند ہوگا۔ اس کی زندگی میں بھی لوگ حسد کریں گے اور بعد مرنے کے بھی حسد کریں گے اور درمختار میں حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام میرے ذریعہ سے فخر کرتے ہیں اور میں فخر کرتا ہوں ساتھ ایک مرد کے کہ اس کا نام نعمان ہے اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہے وہ میری امت کا چراغ ہے اور اس حدیث کو فقیہ ابو اللیث نے شرح مقدمہ میں بھی نقل کیا ہے اور مفتی سعد اللہ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ ایسی چند حدیثیں جو فقہاء نے کتب فقہ میں ذکر کی ہیں۔ ان کو محدثین موضوع قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ اس حدیث مذکور کو ابن جوزی نے موضوع لکھا ہے اور ضیاء معنوی نے شرح مقدمہ غزنوی میں لکھا ہے کہ ابن جوزی سے یہ تعصب ہے کیونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب،

امام جلال الدین سیوطی رح نے کہ شافعی مذہب کے ہیں تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب رح کے مناقب ثابت کرنے میں حدیث موضوع کی ضرورت نہیں بلکہ صحیح حدیثیں بھی آپ کی شان میں موجود ہیں جیسے کہ بخاری شریف و مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اگر ایمان ستارہ یعنی ثریا کے پاس بھی ہوا تو ایک شخص فارس والا اس کو حاصل کرے گا اور روایت مسلم میں یہ الفاظ ہیں لو کان الایمان الخ یعنی اگر ایمان ثریا کے ساتھ لٹکا ہوا ہو تو بھی اس کو ایک مرد فارس والوں سے حاصل کرے گا اور اسی طرح طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ایسے ہی معنی نقل کیے ہیں ان حدیثوں میں امام اعظم رح کی بشارت ہے ثانیاً امام اعظم رح کی ولادت صحابہ کے زمانہ میں ہوئی ہے اور آپ کا تابعین سے ہونا بخلاف دوسرے آئمہ کے مسند خوارزمی میں وارد ہے آپ نے

مشائخ سے اسناد منفصل کے ساتھ ذکر کی ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی ہے اور آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی ولادت سن ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور اس کو متعدد طرق سے ثابت کیا ہے اور مشہور بھی یہی ہے اور مفتی سعد اللہ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کے زمانے میں چند اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ تھے باتفاق محدثین اور مورخین کے ایک ان میں سے حضرت انس بن مالک ہیں کہ بصرہ میں موجود تھے اور ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ہے۔ ننانوے سال کی عمر میں اور ان کی وفات کے وقت امام اعظمؒ کی عمر گیارہ سال یا تیرہ سال کی تھی۔ [1]

امام صاحب نے انس رضی اللہ عنہ سے تین حدیثیں بلا واسطہ روایت کی ہیں اول حدیث یہ ہے کہ امام صاحب نے فرمایا ہے کہ میں نے سُنا ہے کہ انس بن مالک نے فرمایا ہے کہ میں نے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم۔ یعنی ہر مسلمان پر علم دین کا طلب کرنا فرض ہے۔ دوسری حدیث کہ امام صاحب نے انس بن مالک سے روایت کی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الدال علی الخیر کفاعلہ یعنی نیک کام کو بتلانے والے مانند کرنے والے کے ہے ثواب میں۔ اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بے چارہ اور عاجز کو تمام حدیث مسند میں مذکور ہے۔

تیسری حدیث انس بن مالک سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَوْ وَثِقَ الْعَبْدُ بِاللّٰہِ تعالیٰ ثقۃ الطَّیْرِ الخ یعنی اگر بندہ اللہ تعالیٰ پر یقین کرے جیسے پرندے یقین کرتے ہیں تو اس کو اللہ تعالیٰ روزی روز پہنچائے گا جیسے کہ پرندوں کو پہنچاتا ہے کہ صبح بھوکے اُٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں اور مسند میں ہے کہ امام صاحب نے فرمایا ہے کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور ۹۶ھ ہجری میں آپ والد صاحب کے ساتھ حج کے واسطے روانہ ہوئے۔

---

[1] کذا فی مدینۃ العلوم ومعدن الیواقیت واعلام الاخبار وغیرہ

سولہ سال کی عمر میں جب مسجد حرام میں ہم پہنچے تو ایک جماعت لوگوں کی بیٹھی ہوئی ہم نے دیکھی میں نے والد صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں والد صاحب نے فرمایا کہ یہ حلقہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یار حضرت عبداللہ جزر زبیدی کا ہے پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ تفقّهَ فی دین الله الخ یعنی جو شخص کہ اللہ تعالے کے دین میں فقیہ ہوتا ہے تو اس کی روزی کا اللہ تعالیٰ خود کفیل ہے اور اُس کی مہم کا بھی خود کفیل ہے اور باقی صحابہ جن کی زیارت سے امام صاحب مشرف ہوئے ہیں یہ ہیں حضرت عبداللہ جادنی بن علقمہ ہیں کہ کوفہ میں تھے۔ آپ نے ۸۶ھ یا ۸۷ھ میں وفات فرمائی ہے اور امام اعظم کی عُمر اس وقت سات سال یا چھ سال تھی اور ان سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ قال رسول اللہ صلعم من بنی للہ مسجدا الخ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے مسجد بنائی ہو اگرچہ قدر سے آشیانہ قطاۃ کے ہو تو اُس کے لیے اللہ تعالیٰ جنّت میں عظیم الشّان مکان تیار کرے گا اور قطاۃ ایک پرند کا نام ہے مانند فاختہ اور قمری کے اور اس کی گردن میں ایک طوق ہوتا ہے اور وہ ایک قسم کا کبوتر ہے کذا فی مجمع البحار اور تشبیہ دینی مسجد کی آشیانہ کے ساتھ خورد ہونے میں ہے یعنی اگرچہ مسجد نہایت چھوٹی ہو یا یہ مُراد ہے کہ اگرچہ بہت آدمی شریک ہو کر ایک مسجد بنائیں اور ایک شخص کو بقدر آشیانہ جانور کے حصتہ میں آئے۔ اور چھ سال کی عمر میں حدیث روایت کرنی محدثین کے نزدیک معتبر ہے چنانچہ امام بخاری نے اپنے صحیح میں محمود بن ربیع سے حدیث روایت کی ہے اور اُن کی عمر پانچ سال کی تھی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث سنی ہے تیسرے صحابی حضرت سہل بن سعد ساعدی ہیں کہ مدینہ شریف میں تھے ۸۸ھ یا ۹۱ھ میں آپ نے وفات پائی ہے مگر ان سے امام صاحب نے حدیث نہیں سنی۔

چوتھے صحابی ابوطفیل عامر بن واثلہ ہیں کہ مکّہ معظمہ میں تھے۔ تمام صحابہ کے بعد وفات پائی ہے۔ ۱۰۲ھ میں اور امام اعظم نے حج سن ۹۶ ہجری میں کیا ہے تو آپ کی ملاقات یقینی ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ یہ چار صحابہ آپ کے زمانہ میں موجود تھے۔ بلکہ علامہ کفوی نے فرمایا ہے کہ

امام صاحب کی ان چاروں صحابہ سے روایت شامل ہے اور امام نووی نے کہ شافعی مذہب کا ہے اور شارح صحیح مسلم ہے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے اور نیز امام یافعی شافعی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ان چار صحابہ کے علاوہ بھی چند صحابہ کرام امام اعظم رح کے وقت موجود تھے اور اُن سے روایت کرنے میں شک ہے۔ من جملہ اُن کے معقل بن یسار رضؓ ہیں دوم جابر بن عبداللہ ہیں تیسرے عبداللہ بن انیس ہیں۔ چوتھے عائشہ بن عجرہ ہیں پانچویں واثلہ بن الاسقع ہیں چھٹے عبداللہ بن جزء رضؓ ہیں اور مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور ابوامامہ باہلی اور واثلہ بن الاسقع اور عمر بن حریثؓ اور عبداللہ بن ابی اوفی رضؓ اور چند صحابہ نے وفات پائی ہے اور ان بہت صحابہ سے احادیث مع متون بھی نقل کی گئی ہیں جن کے ذکر کرنے سے کتاب دراز ہو جاتی ہے پس حاصل کلام یہ ہے کہ امام صاحب صحابہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اس قرن میں کہ جس کے بہتر ہونے کی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی ہے۔

اس بات پر اجماع ہے کہ آپ کی ولادت زمانہ صحابہ میں ہے کہ اوّل قرن ہے اور ان کا ظہور دوسرے قرن جو تابعین کا ہے ہوا ہے اور آپ کا اجتہاد اور فتویٰ اخیر قرن دوسرے کے اور اوّل قرن تیسرے کے شروع ہوا ہے۔ یعنی تبع تابعین میں اور مفتی سعداللہ نے اپنے رسالہ میں امام نووی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے تہذیب میں لکھا ہے کہ امام اعظم کی ملاقات حضرت انس رضؓ سے ثابت ہے۔ امام کے یاروں اور شاگردوں نے صحیح اسناد کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ امام صاحب نے پچاس حدیثیں صحابہ سے بلا واسطہ روایت کی ہیں اور امام کے شاگرد آپ کے حال سے پورے طریق پر واقف ہیں اور تمام عالم اور عادل ہیں اور اثبات کی گواہی مقدم ہوتی ہے نفی کی گواہی سے بلکہ امام جلال الدین سیوطی نے تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ امام ابومعشر عبدالکریم طبری مُقری شافعی نے جو حدیثیں کہ امام نے صحابہ سے روایت کی ہیں اور ایک مستقل رسالہ میں جمع کی ہیں اور ابن سعد نے کہا ہے کہ امام صاحب نے انس بن مالک اور باقی چند صحابہ کو دیکھا ہے پس امام تابعین سے ہیں اور صحابہ کی زیارت دوسرے کسی امام کو نہیں حاصل ہوئی۔ مثل امام اوزاعی شامی اور حماد بصری

اور ثوری کوفی امام مالک مدنی اور لیث بن سعد و مسلم بن خالد وغیرہ کے انتہی کلام السیوطی۔
حاصل یہ ہے کہ امام تابعین سے ہیں۔ بلاشک و شبہ اور تابعی قول صحیح میں وہ ہے۔ کہ جس نے
اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی خواہ روایۃ کی ہو یا نہ کی ہو اور امام مالکؒ کی پیدائش
۹۳ھ میں ہے یا ۹۷ھ میں ہے۔
ابن صلاح نے تصریح کی ہے کہ امام مالک تبع تابعین سے ہیں کہ ان کو کسی صحابی کی ملاقات
نہیں ہوئی اور امام شافعی امام مالک کے شاگرد ہیں اور نیز امام محمد بن حسن شیبانی سے ہی تحصیل علم کی ہے
چنانچہ حقائق میں امام شافعی سے نقل ہے کہ امام شافعی نے فرمایا الحمد للہ الذی اعانتی علی الفقہ
محمد بن الحسنؒ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری امداد کی اور مسلم فقہ کے حاصل کرنے میں امام محمدؒ سے
لکھا ہے کہ امام شافعی کی والدہ کے ساتھ امام محمد بن حسن نے نکاح کیا ہے۔ اُن کے والد کے فوت
ہونے کے بعد اور امام شافعی کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔
کہتے ہیں کہ جس روز امام اعظم فوت ہوئے ہیں اُسی روز امام شافعی پیدا ہوئے ہیں اور ان
کے باپ نے امام اعظم کے جنازہ کے نیچے سے اُن کو گذارہ ہے واسطے تبرک کے اور امام احمد بن
حنبل کی پیدائش ۱۶۴ھ میں ہوئی ہے۔ امام شافعی سے تحصیل علم کی ہے اور امام شافعی اور امام احمد
کی ملاقات کسی صحابی سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ایک سو دو سال کے بعد کوئی صحابی باقی زندہ نہیں رہا۔
پس ثابت ہو گیا کہ امام اعظم کا مرتبہ تمام ائمہ سے بلند ہے اور علامہ کغوی نے فرمایا ہے کہ امام اعظم تابعین
کے زمانہ میں مجتہد تھے اور علم دین کی تعلیم دیتے تھے اور ایک بار تابعین کے ساتھ مناظرہ بھی کیا تھا
چنانچہ اُن کا مناظرہ امام شعبی کے ساتھ مسئلہ نذر بگناہ میں مشہور ہے اور تابعین کا اجماع کرنا بغیر امام صاحب
کے شامل ہونے کے معتبر نہیں اور امام صاحب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور صحابہ کا
قول میرے سر آنکھوں پر ہے اور تابعین کا قول اور ہمارا قول برابر ہے کہ وہ میرے جیسے ہیں اور
مسند خوارزمی میں سیف الائمہ سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار تابعین سے علم حاصل کیا ہے
اور احتیاط کی سبب جو مسئلہ قرآن شریف اور حدیث شریف سے اخذ کیا ہے جبکہ تمام اساتذہ

قبول کریں۔ اس کو جاری نہیں کرتے تھے۔ نقل ہے کہ امام صاحب کوفہ کی مسجد میں جب تعلیم دیتے تھے تو ہزار شاگرد آپ کے گردبگرد بیٹھے ہوئے رہتے تھے اور چالیس شاگرد بڑے کامل مجتہد تھے وہ آپ کے پاس رہتے تھے۔ جب امام صاحب کوئی مسئلہ استخراج کرتے تھے تو حاضرین مجلس کے ساتھ مشورہ اور مناظرہ اور گفتگو کرتے تھے۔ اور اس مسئلہ کو قرآن و حدیث اور صحابہ کے قول کے ساتھ تطبیق دیتے تھے۔ جب اچھی طرح سے اس کی مطابقت معلوم ہو جاتی تھی تو بعد ایک ماہ یا دو ماہ کے اس مسئلہ کا حکم جاری کرتے تھے اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام اعظم نے حماد بن سلیمان سے علم حاصل کیا ہے اور نیز عطا بن ابی رباح اور ابی اسحاق شعبی اور ہاشم بن حبیب سے اور دیگر بزرگان کبار تابعین سے علم حاصل کیا ہے لیکن ان کی بہ نسبت شاگردی اُستاد حماد کے ساتھ زیادہ مشہور ہے اور حماد ابراہیم نخعی کے شاگرد ہیں اور ابراہیم علقمہ و اسود و شریح کے شاگرد اور تینوں شاگرد حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود کے ہیں۔ تیسری قسم یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے بلا واسطہ صحابہؓ سے حدیثیں سنی ہیں اور روایت کی ہیں اور تمام علماء کو اس پر اتفاق ہے۔ فقط صحابہ کے عدد میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قول ہے کہ آپ نے چھ صحابہؓ مرد کو دیکھا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے اور ساتویں صحابہ عورت یعنی عائشہ بنت عجرؓ کو دیکھا ہے اور بعض کا قول ہے کہ صحابہؓ سے سات مرد اور ایک عورت مذکورہ دیکھی ہے پہلا ان سے انس بن مالکؓ ہے کہ امام نے ان سے حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم روایت کی دوسرے عبداللہ بن ابی انیسؓ ہیں کہ ۹۴ھ میں کوفہ میں تشریف لائے تھے امام اعظم نے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ میں چودہ سال کا تھا اور میں نے ان سے یہ حدیث سنی ہے کہ حبک الشئ الخ یعنی تم کو چیز کے ساتھ دوستی کرنی اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے یعنی اس کے عیب دیکھنے اور سننے سے اور تیسرے عبداللہ بن حارثؓ ہیں کہ پندرہ سال کی عمر میں امام صاحب نے ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ملاقات کی ہے اور ان سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ من تفقہ فی الدین الخ چوتھے عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ ہے اور ان سے امام صاحب نے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے بھائی مومن کے عیب ظاہر نہ کر اور اس کے عیب ظاہر ہونے

کے وقت خوش ہو پس اللہ تعالیٰ اس مومن کے عیب کو بخش دے گا اور تم کو گرفتار کرے گا۔ چھٹے جابر بن عبداللہ ہیں اور امام صاحب نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک روز ایک مرد انصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ کہ میرا کوئی فرزند نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو کیوں استغفار نہیں پڑھتا اور کیوں صدقہ نہیں دیتا کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ تم کو فرزند عطا کرے وہ مرد استغفار اور صدقہ میں مشغول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نو فرزند عطا کیے۔ بقول بعض امام صاحب کی ملاقات حضرت جابرؓ سے نہیں ہوئی کیونکہ جابر ۷۹ھ میں نوت ہوگئے ہیں اور امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں پس ان کے قول پر یہ حدیث مرسل ہو گی یعنی نام راوی کہ درمیان میں واسطہ ہے مذکور نہیں ہوا اور جنہوں نے سات مرد شمار کیے ہیں۔ ساتویں معقل بن یسارؓ ہے لیکن اس میں کلام ہے اور آٹھویں بی بی عائشہ بنت عجردؓ ہے کہ امام صاحب نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر زمین میں مکڑی ہے نہ اس کو کھاتا ہوں اور نہ حرام کہتا ہوں۔

چوتھی قسم امام صاحب کے فضائل میں کہ جو فضائل آپ کے ساتھ مخصوص تھے یہ ہیں کہ زمانہ تابعین میں آپ نے اجتہاد کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے چنانچہ صاحب مسند نے متصل اسناد کے ساتھ روایت کی ہے امام اعمشؒ سے کہ کبار تابعین سے ہیں حج کے واسطے تشریف لے گئے اور کوفہ کے چند لوگ بھی آپ کے ہمراہ گئے اور علی بن مسعرؒ کہ امام اعظم کے یاروں سے ہیں یہ بھی ان کے ہمراہ تھے جب مقام قادسیہ میں پہنچے تو امام اعمش کو لوگوں نے غمناک دیکھا اور اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ علی بن مسعر ہمارے ساتھ ہے یا نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہے فرمایا کہ اس کو میرے پاس بلالاؤ جب علی بن مسعر آپ کے پاس آئے تو کہا کہ مصر میں واپس جاؤ اور ہمارے لیے امام اعظم سے احکام حج کی کیفیت لکھوا کر لاؤ۔ پس علی بن مسعر واپس گئے اور ابوحنیفہ سے سوال کیا تو امام صاحب نے لکھ کر امام اعمش کی طرف روانہ کیا اور نیز متصل اسناد سے روایت ہے کہ ابو معاویہ ضریرؒ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگ اور استاد جب فتویٰ دیتے تھے تو ابوحنیفہ کے خلاف سے ڈرتے تھے۔ اگرچہ ان کا فتویٰ ابوحنیفہ کے فتویٰ

کے موافق ہوتا تو خوش ہوتے اور ان کی مراد اپنے بزرگوں اور استادوں سے امام اعمش ہیں اور دیگر تابعین، امام اعمش نے فرمایا ہے کہ ابوحنیفہ فقہ کے دقیق مسائل کو بھی خوب پہنچانتا ہے اور علم کی پوشیدہ باریکی و تاریکی کو بھی خوب جانتا ہے۔ ساتھ نور چراغ دل کے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا ہے وھو سراج امتی یعنی وہ میری امت کا چراغ ہے۔ کسی مرد نے امام اعمش سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ اُس مجلس والوں کے پاس چلا جا اور اُن سے دریافت کر کیونکہ جب ان کے پاس کوئی مسئلہ واقع ہو جاتا ہے تو بار بار اس کو آپس میں پھراتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اور جستجو کرتے ہیں یہانتک کہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے اور درست ہو جائے تو تب فتویٰ دیتے ہیں اور وہ حلقہ ابوحنیفہؒ کا ہے اور اسی طرح امام شعبی اور ابن یعلی اور ابن شبرمہ اور ابن مبارک وغیرہ تابعین سے گفتگو ہوتی ہے آخر امام صاحب کی رائے غالب ہوتی ہے اور یہ منصب دوسرے اماموں کو حاصل نہیں ہوا مانند امام مالکؒ اور امام شافعیؒ و احمد بن حنبلؒ پانچویں قسم از فضائل مخصوص امام اعظم یہ ہے کہ بہت سے بزرگوں نے تابعین میں سے امام صاحب سے روایت کی ہے چنانچہ صاحب مسند نے متصل اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ عمرو بن دینار کہ امام صاحب کے استادوں سے ہیں اور کبار علما سے ہوئے ہیں امام صاحب سے انہوں نے روایت کی ہے ایسے عبداللہ بن مبارک و یزید بن ہارون نے امام صاحب سے روایت کی ہے اور امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری نے فرمایا ہے کہ امام صاحب سے عباد بن العوام اور ہشیم اور وکیع اور ہمام بن خالد اور ابو معاویہ ضریر سے روایت کی ہے امام صاحب سے عبدالعزیز بن ابی رواد نے اور عبدالحمید بن ابی رواد نے سفیان بن عیینہ اور فضیل بن عیاض اور داؤد طائی و ابن جریج و عبداللہ بن یزید مقری نے امام صاحب سے نوسو حدیثیں روایت کی ہیں اور سفیان ثوری اور ابن یعلی نے امام صاحب سے ایک حدیث روایت کی ہے اور مسعر بن کدام اور اسمٰعیل بن خالد اور شریک بن عبداللہ اور حمزہ بن حبیب مقری نے امام صاحب سے بہت احادیث روایت کی ہیں اور امام عاصم ابن ابی النجود کہ قراء کا امام ہے اور ابوحنیفہؒ کا استاد ہے قرأت میں امام صاحب کے پاس آتے تھے اور دین کے مسئلے آپ سے پوچھتے تھے اور امام اعظم کے قول پر عمل کرتے تھے اور فرماتے تھے۔

جزاکم اللہ خیراً یا ابا حنیفہ۔ نیز فرماتے تھے کہ اے ابو حنیفہ تم ہمارے پاس بچپن میں آتے تھے اور ہم تیرے پاس بڑھاپے میں آتے ہیں اور خطیب الخطباء خوارزمی نے امام اعظم کے مناقب میں لکھا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے اکابر (سات سو تیس) نے امام صاحب سے حدیث روایت کی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

چھٹی قسم اُن فضائل کی جو امام اعظم کے ساتھ مخصوص ہیں یہ ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار آئمہ تابعین سے علم حاصل کیا ہے۔ چنانچہ صاحب مسند نے روایت کی ہے کہ ایک وقت امام شافعی کے شاگردوں کے درمیان جھگڑا پڑا اور ہر فرقہ اپنے امام کی فضیلت بیان کرتا تھا۔ پس امام ابو عبداللہ بن ابی خوص کبیر نے کہ آئمہ حدیث کے امام ہیں امام شافعی کے شاگردوں کو کہا کہ امام شافعی کے استادوں کا شمار کریں کہ کتنے تھے۔ انہوں نے شمار کیا اور کہا کہ اسی تھے۔ اس کے بعد کہا کہ ابو حنیفہ کے استادوں اور بزرگوں کا شمار کریں۔ شمار کیا گیا تو چار ہزار ہوئے اور ربیع بن یونس کی روایت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ بادشاہ ابو جعفر منصور کے پاس گئے اور اُن کے پاس عیسٰی بن موسٰی عباسی بیٹھا تھا تو عیسٰی نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ ابو حنیفہؒ اس زمانہ میں تمام روئے زمین کا عالم ہے تو منصور نے دریافت کیا کہ اے ابو حنیفہؒ! کس سے تم نے علم حاصل کیا۔ تو امام صاحب نے فرمایا عمرؓ بن خطاب کے شاگردوں سے اور شاگردوں نے عمرؓ سے اور نیز حضرت علیؓ کے شاگردوں سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے اور نیز عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے اور نیز عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے اور ابن عباسؓ کے وقت تمام روئے زمین پر آپ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا تو منصور نے کہا کہ محکم اور مضبوط کیا ہے۔

ساتویں قسم اُن فضائل کی جو امام اعظم کے ساتھ مخصوص ہیں یہ ہے کہ اُن کو ایسے یار اور شاگرد ملے جو اوروں کو نہیں ملے اور جتنے امام اور اہل علم امام صاحب کے زمانے میں ہوئے ہیں اُن کے بعد کسی زمانے میں نہیں ہوئے۔ مثل امام ابو یوسف قاضی یعقوب بن ابراہیم انصاری اور امام ربانی محمد بن حسن

شیبانیؒ اور امام زفر بن ہذیل تھے اور امام حسن بن زیادؒ اور وکیع بن جراحؒ اور عبداللہ بن مبارک مروزی اور امام داود بن نصیر طائیؒ کے تمام سے زاہد تھے اور امام ائمہ حدیث حفص بن غیاث نخعی اور امام محمد بن زکریا اور امام حماد بن امام اعظم اور ابوحنیفہ اور ابو یوسف بن خالد سمتی۔ اور عافیہ بن یزید اودی اور حبان بن علی اور مندل بن علی اور علی بن مسعر و قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود اور اسد بن عمر بجلی قاضی شہر واسط اور نوح بن ابی مریمؒ وغیرہ کہ ان کے ذکر میں طوالت ہو جاتی ہے۔ جب کہ مشہور ہے کہ امام اعظم نے چار ہزار استادوں سے علم حاصل کیا ہے اس طرح چار ہزار آپ کے شاگرد ہیں جو عالم اور فقیہ ہوتے ہیں اور امام اعظم فتویٰ نہیں دیتے تھے جب تک کہ شاگرد ان کو فتویٰ دینے کا حکم نہ کریں۔ جامع مسجد کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور چار ہزار فاضل ان میں چالیس یار حدِ اجتہاد میں پہنچے ہوئے تھے۔ آ حاضر ہوئے اور امام صاحب نے شاگردوں کو فرمایا کہ لوگ مجھ کو فتویٰ دینے کی تکلیف دیتے ہیں اور بارِ گراں میری پشت پر ڈالتے ہیں پس تم میری مدد کرو تو اسی واسطے ہر مسئلہ میں اپنے یاروں اور شاگردوں سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے اور ان سے پوچھتے تھے۔ اور احادیث اور آثار جو ہر ایک کو یاد ہوتے تھے ان سے سنتے تھے اور احادیث و آثار میں دیکھ کر ہر مسئلہ میں بعد ایک مہینہ یا دو مہینے کے فتویٰ دیتے تھے۔ اور ابو یوسف کو فرماتے تھے کہ اب لکھ لیں اسی طرح تمام اصول علم اسی دستور سے اور مشورہ سے لکھا گیا ہے نہ موافق فکر اور اپنی رائے کے۔ اور صاحبِ مسند نے سند متصل کے ساتھ روایت کی ہے کہ کسی شخص نے ایک روز وکیع بن الجراح کی مجلس میں کہا کہ فلاں مسئلہ میں امام ابوحنیفہ نے خطا کی ہے اور وکیع نے کہا کس طرح ابوحنیفہ نے خطا کی ہے۔ حالانکہ آپ کے پاس شاگرد مثل ابو یوسفؒ و محمدؒ اور زفرؒ صاحبان اجتہاد و قیاس میں اور مثل یحییٰ بن زکریا و حفص و حبان و مندل بیٹے علی حافظان حدیث کے ہیں اور مثل قاسم بن معن بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن مسعود جو لغت عربیت کے واقف ہیں اور مثل داؤد بن نصیر طائی و فضیل کہ جو زہد اور پرہیزگاری میں بے مثل ہیں۔ جس شخص کے ایسے یار اور ہم مجلس ہوں تو وہ کیسے خطا کرتا ہے۔ اگر خطا کرتا بھی ہے تب بھی وہ اس کو رجوع کرانے ہیں طرف حق کے۔

اٹھویں قسم اِن فضائل کی جو امام اعظم کے ساتھ مخصوص ہیں یہ ہے جس نے سب سے اول علم شریعت کو جمع کیا ہے اور کتابیں اور باب مرتب کیے ہیں وہ امام اعظم ہیں۔ ان سے پہلے یہ ترتیب نہ تھی۔ بلکہ اپنے قوتِ حافظہ پر اعتبار کرتے تھے۔ جبکہ امام کو علم کے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو تالیف و ترتیب کی بنیاد رکھی۔ اول کتاب الطہارت پھر کتاب الصلوۃ پھر کتاب الصوم پھر تمام عبادات پھر تمام معاملات پھر تمام کے بعد کتاب المیراث اور اُن کے یاروں اور شاگردوں نے بھی کتابیں اسی ترتیب پر تصنیف کی ہیں اور دوسرے اماموں نے بھی یہی ترتیب امام کی کم و بیش کر کے اپنی کتابیں لکھی ہیں اور حرملہ بن یحییٰ امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا ہے اَلرِّجَالُ فِی الْفِقْہِ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ یعنی تمام لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے پرورش پائے ہوئے ہیں اور روایت دوسری اس میں اس طرح ہے کہ قال الشافعی مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْحَثَ فِی الْفِقْہِ فَلْیَلْزَمْ اَبَا حَنِیْفَۃَ وَاَصْحَابَہٗ یعنی جو شخص چاہے کہ میں فقہ میں پورے طریق پر واقف ہوں تو امام صاحبؒ اور ان کے یاروں کو لازم پکڑے اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ کسی شخص نے امام شافعی کے روبرو امام اعظم کی برائیاں بیان کی اور امام شافعی نے فرمایا کہ اے شخص ان کی برائی بیان نہ کر کیونکہ تین حصہ علم ان کو پہنچا ہے اور ایک حصہ باقی آئمہ کو۔ اور امام اس چوتھے حصہ میں بھی شریک ہیں اور اس شخص نے کہا کہ کس طرح تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ علم دو قسم کا ہے ایک سوال دوسرا جواب۔ تمام سوال کو امام صاحب نے وضع کیا ہے تو یہ نصف خاص اسی کے لیے مسلّم ہے اور تمام سوالوں کا جواب بھی دیا ہے اور ان کے بعض جوابوں کو دوسرے آئمہ نے بھی قبول کیا ہے اور بعض جواب میں خلاف کیا ہے پس وہ بعض کو مسلّم رکھتے ہیں وہ بھی ان کے ہی رہے۔ پس تین حصے ان کے لیے مسلّم رہے اور بعض اور میں کہ ربع یعنی چوتھا حصہ ہے۔ امام ابو حنیفہ دوسرے ائمہ کے ساتھ شریک ہیں کم۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرا قول درست ہے اور دوسرے فرماتے ہیں کہ ہمارا قول درست ہے اور مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب کے مسائل پانچ لاکھ تک پہنچے ہیں اور ان کی کتابیں اور ان کے شاگردوں کی کتابیں اُن پر دلالت کرتی ہیں اور ان میں مسائل غامضہ اور مسائل دقیقہ بھی ہیں اور علم نحو اور علم حساب کے دقیقہ پر بھی مشتمل ہیں۔

چنانچہ ماہران علم نحو وحساب ان میں حیران ہوجاتے ہیں اور یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان کو کہ فرماتے ہیں اور یہ دونوں اہل حدیث کے امام اور فاضل ہیں کہ امام اعظم کی رائے سے اور کسی کی رائے بہتر نہیں دیکھی یعنی اس کے قیاس سے اور اس کے قول کو میں نے قبول کیا ہے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

نویں قسم ان فضائل کی کہ امام اعظم کے ساتھ مخصوص ہیں یہ ہے کہ آپ اپنے حلال کسب سے کماکر کھاتے تھے اور اوپر علماء وفقہاء کے خرچ کرتے تھے اور بادشاہوں کے ہدیہ اور عطیہ قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ مسعر بن کدام سے روایت ہے کہ جب امام صاحب اپنے عیال کے لیے کوئی چیز خریدتے تھے تو اسی قدر اوپر بزرگاں اور علماء کے خرچ کرتے تھے۔

جب اپنے واسطے کپڑے لاتے تو علماء کو بھی دیتے اور جب میوہ وغیرہ لاتے تو اس سے بھی ضرور خرچ کرتے اور شفیق بن ابراہیم بلخی نے فرمایا ہے کہ ایک روز میں امام صاحب کے ساتھ تھا کہ ہم ایک مریض کی عیادت کو گئے۔ ایک شخص نے امام صاحب کو دیکھا اور دوسرا راستہ پکڑ لیا پس جب اُس نے معلوم کیا کہ امام صاحب نے مجھ کو دیکھ لیا ہے تو شرمسار ہوکر کھڑا ہوگیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ راستہ سے کیوں جدا ہوگیا تھا۔ تو اُس نے عرض کیا کہ اس واسطے کہ میں نے آپ کے دس ہزار درہم قرضہ دینے ہیں اور بہت مدت ہوگئی ہے۔ مگر ابھی تک مجھ کو ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تو امام صاحب نے فرمایا کہ سبحان اللہ اس حال تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ میں نے وہ دس ہزار درہم تم کو بخش دیے ہیں اور مجھ کو معاف کر کہ جو تیرے دل کو رنج اور مصیبت پہنچی ہے میرے دیکھنے سے شفیق نے کہا کہ میں نے معلوم کیا کہ امام صاحب بڑے متقی ہیں۔ دسویں قسم ان فضائل کی جو امام اعظم کے ساتھ خاص ہیں یہ ہے کہ آپ ظلم کے ساتھ شہید کیے گئے ہیں اور آپ کو قید کیا گیا ہے اور زہر دی گئی ہے۔

آپ کے قصہ شہادت میں بہت اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ بغداد میں قید کی حالت میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ امام شعبیؔ بادشاہ منصور کے قاضی تھے اور بادشاہوں نے اپنے غلاموں کو زمین دی اور کاغذ لکھا اور کوتوال کو حکم دیا کہ اس کاغذ پر قاضی کی مہر

اور دیگر علماء کی مہریں لگاکر ہمارے پاس لے آ۔

۔اس کاغذ پر قاضی نے اور باقی علماء نے مہریں لگادیں جب امام اعظمؒ کے پاس پہنچا تو کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ اس کاغذ پر اپنی گواہی کی مہر لگائیں تو امام صاحب نے دریافت کیا کہ بادشاہ کہاں ہے کوتوال نے کہا کہ اپنے مکان پر ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں بغیر بادشاہ کے حاضر ہونے اور بغیر اُس کے کلام سننے کے گواہی نہیں کرتا۔ کوتوال نے کہا کہ قاضی اور باقی علماء نے گواہی کردی ہے تم کیوں نہیں کرتے تو امام صاحب نے فرمایا کہ یہ ہر ایک کا معاملہ اُس کے نفس پر ہے جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو امام شعبی کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ گواہی دینے کے لیے مشہود اور مشہود علیہ کی حاضری ضروری ہے تو شعبی نے کہا ہاں ضروری ہے تو بادشاہ نے کہا کہ تم نے کیوں مہر کی ہے بغیر میرے دیکھنے کے شعبی نے کہا کہ میں جانتا ہوں لیکن تیرے حکم کی اطاعت کی ہے اور تیرے حاضر کرنے پر میں قدرت نہیں رکھتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا یہ بات حق سے بعید ہے تو قاضی کو قضا سے معزول کردیا اور اس بات پر مصلحت ٹھہری کہ ابوحنیفہ اور شریک اور سفیان ثوری اور مسعر بن کدام ان چاروں میں سے ایک قاضی بنایا جائے۔ ان چاروں کو بُلایا گیا۔

راستہ میں ان کو امام صاحب نے فرمایا کہ میں کوئی عذر بنالوں گا اور سفیان یہاں سے بھاگ جائے اور مسعر اپنے آپ کو مجنون بنالے اور شاید کہ شریک قبول کرلے۔ بسبب اپنی دانائی اور زیرکی اور فراست کے تقریر کی۔ اسی طرح واقعہ پیش آیا۔ سفیان ثوری بسبب بہانہ قضائے حاجت کے بھاگ گئے اور کشتی کے پاس آئے اور کشتی بان کو کہا کہ میرے پیچھے ایک مرد ہے میرے قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس ملاح نے سفیان ثوری کو کشتی کے تختوں میں پوشیدہ کردیا اور قتل کرنے میں ارشاد اس حدیث کی طرف کیا ہے۔ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ۔ یعنی جو شخص کہ قاضی بنایا جائے درمیان لوگوں کے پس وہ ذبح کیا جاتا ہے بغیر چھری کے۔ باقی کے تینوں بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ مسعر نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ آپ منصور ہیں۔ آپ کے اہل و عیال کا کیا حال ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ دیوانہ ہے اس کو باہر نکال دیں اور امام اعظمؒ کو کہا کہ آپ

عہدۂ قضا قبول کرلیں اور امام صاحب نے فرمایا کہ میں مردِ بزاز ہوں اور کوفہ کے لوگ مجھ سے کپڑا وغیرہ خریدتے ہیں۔ عرب کے اشراف لوگ میری قضا کو قبول نہیں کریں گے۔ بادشاہ نے کہا یہ کام علم کے متعلق ہے نسب کے۔ امام صاحب نے کہا کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں۔ اگر میں اس بات میں سچا ہوں تو عدم لیاقت ثابت ہوگی۔ اگر میں نے جھوٹ بولا ہے تو جھوٹا آدمی قضا کے لائق نہیں ہے۔ بادشاہ خاموش ہوگیا اور شریک کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ تم عہدہ قضا کو قبول کرو۔

انہوں نے کہا کہ سودائی مزاج والا ہوں اور ضعیف دماغ ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ کا علاج کیا جائے گا تو آپ کا دماغ مقوّی ہو جائے گا تو شریک کو قاضی بنایا گیا۔ اور امام صاحب سے عداوت روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔ چند روز کے بعد پھر امام صاحب کو طلب کیا گیا اور کہا کہ آپ قضا قبول کرلیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں۔ بادشاہ نے کہا آپ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ آپ لائق ہیں۔ امام صاحب نے کہا اگر آپ کا کلام سچ ہے تو بڑا تعجب ہے کہ بادشاہ اسلام جھوٹے آدمی کو قاضی بنائے وگرنہ تو عدم لیاقت میری ثابت ہوگی۔

بادشاہ نے قسم کھائی کہ میں خواہ مخواہ تم کو قاضی بناؤں گا اور امام صاحب نے قسم کھائی کہ میں بالکل قضا قبول نہ کروں گا۔ حاصل قصہ کا یہ ہے کہ امام صاحب کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا اور حکم کیا۔ ہر روز آپ کے سر پر کوڑے لگائے جائیں۔

امام صاحب نے فرمایا کہ دنیا میں کوڑے کھانے بہتر ہیں آخرت کے گرم گرزوں سے آپ کا چہرہ مبارک اور سر مبارک ورم کر گیا اور دسویں روز جب سو تازیانہ پورے ہوگئے اور آپ نے سر مبارک کو سجدہ میں رکھ کر جان کو بدبار رب العالمین کے تسلیم کیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

اور یہ واقعہ ۱۵۰ھ میں ہوا ہے اور مہینہ رجب میں اور بقول بعض کے دسویں روز آپ کو زہر دی گئی ہے اور آپ کی عمر اس وقت ستر سال کی تھی۔

کہتے ہیں کہ آپ کی نمازِ جنازہ پانچ مرتبہ پڑھی گئی ہے بسبب کثرت مخلوق کے اور شہر بغداد کے مقبرہ خیزران میں دفن کیے گئے۔

كذا في تاريخ ابن خلفان : والله تعالى اعلم بحقيقته الحال و

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد

وآله واصحابه اجمعين ورحمة الله على ابي حنيفة واصحابه

واحبابه اجمعين الى يوم الدين

آمين ثم آمين

حصّہ نظم

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ
هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا بار بار ذکر کرو، کیونکہ وہ مشک کی مانند ہے اسے جتنا بکھیریں خوشبو آتی ہے

جواھر البحار (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

امام المسلمین ابو حنیفہ

از حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا ... اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُوْ حَنِيْفَة

بِاَحْكَامٍ وَّ آثَارٍ وَّ فِقْهٍ ... كَآيَاتِ الزَّبُوْرِ عَلٰى صَحِيْفَة

فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهٗ نَظِيْرٌ ... وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوْفَة

يَبِيْتُ مُشَمِّرًا سَهَرَ اللَّيَالِيْ ... وَصَامَ نَهَارَهٗ لِلّٰهِ خِيْفَة

وَصَانَ لِسَانَهٗ عَنْ كُلِّ اِفْكٍ ... وَمَا زَالَتْ جَوَارِحُهٗ عَفِيْفَة

يَعِفُّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالْمَلَاهِيْ ... وَمَرْضَاةُ الْاِلٰهِ لَهٗ وَظِيْفَة

رَأَيْتُ الْعَائِبِيْنَ لَهٗ سَفَاهًا ... خِلَافَ الْحَقِّ مَعْ حُجَجٍ ضَعِيْفَة

وَكَيْفَ يَحِلُّ اَنْ يُّؤْذٰى فَقِيْهٌ ... لَهٗ فِي الْاَرْضِ آثَارٌ شَرِيْفَة

وَقَدْ قَالَ ابْنُ اِدْرِيْسٍ مَقَالًا ... صَحِيْحَ النَّقْلِ فِيْ حِكَمٍ لَطِيْفَة

بِاَنَّ النَّاسَ فِيْ فِقْهٍ عِيَالٌ ... عَلٰى فِقْهِ الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِيْفَة

فَلَعْنَةُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ
عَلٰى مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِيْ حَنِيْفَة ۱؎

کتبہ: شاہ سید حسینی قادری

۱؎ در المختار و رد المحتار، جلد اول، ص ۵۷، ۵۹

امام المسلمین ابو حنیفہ

ترجمہ : مولانا عبدالحکیم شرف قادری لاہور

- امام المسلمین ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہروں اور شہریوں کو زینت بخشی ،
- احکام (قرآن)، آثار (احادیث) اور فقہ سے ، جیسے صحیفہ میں زبور کی آیات نے ،
- کوفہ بلکہ مشرق و مغرب میں ان کی نظیر نہیں ملتی (یعنی روئے زمین میں ان جیسا کوئی نہیں ہے)
- (آپ) عبادت کیلئے مستعد ہو کر بیداری میں راتیں بسر کرتے اور خوفِ (خدا) کی وجہ سے دن کو روزہ رکھتے ۔
- انہوں نے اپنی زبان بہتان طرازی سے محفوظ رکھی اور ان کے اعضاء (ہر گناہ سے) پاک رہے ،
- آپ لہو و لعب اور حرام کاموں سے بچے رہے ، رضاءِ الٰہی (کا حصول) آپ کا وظیفہ تھا ۔
- امام اعظم کے نکتہ چین بے وقوف ، مخالفِ حق اور کمزور دلائل والے ہیں ۔
- ایسے فقیہ کو کسی بھی وجہ سے تکلیف دینا کیونکر جائز ہے جس کے علمی فیوض تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ۔
- حالانکہ صحیح روایت میں لطیف حکمتوں کے ضمن میں امام شافعی نے فرمایا کہ :
- "تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کی فقہ کے محتاج ہیں ۔"
- ریت کے ذروں کے برابر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ۔ جو امام ابو حنیفہ کے قول کو مردود قرار دے ۔

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ عقیدت بحضور سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

آں امامانے کہ کردند اجتہاد / رحمتِ حق بر روانِ جملہ باد

بوحنیفہ بُد امامِ باصفا / آں سراجِ امتانِ مصطفیٰ

باد فضلِ حق قرینِ جانِ او / شاد باد ارواحِ شاگردانِ او

صاحبش بویوسف قاضی شدہ / وز محمد ذوالمنن راضی شدہ

شافعی، ادریس، مالک بازفر / یافتہ زیشاں دینِ احمد زیب وفر

احمدِ حنبل کہ بُود او مردِ حق / در ہمہ چیز از ہمہ بُردہ سبق

روحِ شاں در صدرِ جنت شاد باد / قصرِ دیں از علمِ شاں آباد باد

بہ بارگاہِ امام الائمہ کاشف الغمہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی

ہمارے آقا، ہمارے مولیٰ، امامِ اعظم ابوحنیفہ
ہمارے ملجا ہمارے ماویٰ امامِ اعظم ابوحنیفہ

زمانہ بھر نے زمانہ بھر میں بہت تجسس کیا ولیکن
ملا نہ کوئی امام تم سا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

سپہرِ علم و عمل کے سورج تمہی ہو سب ہیں تمہارے تارے
تمہی[۱] سے چمکا ہے جو بھی چمکا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

تمہارے آگے تمام عالم نہ کیوں کرے زانوئے ادب خم
کہ پیشوایانِ دیں نے مانا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

نہ کیوں کریں ناز اہلِ سنت کہ تم سے چمکا نصیبِ امت
سراجِ امت ملا جو تم سا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

خدا نے تجھ کو وہ دی ہے رفعت کہ تیرا منسوب بھی ہے مرفوع
تری اضافت[۲] میں رفع پایا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

ہوا اولی الامر[۳] سے ثابت کہ تیری طاعت اہم واجب
خدا نے تم کو کیا ہمارا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

کسی کی آنکھوں کا نور ہے تو کسی کے دل کا بنا سہارا
مگر کسی کے جگر میں آرا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سارے ہوتے مشرک
بخاری[۴] و مسلم، ابنِ ماجہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ

کہ جتنے فقہا محدثین ہیں تمہارے خرمن کے خوشہ چیں ہیں
ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ

سراج[۵] تو ہے بغیر تیرے جو کوئی سمجھے حدیث و قرآں
پھرے بھٹکتا نہ پائے رستہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ

خبر لے اے دستگیرِ امت ہے سالک بے خبر بہ شدت
وہ تیرا ہو کر پھرے بھٹکتا، امامِ اعظم ابوحنیفہ

---

۱ باقی ائمہ مجتہدین امامِ اعظم کے یا تو شاگرد ہیں یا شاگردوں کے شاگرد۔ امام شافعی کی والدہ سے امام محمد نے نکاح کیا اور ان کی تصنیفات سے امام شافعی نے بہت فائدہ حاصل کیا۔ امام مالک نے فقہ میں امام محمد کی شاگردی کی اور حدیث میں امام محمد نے ان کی شاگردی کی۔ ۲ بقاعدۂ نحو، اضافت سے کسرہ ہوتا ہے مگر امامِ اعظم کی اضافت نے رفع یعنی بلندی دی ۳ قرآن میں ہے واطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یعنی خدا اور رسول اور امر والوں کی اطاعت کرو اور وہ علمائے حقانی ہیں خصوصاً مجتہدین ۴ وہابی تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں اور مشرک کی روایت حدیث معتبر نہیں حالانکہ مسلم اور ترمذی سارے محدثین مقلد ہی ہیں، تو ان میں سے کسی کی روایت معتبر نہیں ہونی چاہئے۔ امام بخاری بہت سے حنفی محدثین کے شاگرد ہیں دیکھو عینی شرح بخاری۔ اور دیگر محدثین امام بخاری کے شاگرد تو بواسطہ تقریباً تمام محدثین امام اعظم کے شاگرد ہوئے ۵ حضرت امام کا لقب ہے سراج الامۃ یعنی امت کے چراغ۔ جو کوئی بغیر چراغ کے حدیث پڑھے گا وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

جناب حفیظ تائب

منقبت

خدا کی اِک آیۂ شریفہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ
رسولِ مقبول کا خلیفہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ

فقیہ سارے عیال جن کے، امام مانیں کمال جن کے
وہ حجّت و صدق کا صحیفہ امامِ اعظم ابوحنیفہ

سلوک و عرفان کی علامت زفرق تابہ قدم کرامت
امامِ اعظم ابوحنیفہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ

زمانہ ہر عہد ہر صدی میں کریگا اخذِ فیوض جس سے
جہاں میں وہ ہستیٔ منیفہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ

وہ جس سے اذہان ہیں معنبر وہ جس سے تائبؔ بسا ہے گھر گھر
حدیث کی نکہتِ لطیفہ امامِ اعظم ابوحنیفہ

جناب حنیظ تائب

بہ بارگاہِ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ

نگہبانِ شریعت حضرتِ نعمان بن ثابت
حدی خوانِ طریقت، حضرتِ نعمان بن ثابت

سراجِ امّت و مشکوٰۃِ ملّت، مشعلِ قدرت
مہِ چرخِ فقاہت، حضرتِ نعمان بن ثابت

عَلَم بردارِ سنّت، حُجّۃ اللہ، آیۂ رحمت
قطیعِ رفض و بدعت، حضرتِ نعمان بن ثابت

تفقہ میں بھی لاثانی، تدبّر میں بھی لاثانی
امامِ اہلِ سنّت، حضرتِ نعمان بن ثابت

سراپا ورع و تقویٰ، سربسر ایمان و حق گوئی
مجسّم علم و حکمت، حضرتِ نعمان بن ثابت

رسولِ دوسرا نے جن کی آمد کی بشارت دی
وہی آقائے نعمت، حضرتِ نعمان بن ثابت

ہوئی تدوینِ علمِ شرع تائب جنکے ہاتھوں سے
وہ فرزندِ رسالت، حضرتِ نعمان بن ثابت

عقیدت کے پھول

ابوالطاہر فدا حسین فدا
مدیر اعلیٰ مہرِ ماہ - لاہور

امام ابو حنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں

اک عکسِ جمالِ فطرت ہے تصویر امامِ اعظم کی
ہیں نقش و نگارِ روئے نبی تحریر امامِ اعظم کی

اللہ رے نطقِ روحِ قدس تقریر امامِ اعظم کی
ہے ارض و سما میں گونج رہی تکبیر امامِ اعظم کی

ہر ذکر حدیث و قرآں ہے، ہر فکر اساسِ ایماں ہے
تائیدِ جنابِ ایزد ہے تدبیر امامِ اعظم کی

مثلِ بُرشِ تیغِ یداللّٰہی اور قاطعِ باطل، سیفِ زباں
دیکھی ہے سلاطیں نے چلتی شمشیر امامِ اعظم کی

وہ بقعۂ نورِ عشق بنا اور مہبطِ سرِّ الوہیت
جس ظلمت خانۂ دل پہ پڑی تنویر امامِ اعظم کی

مدّاح زباں سوسن کی ہوئی مخمور ہے چشمِ نرگس بھی
ہر جنس نظر آتی ہے یہاں نخچیر امامِ اعظم کی

ہے حق و صداقت کی مظہر مہمیز پئے تکذیب و خطر
تحریر امامِ اعظم کی، تقریر امامِ اعظم کی

مقبولِ خدائے واحد ہیں، محبوبِ رسولِ اکرم ہیں
سبحان اللہ! ماشاء اللہ، تقدیر امامِ اعظم کی

ہیں مظہرِ نورِ نبوت بھی، تزئینِ حریمِ وحدت بھی
ہے کوششِ ملت و شرعِ نبی تعمیر امامِ اعظم کی

ہے جن و بشر کا ذکر ہی کیا کہتے ہیں یہ حور و غلماں تک
لاریب بیاں کرتے ہیں سبھی تطہیر امامِ اعظم کی

اللہ رے اوجِ بختِ رسا یہ عظمتِ صاحبِ رشد و ہدیٰ
ہے محفلِ کون و مکان و زماں جاگیر امامِ اعظم کی

ہے جاہل و حاسد کور نظر اور دین سے بھی وہ بیگانہ
جو راندۂ درگہ کرتا ہے تحقیر امامِ اعظم کی

لمعاتِ جمالِ ماہِ عرب ہوں کیوں نہ فروزاں دل میں فداؔ
ہے میرے تصور میں ہر دم تصویر امامِ اعظم کی

منقبتِ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام تم سا نہ کوئی دیکھا امامِ اعظم ابو حنیفہ
جہان میں ہے تمہارا چرچا امامِ اعظم ابو حنیفہ

ہے آج بھی تم سے فقہ زندہ امامِ اعظم ابو حنیفہ
اصل میں تم ہو اس کے مسیحا امامِ اعظم ابو حنیفہ

وہ اخترِ خاورِ شریعت، وہ بدرِ چرخِ کتاب و سنّت
خوشا وہ مہرِ منیر آیا امامِ اعظم ابو حنیفہ

اصولِ فقہ بنانیوالے رموزِ قرآں پانیوالے
ہیں آپ ہر علم و فن میں یکتا امامِ اعظم ابو حنیفہ

کریم کا ہے کرم نرالا تمہیں عطا کی ہے فقہ اکبر
رواں ہے جگ میں تمہارا سکّہ امامِ اعظم ابو حنیفہ

ترے دُرر ہیں ترے غرر ہیں تری ہے تنویر کنز وکافی
تری وقایہ، تری ہدایہ امامِ اعظم ابو حنیفہ

تمہیں تو اختر کے پیشوا ہو تم اسکی کشتی کے ناخدا ہو
مدوّنِ شرعِ شاہِ والا امامِ اعظم ابو حنیفہ

(مولانا اختر شاہجہانپوری مظہر صاحب)

منقبتِ امامِ اعظم حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

زباں ہر دم مری مدحت سرائے بُوحنیفہؒ ہے
میں حنفی ہوں، میرے دل میں ولائے بُوحنیفہؒ ہے

جھکاتے ہیں فقیہانِ زمانہ سر جہاں آکر
وہ رشکِ آسماں دولت سرائے بوحنیفہؒ ہے

سراجِ بزمِ عرفاں ہیں، چراغِ راہ ایماں ہیں
جہاں جس سے ہے روشن، وہ ضیائے بوحنیفہؒ ہے

عطا حق نے کیا ہے تابعیّت کا شرف ان کو
جو طالب ہے ہدایت کا، فدائے بوحنیفہؒ ہے

بنے شاگرد اُن کے رہنما راہِ حقیقت کے
مُسلّم دہر میں عزّ و علائے بوحنیفہؒ ہے

صدارت کا ملا منصب اُنہیں بزمِ شریعت میں
جہانِ علم کی عظمت برائے بوحنیفہؒ ہے

امامِ اعظمِ اہلِ شریعت ہے لقب اُن کا
نشانِ جادۂ حق نقشِ پائے بوحنیفہ ہے

پیاس اپنی بجھائیں تشنگانِ علمِ دیں آکر
کھلا شام و سحر بابِ عطائے بوحنیفہ ہے

خُدا کے فضل سے، ختم الرسلؐ کی چشمِ رحمت سے
زباں محمود کی وقفِ ثنائے بوحنیفہ ہے

راجا رشید محمود

تواریخِ ولادت و وصال

سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نتیجۂ فکر:- جناب مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم و مغفور

بوحنیفہ آں امامِ ذو اکرام — مستفیض آمد ز فیضش خاص و عام
نیک صورت، نیک سیرت، نیک روز — نیک خوی و نیک خواہ و نیک نام
٨٠ ٨٠ ٨٠ — ٨٠ ٨٠ ٨٠

سالِ تولیدش بہ قولِ اہلِ سیر — بے نیاز آمد یکے، ثانی امام
٨٠ ٨٢

کن رقم سلطاں بسالِ وصلِ او — طالب حق گوی و محبوبِ انام
١٥٠ — ١٥٠ ١٥٠

شد قوی دل، سالِ ترحیلش عیاں — مہدیٔ کامل رقم کن والسلام
١٥٠ — ١٥٠

سیف خوان سالش، دگر بارہ علیم — ہم بخواں اوجِ[١] علمش لا کلام
١٥٠ ١٥٠ — ١٥٠

قطب از دوراں[٢] سفر کرد اے دریغ — بہرِ وصلِ آں شہِ والا مقام
١١١ ٢٦١
١١١
١٥٠

(گنجینۂ سروری معروف بہ اسم تاریخی گنج تاریخ)

---

١ "اوجِ علم" سے تاریخ نکالی ہے ١٢

٢ دوراں (٢٦١) سے قطب (١١١) نکال دیجئے تو ١٥٠ رہ گئے۔

۵ ـ حضرت امام اعظم کے سالِ ولادت و وفات اور سنینِ عمر کے متعلق ہمارے محترم بزرگ عمدۂ علمائے زماں، زبدۂ فضلائے دوراں حضرت مولانا محمد اعظم حنفی قادری نوشاہی برقنداری میرووالی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۷۵ھ نے کئی مادہ ہائے تاریخ نکالے تھے جن سے ان کا امام اعظم کے ساتھ عشق اور علمی و اسمی مناسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت امام اعظم کی فضیلت و کمالیت اور مولانا محمد اعظم کی قابلیت اور یادگار کے طور پر یہاں درج کئے جاتے ہیں:

مادہ ہائے تاریخِ ولادت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

اسماءِ الٰہی سے: ۱۔ حسیب ۸۰۔ ۲۔ حی، حمید ۸۰۔

دیگر: ۳۔ زکی جلی ۸۰۔ ۴۔ حبا، طابا، مطیبا ۸۰۔

۵۔ نیک ۸۰۔ ۶۔ حبیب محبوب ۸۰۔

مصرعہ: پیدا ہوا، حبیب حبیب اِلٰہ، آج

مادہ ہائے سنینِ عمر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حروفِ مقطعات سے: ۱۔ یٰسٓ ۷۰۔

دیگر: ۲۔ ھادی الھدیٰ ۷۰۔ ۳۔ ہادیٔ کل ۷۰۔ ۴۔ اہلِ دل ۷۰۔

۵۔ حامد زاہد ۷۰، ۶۔ حسب ۷۰،

مادہ ہائے تاریخِ وفات حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حروفِ مقطعات سے: ۱۔ قٓ نٓ ۱۵۰۔

اسماءِ الٰہی سے: ۲۔ علیم ۱۵۰، ۳۔ حلیم حمید ۱۵۰،

۴۔ یا ولی الحمید ۱۵۰، ۵۔ قیّم ۱۵۰،

دیگر: ۶۔ الاحسن ۱۵۰، ۷۔ انہ عزیز ۱۵۰،

۸۔ امام الاول ۱۵۰، ۹۔ امام الھدیٰ ۱۵۰، ۱۰۔ قلب حی ۱۵۰، ۱۱۔ معلّی ۱۵۰،

۱۲۔ بعم الایمان ۱۵۰، ۱۳۔ جید الایمان ۱۵۰، ۱۴۔ وھوالایمان ۱۵۰، ۱۵۔ ھادی مکمل ۱۵۰

۱۶۔ ھادی دین اللہ ۱۵۰، ۱۷۔ موید الھدیٰ ۱۵۰، ۱۸۔ حبیب نبی اللہ ۱۵۰، ۱۹۔ جار الی اللہ زکیا ۱۵۰

۲۰۔ کان جوادنجیا ۱۵۰، ۲۱۔ حسیب الحال ۱۵۰، ۲۲۔ پاک دل و پاک دین ۱۵۰۔

قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

"اُجلا ہوا دو جگ" کہ ہوا پیدا جب امام ـــ عامل تھا بر کتابِ خدا، سنتِ رسول

معروف تھا عبادتِ حق میں وہ رات دن ـــ درگاہِ حق میں جاتے ہی یاں سے ہوا قبول

قطعۂ تاریخِ وفات

امامِ پاک حضرتِ بوحنیفہ ـــ کہ ہر دم نامِ حق بودش وظیفہ

چو از دنیا برفت آں حق مجسم ـــ "ہوا الحق" سالِ رحلت داں لطیفہ

مصرعہ: دل صدق سے کے جاتے رہے وہ، امامِ دین ۱۴۶ + ۴ ! ۱۵۰ھ

تاریخ ولادت و وفات حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

ان سألك عبد من عباد الله ولادت فقل : الله احمد

وان سألك عن انتقاله من الدنيا الى الله فقل : الله الواهب الابد

حضرت امامِ اعظم کے اسمِ مبارک کی بسم اللہ شریف سے عددی مطابقت

بسم الله الرحمن الرحيم ، الامام الهمام ابو حنيفه

عـہ ان دونوں مادہ ہائے تاریخ میں "اللہ" کے لام کی فتح کا ایک عدد شمار کیا گیا ہے۔ عـہ بسم اللہ دراصل باسم اللہ ہے اس لئے الف کا ایک عدد ۷۸۶ میں جمع ہوا تو ۷۸۷ اعداد ہو گئے۔

نعت بحضور حبیبِ ربُّ العالمین صلے اللہ علیہ وسلم

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مِرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

بَرستا نہیں دیکھ کر ابرِ رَحمت
بَدوں پر بھی برسا دے برسانے والے

مدینے کے خطے خدا تجھکو رکھے،
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

مَیں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو!
کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے

ترا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں مُنکر عجب کھانے غرّانے والے

رضاؔ نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا،
کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

اعلیحضرت فاضل بریلوی جناب رضا قدس سرہٗ

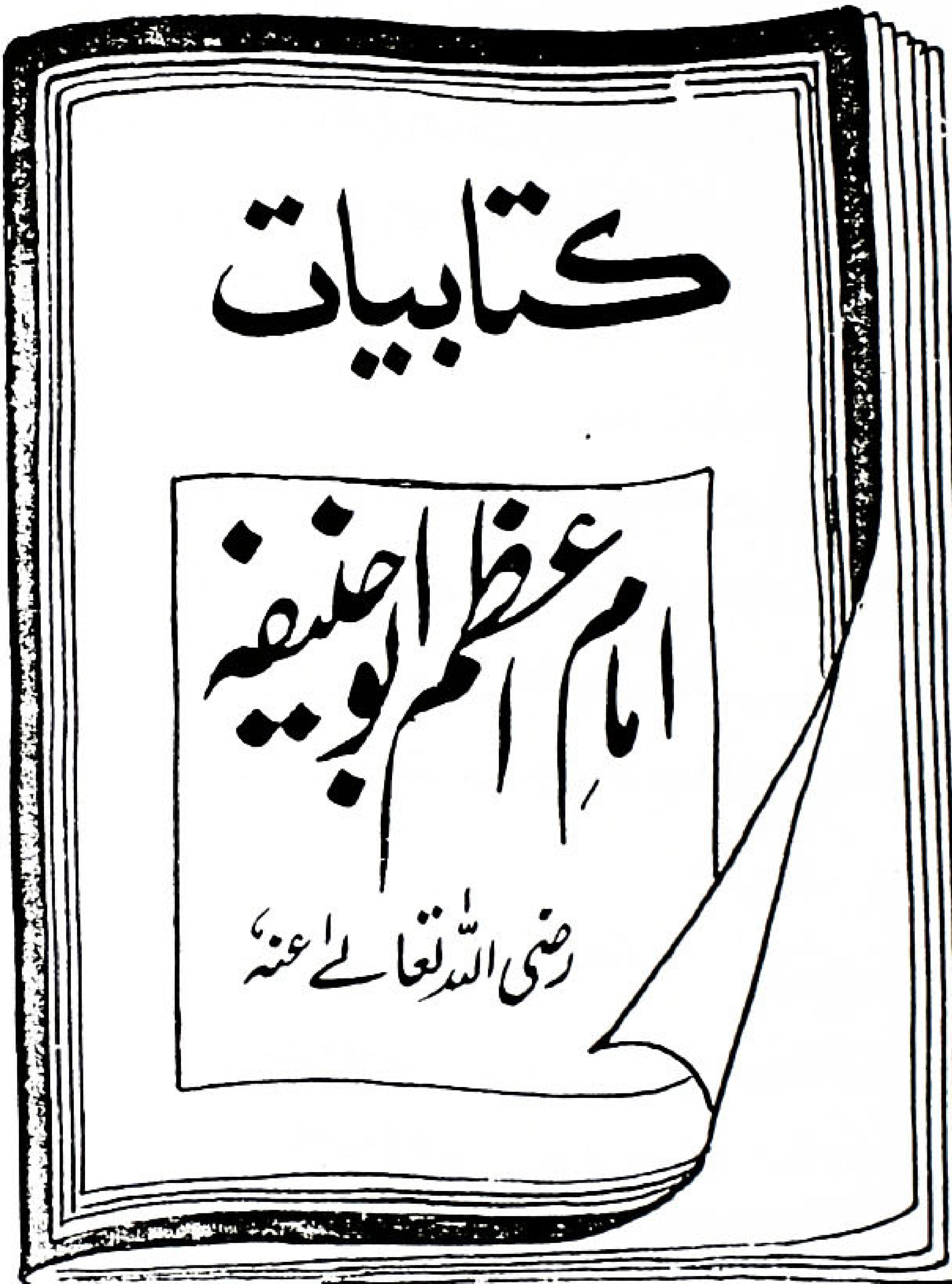

کی زندگی کے مآخذ

مُرتبہ

سید رضا اللہ شاہ عارف نوشاہی، مکتبہ نوشاہیہ ساہنپال شریف ضلع گجرات

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ نے قرآن و سنت اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روشنی میں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق قوانین وضع کئے۔ ان کے استنباط کردہ قوانین و احکام کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ دنیائے اسلام کے غالب حصہ

نے انہیں اپنا لیا۔ آج مسلمان دنیا کا اسّی فیصد حصہ فقہ حنفی کا پیروکار ہے اور باقی بیس فیصد مسلمان آبادی دوسرے ائمہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کی فقہی آراء اور استنباط کے مطابق مراسم زندگی ادا کر رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ہمیشہ سے فقہ حنفی رائج رہی ہے اور جس قدر کتب فقہ لکھی گئی ہیں ان میں تقریباً ننانوے فیصد فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔

ادارہ ماہنامہ "نورِ اسلام" نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی یاد میں خصوصی اشاعت پیش کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے متعلق "کتابیات" تیار کرنے کا خوشگوار لیکن مشکل کام میرے ذمہ لگایا گیا۔ میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں؟ قارئینِ کرام خود اندازہ فرمالیں گے۔

میں نے کتابیات میں صرف انہی کتب کا ذکر کیا ہے جو امام اعظم کی حیات اور ان کے اذکار پر مشتمل ہیں۔ فقہ حنفی کے مطابق تیار کی گئی کتب کو نہیں لیا گیا۔ اگر وہ بھی شامل کی جاتیں تو "کتابیات" خاصی طویل ہو جاتی جو "نورِ اسلام" کے کئی صفحات گھیر لیتی، نیز اصولی طور پر انہیں قانون کی کتابیات میں شامل ہونا چاہیے۔

اس کام میں جن اہلِ علم حضرات نے مجھ سے تعاون فرمایا ہے ان کا پُرخلوص شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے اسمائے گرامی درج کرتا ہوں:۔

۱۔ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری۔ ریلوے روڈ لاہور (محرک)

۲۔ پروفیسر اختر راہی صاحب۔ گورنمنٹ کالج مری

۳۔ جناب محمد اقبال مجددی لیکچرار شاہ حسین کالج لاہور

۴۔ آقائے محمد حسین تسبیحی ایرانی، کتابخانہ گنج بخش راولپنڈی

۵۔ مولانا محمد یعقوب فراہی (افغانستانی)

۶۔ مولانا محمد منشا تابش قصوری۔ مریدکے

۷۔ سید قدوس اختر نوشاہی۔ ساہنپال شریف

۸۔ محترمہ قطب النساء پاشا بیگم صاحبہ۔ راولپنڈی

۹۔ مولانا محمد عالم مختار حق صاحب۔ لاہور۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ان کے علم میں موضوعِ مذکور پر اگر کوئی مزید کتاب ہو تو مجھے اطلاع دیں تاکہ یہ "کتابیات" مکمل ہو جائے۔

عربی کتب

الابانہ — قاضی ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم

ابوحنیفہ — محمد ابوزہرہ ۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۰ء

ابوحنیفہ — ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ ۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۷ء یا ۱۹۵۷ء

ابوحنیفہ بطل الحریۃ والتسامح فی الاسلام ، عبدالحلیم جندی ۔ مطبوعہ ۱۳۸۶ھ

الاثمار الجنیہ فی طبقات الحنفیہ ، ملا علی قاری

الاجوبۃ المنیفہ عن اعتراضات ابن ابی شیبہ علیٰ ابی حنیفہ ، حافظ قاسم بن قطلوبغا

اخبار ابی حنیفہ — قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی العوام

اخبار ابی حنیفہ واصحابہ — امام طحاوی

اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ — ابو یوسف

اعلام الموقعین — ابن القیم

الفیہ فی المعانی والبیان المسمّیٰ بعقود الجمان (منظوم) جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد السیوطی مطبوعہ تہران ۱۳۱۶ء

اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفہ وروایۃ ابی حنیفہ عن مالک : محمد زاہد کوثری

الامامۃ والسیاسۃ — ابن قتیبہ

الانتصار لمذہب ابی حنیفہ — ابوبکر

الانتصار — یوسف بن فرغلی سبط ابن الجوزی

الانتصار والترجیح — عمر بن محمد بن سعید الموصلی

الانتقاء — امام ابوعمر بن عبدالبر

اکمال فی اسماء الرجال — امام ولی الدین الخطیب (صاحب المشکوٰۃ)

الانتقاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء ، قاضی ابن عبدالبر ، المتوفی ۴۶۳ھ (صاحب کتاب الاستیعاب)

الانساب — سمعانی

البدایہ والنہایہ — ابن الاثیر

البدایہ والنہایہ — ابن کثیر ابو الفداء حافظ عماد الدین اسمٰعیل ابن عمر، مطبوعہ مصر ۱۳۵۸ھ

البدایہ والنہایہ — ابن تیمیہ

الجواہر المضیہ/ابستان فی مناقب النعمان — شیخ محی الدین عبد القادر بن ابی الوفاء القرشی، المتوفی ۷۷۵ھ

البنایہ — علامہ بدر الدین عینی

تاج التراجم فی الطبقات الحنفیہ — قاسم بن قطلوبغا

تاریخ ابن خلدون مع المقدمہ — ابن خلدون

تاریخ ابن خلکان — ابن خلکان

تاریخ ال سلام — حسن ابراہیم حسن

تاریخ بغداد — حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۹ھ

ترجمۃ النعمان بن ثابت الامام ابی حنیفہ، (الجزء الثالث عشر من تاریخ بغداد)، مطبوعہ کراچی، قاہرہ

تاریخ صغیر — البخاری

تاریخ طبری — طبری

تاریخ الفقہ الاسلامی — علی حسن عبد القادر

تانیب الخطیب علی ساقہ فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب، محمد زاہد کوثری

تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن، مطبوعہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۳۰ھ

تذکرۃ الحفاظ — الامام الذہبی

تذکرۃ حفاظ الحدیث

تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان، ابو سفیان بن کاس

تذہیب تہذیب الکمال (خلاصہ تذہیب التہذیب) — علامہ صفی الدین خزرجی

تلامیذ ابی حنیفہ — علامہ محمد محبوب علی خان قادر۔

تہذیب الاسماء واللغات — محی الدین نووی

تہذیب التہذیب — حافظ ابن حجر عسقلانی

جامع الانوار — امام محمد بن عبد الرحمٰن غزنوی

جمع حدیث ابی حنیفہ	امام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد الانصاری و حافظ محمد بن مخلد دوری
الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ	شیخ عبدالقادر بن ابی الوفاء القرشی
حجۃ اللہ البالغہ	الشاہ ولی اللہ الدہلوی
حیاۃ الامام ابی حنیفہ	سید عفیفی، مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ھ
حیاۃ الحیوان	الجاحظ
الخمیس	الدیار البکری
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	شیخ شہاب الدین ابن حجر المکی
دائرۃ المعارف البستانی	
دائرۃ المعارف النظامیہ	مطبوعہ دکن
الدر المنیفہ فی الرد علی ابن ابی شیبہ فیما اوردہ علی ابی حنیفہ	عبدالقادر القرشی
دول الاسلام	الامام الذہبی مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۷ھ
الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذاہب	ابن فرحون المالکی
دستور العلماء	مطبوعہ انڈیا
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی
رفع الملام عن الائمۃ الثلاثۃ الاعلام	ابن تیمیہ، مطبوعہ مصر
الروضۃ العالیۃ المنیفہ	امام احمد بن طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ (صاحب معانی الآثار)
شرح مختصر کرخی	ابو الحسین قدوری
شرح المنار	ابن عبد الملک
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ (صاحب الکشاف)
الشقائق النعمانیہ	مطبوعہ ترکی ۱۸۹۰ء
ضحی الاسلام	احمد امین بک
طبقات	محمد بن عمر حفید آق شمس الدین
طبقات	ابن سعد (مطبوعہ بیروت)

طبقات	امام مسعود شیبہ بن عماد الدین سندی ؒ
طبقات	تقی الدین تمیمی
طبقات	شمس الدین ابن آجا محمد بن محمد
طبقات	شیخ ابراہیم حلبی
طبقات	صلاح الدین عبداللہ بن محمد مہندس
طبقات الحنفیہ	علامہ کفوی
طبقات السنیہ	
طبقات الشافعیہ	ابوبکر سید محمد بن ہدایت اللہ الحسینی الکورانی الکردی، مطبوعہ بغداد ۱۳۵۶ھ
طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	الامام السبکی
طبقات الفقہاء	طاش کبریٰ زادہ، مطبوعہ موصل ۱۹۶۱ء
الطبقات الکبریٰ	الامام عبدالوہاب الشعرانی
العبر فی اخبار من غبر	الامام الذہبی
العقد الفرید	ابن عبد ربہ
عقود المرجان	الامام احمد بن طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ (صاحب معانی الآثار)
عقود الدرر والعقیان (خلاصہ عقود المرجان)	" " "
عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان	الامام ابو عبداللہ محمد بن یوسف الدمشقی الصالحی
قلائد عقود العقیان	احد من علماء الیمن
الغرف العلیہ	ابن طولون احمد بن حسین
فتوح البلدان	
الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی	الحجوی
فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب	محمد لطفی جمعہ
الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ	محمد عبدالحی فرنگی محلی مطبوعہ لکھنؤ
"	" " کراچی

قلائد العقیان	ابن خاقان
الکامل	ابن الاثیر
کتاب الآثار	(بروایۃ تلامذۃ امام اعظم ابی حنیفہ)
کشف الآثار فی مناقب الامام	الامام عبداللہ بن محمد الحارثی
کتاب الانتصار لامام ائمۃ الامصار	
کتاب الوزراء	الجہشیاری
مختصر مسند	شرف الدین اسمٰعیل بن عیسیٰ ادغانی مکی
مرآۃ الجنان	الیافعی
مرقاۃ الوفیۃ	ابن دقماق ابراہیم بن محمد
مسند	ابو عبداللہ محمد بن خسرو بلخی
مسند امام ابی حنیفہ	ابو محمد عبداللہ حارثی بخاری
مضمرات	عمر صوفی کماروی
مطلع البدور	
المعارف فی التاریخ والتراجم	ابن قتیبہ الدینوری ابو محمد عبداللہ ابن مسلم، مطبوعہ مصر ۱۳۰۰ھ
معجم البلدان	
معلمۃ الاسلام	
مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ	عصام الدین ابو الخیر احمد بن مصلح الدین مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ
مقدمہ ابن الصلاح	
مقدمہ اعلاء السنن	
مقدمۃ زیلعی	
مناقب ابی حنیفہ	حافظ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری

مناقب ابی حنیفہ	المکی
مناقب ابی حنیفۃ و صاحبیہ	حافظ شمس الدین الذہبی
مناقب الامام ابی حنیفہ	محدث صمیری
مناقب الامام الاعظم	ابوالمؤید الموفق بن احمد المکی (المتوفی ۵۶۸ھ) مطبوعہ دکن
"	محمد بن محمد کردری (المتوفی ۸۲۷ھ) "
"	ملا علی القاری
مناقب نعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی (المتوفی ۳۰۸ھ)
مناقب النعمان	الشیخ ابو عبداللہ حسین بن علی الصمیری (المتوفی ۴۳۶ھ)
"	امام محمد بن احمد بن شبیب (" ۳۵۰ھ)
"	موفق بن احمد مکی خوارزمی
"	امام ظہیر الدین المرغینانی (" ۵۰۶ھ)
"	ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد المعروف بابن ابی العوام
مواہب الشریفہ فی مناقب ابی حنیفہ	
مجلہ	مجد الدین فیروزآبادی (صاحب القاموس)
المیزان الکبریٰ	عبدالوہاب الشعرانی
النجوم الزاہرہ	ابن تغری بردی مطبوعہ چٹنبول
نزہۃ الجلیس	الموسوی
نصب الرایہ	علامہ جمال الدین زیلعی
نافع الکبیر لمن یطالع جامع الصغیر	مولانا عبدالحی لکھنوی
الاظرہ فی حدوث المذاہب الاربعہ	احمد تیمور پاشا
نظم الجمان	صدر الدین ابراہیم بن محمد دقاق، (المتوفی ۸۰۹ھ)
النکت الظریفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ	اکمل الدین محمد بن محمود حنفی
وفیات الاعیان فی مذہب النعمان	نجم الدین ابراہیم بن علی طرطوسی

کتب اردو

الانوار الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ — علامہ نور بخش توکلی، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۳ھ

امام ابو حنیفہ (ترجمہ) — سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۲ء

امام ابو حنیفہ اور ان کے ناقدین (اردو، عربی) — مولانا حبیب الرحمٰن شروانی (المتوفی ۱۹۵۰ء) مطبوعہ کراچی

امام ابو حنیفہ در علم حدیث — مولانا محمد علی کاندھلوی، مطبوعہ سیالکوٹ

امام اعظم — محمد احسن ذخی، مطبوعہ فیروز سنز پاکستان ۱۹۷۰ء

امام اعظم ابو حنیفہ — مفتی عزیز الرحمٰن، مدینہ پریس بجنور ۱۹۶۴ء

امام اعظم — ندیم کوموی، مطبوعہ دار السلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) پاکستان ۱۹۶۹ء

امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی — ڈاکٹر حمید اللہ، مطبوعہ حیدر آباد

انسائیکلو پیڈیا — مرتب و طابع فیروز سنز لمیٹڈ، پاکستان

اولیائے رجال الحدیث — مولانا عبد المصطفٰے اعظمی مجددی، بھارت

البراہین الحنفیہ لدفاع فتنۃ النجدیہ — مولانا محمد عالم آسی امرتسری، مطبوعہ امرتسر

البیان الازہر ترجمہ فقہ اکبر — عبد الحمید سواتی، مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۵۹ء

تاریخ المشاہیر (ایک باب) — قاضی سلمان منصور پوری، مسلمان کمپنی لاہور ۱۹۲۹ء

تاریخ فقہ اسلامی — عبد الصمد صارم

تائید الامام بحدیث جابر خیر الانام — مولانا ابو یوسف محمد شریف، کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ (پاکستان)

تذکرہ ازلی حالات امام ابو حنیفہ — مطیع الحق پیامی، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۳ھ

تذکرۂ امام اعظم — پیر غلام دستگیر نامی، مطبوعہ لاہور

تذکرۃ النعمان (منظوم) — محمد عبد القدوس بنگلوری، مطبوعہ بنگلور ۱۳۱۲ھ

تنبیہ الوہابیین — مولانا محمد عبد العلی آسی مدراسی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۶ھ

تنبیہ الآسی علی تشنیع الناسی — 〃 〃 〃 〃

تبییض الصحیفہ بمناقب ابی حنیفہ (ترجمہ) — مولانا غلام معین الدین نعیمی، مطبوعہ لاہور

تعلیم الایمان (شرح فقہ اکبر) مطبوعہ کراچی

تلامیذ ابی حنیفہ محمد محبوب علی خان 〃 بریلی ۱۳۴۷ھ

تقلید ائمہ سبحانی مولانا حافظ مہر محمد خان ہمدم ، چھانگا مانگا ، لاہور

تنویر الحواسہ فی مناقب الائمۃ الثلاثہ مولانا محمد حسن فیض پوری ، مطبوعہ لاہور

تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان (ترجمہ مواہب الشریفہ)

جمیل ثناء الائمۃ علی علم سراج الامہ مولانا احمد رضا خان بریلوی (قلمی ، مملوکہ

حمایۃ المقلدین حافظ احمد علی بٹالوی ، اصح المطابع ۱۳۴۰ھ

حدائق الحنفیہ مولانا فقیر محمد جہلمی ، مطبوعہ لکھنؤ نولکشور ۱۳۲۴ھ

حدیث اعظم مولانا بہاء الحق قاسمی . مطبوعہ امرتسر

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی مولانا مناظر احسن گیلانی ، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء

حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی ، ایس پریس مدراس ۱۳۴۵ھ

حیات امام ابوحنیفہ (ترجمہ) رئیس احمد جعفری ، مطبوعہ لاہور

حیات امام اعظم ابوحنیفہ مفتی عزیز الدین بجنوری ، مطبوعہ بجنور

〃 محمد ابوزہرہ ، ترجمہ غلام احمد حریری ، مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۳۸۲ھ

الخیرات الحسان فی مناقب النعمان (ترجمہ) سید شجاعت علی قادری . مطبوعہ کراچی

〃 〃 مولانا ظفر الدین بہاری ، مطبوعہ آگرہ

خزینۃ الاصفیاء (ترجمہ) علامہ اقبال احمد فاروقی لاہور

دبوس المقلدین جواب قوس المفتنین مولانا محمد عبد العلی آسی مدراسی ، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۶ھ

دائرۃ المعارف اسلامیہ ، ج . مرتبہ و طابع ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور

رحمۃ الرحمٰن شرح قصیدۃ النعمان مولانا محمد اعظم نوشاہی (میروال) مطبع مجتبائی دہلی

رحمۃ الرضوان فی تذکرۃ ابی حنیفۃ النعمان سید محمد اصغر حسین ، دیوبند ۱۳۵۷ھ

رضوان ، ہفت روزہ ، امام اعظم نمبر مولانا سید محمود احمد رضوی ۱۹۵۱ء

ریاض المرتاض (ترجمہ) نواب صدیق حسن خان بھوپالی

مباحثات (امام اعظم اور ان کے تلامذہ) سید ابو محمد کاوش ندوی ۔ مدینہ بک ایجنسی ۱۹۳۱ء

سیرت ائمہ اربعہ مرتبہ رئیس احمد جعفری ، مطبوعہ لاہور

سیرت امام اعظم حکیم محمد شمس الدین قریشی ۔ مطبوعہ دار الاشاعت ٹیکسلا ، پاکستان

سیرت امام اعظم ابو حنیفہ حکیم علی احمد عباسی مطبوعہ کراچی

سیرۃ النعمان مولانا شبلی نعمانی ، مطبوعہ دہلی ، علیگڑھ ، کراچی

" ابو امام الدین رام نگری ۔ مطبوعہ منڈی بہاء الدین ، پاکستان ۱۳۳۶ھ

السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم فقیر محمد جہلمی ۔ سراج المطابع جہلم ۱۹۱۰ء

السیوف الحنیفہ علی عائب ابی حنیفہ مولانا احمد رضا بریلوی (قلمی مملوکہ مفتی اعظم ہند ، بریلی)

ضیاء مہر انور مولانا جمیل احمد سکندر پوری ، مطبوعہ دہلی

عبد اللہ بن مسعود اور ان کی فقہ (ایک باب) ڈاکٹر رضی ، مطبوعہ دہلی

عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمان مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری

فتح المجتہدین محمد خلیل الرحمٰن ، حیدر آباد سندھ

فجر الاسلام (ترجمہ) امین مصری ، مکتبہ طلوع اسلام لاہور

الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین مولانا منصور علی مراد آبادی ۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۶ھ

الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی مولانا احمد رضا خان بریلوی ۔ مطبوعہ لاہور

فقہ اکبر و وصیت نامہ ترجمہ مفتی محمد سعد اللہ

فلسفہ شریعت اسلام ڈاکٹر صبحی محمصانی ، اردو ترجمہ : محمد احمد رضوی ، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۰ء

الفہرست ابن ندیم ۔ ترجمہ محمد اسحٰق بھٹی ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۔ ۱۹۶۹ء

مذاہب اسلام مولانا نجم الغنی رام پوری

محدثین کرام کے علمی کارنامے (ایک باب) تقی الدین مظاہری ، مطبوعہ لکھنؤ ، اکتوبر ۱۹۶۶ء ، د مطبع محمدی ۱۹۲۹ء

مقام ابو حنیفہ سرفراز خان صفدر ، مطبوعہ گوجرانوالہ

مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری مولانا احمد رضا بجنوری ، مطبوعہ دیوبند

مرد غفار مفتی سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ ، مطبوعہ حزب الاحناف لاہور ۱۳۲۹ھ

مہرِ انور (ترجمہ فقہ اکبر) مولانا وکیل احمد سکندر پوری ، مطبوعہ دہلی

نصرۃ المقلدین حافظ احمد علی بٹالوی ، اصح المطابع ۱۳۲۰ھ

نعمتِ عظمیٰ (ترجمہ طبقات الکبریٰ) عبدالغنی وارثی ، مطبوعہ آگرہ

ہدایا ترجمہ وصایا مولانا وکیل احمد سکندر پوری ، مطبوعہ دہلی

کتبِ فارسی

اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین نواب صدیق حسن خان مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ

آریانا دائرۃ المعارف مطبوعہ کابل

ارشاد المسترشدین سید ظہور الحسن قادری بٹالوی المتوفی ۱۹۲۰ء ، مطبوعہ آگرہ

اتباع سید الانام فی عدم جواز فاتحہ خلف الامام ″ ″ ″

بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی

پندنامہ شیخ فرید الدین عطار ، مطبوعہ ایران و پاکستان

تاریخ اصبہان

تذکرۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطار

تحفۃ الابرار مرزا آفتاب بیگ ، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۳ھ

تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان (ترجمہ مواہب الشریفہ فی مناقب ابی حنیفہ)

تراجم الحنفیہ (تذکرہ علمائے حنفیہ) مولانا کلیم اللہ جیبانوی (قلمی ، مملوکہ پروفیسر قریشی احمد حسین قلعداری)

تراجم الفضلاء مولانا فضل امام خیر آبادی ، مطبوعہ کراچی

تذکرۃ الاصفیاء

حدیقۃ تصوف

حلیۃ المنفعہ فی الذب عن الائمۃ المجتہدین الاربعہ نواب صدیق حسن خان ، مطبع مفید عام آگرہ

خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری ، مطبوعہ لکھنؤ

روضۃ الجنات الخوانساری

شرح فقہ اکبر — سید محمد گیسو دراز ، مطبوعہ حیدرآباد دکن (اس کا قلمی نسخہ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد پاکستان میں موجود ہے اور فوٹو سٹیٹ کاپی لاہور میں سید انور حسین نفیس رقم کے پاس موجود ہے ،

لغت نامہ دہخدا جلد اول — علی اکبر دہخدا ، مطبوعہ تہران

کشف الاسرار — شیخ عبدالعزیز بخاری

کشف المحجوب — شیخ سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش ، لاہور

گنج تاریخ — مفتی غلام سرور لاہوری ، مطبوعہ لکھنؤ

مناقب امام اعظم — شیخ ابو سعید

سمات المسلمین — (قلمی ، مملوکہ کتب خانہ گنج بخش ، راولپنڈی نمبر ۲۹۰)

نثر الطوا — (پشتو منظوم)

ترکی کتب

تاریخ التشریع الاسلامی — الخضری بک و عبد اللطیف السبکی و محمد علی السائس و محمد یوسف بربری

الحیاض من صوب غمام الفیاض (منظوم) — احمد بن سیواسی

ورآ — حلیم ثابت شبائی

مناقب امام اعظم — علامہ محمد کامی آفندی قاضی بغداد ، المتوفی ۱۱۳۶ھ

" — مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی (سن تالیف ۱۱۹۸ھ)

مناقب النعمان — محمد بن عمر (یہ کتاب امام محمد الکردری المتوفی ۸۲۷ھ کی ہے جس کا ترجمہ سلطان مراد ثانی کے حکم سے علامہ محمد بن عمر نے عربی سے ترکی زبان میں کیا)

مناقب نعمان (منظوم) — شمس الدین احمد بن محمد السیواسی

آخری پیغام

ـــــــ از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ـــــــ

تاریخ قرآن پر ایک اہم تاریخی اور تحقیقی کتاب جو خواجہ محمد عبداللہ جان نقشبندی، مجددی، قادری، (پشاور) کی تحریک پر لکھی گئی۔ اس کتاب میں ـــــــ آئینۂ قرآن میں صاحب قرآن کی ایک جھلک دکھائی ہے ـــــــ قرآن کی روشنی میں قرآن کا تعارف کرایا ہے ـــــــ نزولِ قرآن، کتابتِ قرآن، جمع و تدوینِ قرآن پر سیر حاصل بحث کی ہے ـــــــ قرآن کی اشیاءِ کتابت بالخصوص کاغذ پر تاریخ کی روشنی میں نظر ڈالی ہے اور دلائل و شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآنِ حکیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون و مرتب ہو چکا تھا اور اس کے کئی مکمل نسخے موجود تھے ـــــــ منازلِ قرآن، نقاط و اعراب قرآن، رموز و اوقاف اور اجزاءِ قرآن پر محققانہ بحث کی ہے ـــــــ قرآن کے ابتدائی رسم الخط اور عربی رسم الخط پر تحقیق کی ہے، مختلف رسم الخطوں اور خطاطوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے ـــــــ علوم قرآن، عجائباتِ قرآن، مضامین قرآن کی ایک جھلک دکھائی ہے ـــــــ دنیا کی بہت سی زبانوں میں قرآنِ کریم کے تراجم کا مختصر جائزہ لیا ہے، قرآن کے قدیم قلمی نسخوں کی نشاندہی کی ہے اور قرآن کی اوّلین طباعت پر تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے ـــــــ اس محققانہ کتاب کی تدوین میں بیسیوں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ـــــــ اسلوب تحریر نہایت دلنشیں اور دل پذیر ـــــــ پاکستان کے مشہور خطاط خورشید عالم گوہر رقم کے عظیم شاہکار تین سو رسم الخطوں پر مشتمل ایک ٹن وزنی عجائب القرآن کے صفحات اور قومی عجائب گھر پاکستان کے نادر قرآنی قلمی نسخوں کے صفحات کے عکس بھی شامل کیے گئے ہیں ـــــــ کتابت، کاغذ، طباعت اور جلد بندی ایک سے ایک اعلیٰ اور نفیس ـــــــ المختصر قرآن کریم کی تاریخ پر اب تک لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب ایک امتیازی شان رکھتی ہے ـــــــ قیمت ۵۰ روپے ـــــــ تاجروں، لائبریریوں، علماء، طلبہ اور اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت ـــــــ

ملنے کے پتے

۱۔ سرہند پبلیکیشنز، مکان نمبر ۸۸ بلاک نمبر ۸/۷ دہلی مرکنٹائل کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی نمبر ۸۰۰۰۶۔

۲۔ دربار عالیہ مرشد آباد شریف، بالمقابل آڈٹ کالونی، کوہاٹ روڈ، پشاور

حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ

آئمہ مجتہدین اور علماء اہلسنت کی نظر میں

بخدا! میں نے ان (امام ابوحنیفہ) جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ اگر وہ دعوے کرتے ہیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو عقلی دلیل سے اسے ثابت کر دکھلاتے۔

(حضرت امام مالک رض)

تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

(حضرت امام شافعی رض)

امام ابوحنیفہ رض زہد و تقوی اور اختیارِ آخرت میں ایسے مقام پر فائز تھے جسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کر سکتا۔ (حضرت امام احمد رض)

امام ابوحنیفہ رض وہ روشن ستارا ہیں جس سے رات کا راہرو ہدایت پاتا ہے اور ایسا علم ہیں جسے ایماندار وں کے دل قبول کرتے ہیں۔

(حضرت امام داؤد طائی)

علمِ بحروبر، شرق و غرب، بعد و قرب میں جتنا بھی مدوّن ہوا ہے وہ امام ابوحنیفہ رض کا مدوّن کیا ہوا ہے۔ (محمدؒ بن اسحٰق بن ندیمؒ)

اس شخص کی کثرتِ علم اور وفورِ عقل پر مجھے رشک آتا ہے۔ استغفر اللہ! میں کتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ میں انہیں متہم کرتا تھا، حالانکہ یہ تو اس کے برعکس ہیں جو مجھے بتلایا گیا تھا۔

(حضرت امام اوزاعیؒ)

حضرت امام ابوحنیفہ رض اہلِ زمانہ تھے۔

(حضرت مکیؒ بن ابراہیمؒ)

میں نے امام ابوحنیفہ رض کو دیکھا ہے کہ جب وہ دینے پر آتے ہیں اور کوئی ان سے طلبِ علم کرتا تو وہ بحرِ ناپید کنار تھے۔ جب انہوں نے ہماری تمام مشکلیں دور کر دیں تو شائقین کے علم نے ان کو صاحبِ بصیرت مانا۔

(حضرت عبداللہ بن مبارکؒ)